آثار جعفریہ

یعنی

سوانحعمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

عالیجناب مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع آرہ

مؤلف سراج المبین ۔ سیر و چمن ۔ فیض عظیم ۔ صحیفۃ العابدین ۔ مآثر الباقریہ ۔ علوم کاظمیہ ۔ جبل الرضا ۔ تحفۃ المتقین ۔ النقی ۔ العسکری ۔ اور در المقصود فی احوال المہدی الموعود

سلام اللہ علیہ من ربنا المعبود

[illegible] ھ

مطبع [illegible] پریس [illegible] باہتمام منشی سید ظفر علی صاحب [illegible] طبع [illegible]

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اہلبیت اگر تم انکو مضبوط پکڑ لیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے

مقبول ترجمہ

کثرت اشاعت و مقبولیت عام کی وجہ سے عالیجناب مولانا مولوی سید مقبول احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے مترجم قرآن شریف کا نام ہی مقبول ترجمہ ہو گیا جسکے ترجمہ اور تفسیری حاشیہ کا ایک ایک حرف چہاردہ معصومین علیہم السلام کی روایات کے مطابق ہے۔ علماء مجتہدین۔ امراء۔ رؤساء اور متوسطین غرض ہر طبقہ میں مقبول ہو چکا ہے۔ ترجمہ کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ کا نمونہ منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔ ہدیہ فی پارہ بلحاظ کاغذ قسم اول ۶۰/ قسم دوم ۴۰/ قسم سوم ۲۰/ علاوہ محصول ڈاک۔ ۳۰ پارے (مکمل قرآن شریف) قسم اول ۱۲/۵ قسم دوم ۸/ قسم چہارم ۱۱/

کتب سوانح ائمہ علیہم السلام

ہم نے جس قومی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے اُسکی روح روان کتاب اللہ اور عترت و اہلبیت رسول اللہ کے اذکار و ارشادات و ہدایات ہیں اور ائمہ اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین کی پاک زندگی کے حالات شائع کرنا بھی ایک بڑی اور ضروری خدمت تھی۔ چنانچہ عالیجناب مولوی السید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کو آتھ ضلع آرہ نے نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے ... معصومین کی سوانح قلمبند فرمائی ہیں اور سلسلہ بسلسلہ یہ سوانحعمریاں ملک میں شائع اور ... چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل کتب تیار ہیں۔

(سوانح جناب امیرؑ) عہ، صحیفۃ العابدین (سوانح امام چہارم) ۱۲/، مآثر الباقر جعفریہ (سوانح امام ششم) ۱۲/، علوم کاظمیہ (سوانح امام ہفتم) ۸/

ملنے کا پتہ

منیجر حوزہ انڈ کمپنی جیلا قو دہلی۔

فہرست مضامین آثار جعفریہ یعنی سوانحعمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ المیامین خدائے سبحانہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس کے فضل و کرم سے اِس مقدس سلسلہ کا چھٹا نمبر بھی بخیر و خوبی تمام ہو گیا۔
میں نے اپنے قدیم نظام تالیف کے مطابق۔ اِس کتاب میں بھی سیرت نویسی ہی کی تنہا ضرورتوں سے کام نہیں لیا ہے۔ بلکہ اپنے سلسلۂ بیان میں۔ بقید سنین۔ اُن تمام تاریخی واقعات کو بھی درج کر دیا ہے جن کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات ستودہ آیات سے کسی قسم کا تعلق تھا۔ یا کم سے کم وہ واقعات آپ کی حیات میں گزرے تھے۔ اِس لئے۔ ہماری اِس کتاب کے تنہا دیکھنے سے۔ ہر شخص کو جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے احوال خیر و برکت اشتمال کے ساتھ ہی۔ سلاطین امویہ کے زوال و ادبار کے پورے حالات اور فرمانروایان عباسیہ کے عروج و اقبال کے تمام و کمال احوال بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں۔
بنی عباسیوں نے اپنے حصول سلطنت کی کوششوں میں جن عالم فریبیوں سے کام لیا۔ اور رضائے آل محمدؐ کے مجمل اور خوش کُن کلمہ سے۔ محبت اہلبیت علیہم السلام کی آڑ میں۔ اسلامی دنیا کو اپنا مطیع و منقاد بنایا۔ وہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ اور معتبر و مستند اسانید سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ عباسیوں کی تمام کامیابیاں انہی حضرات کے ذاتی اعزاز و وجاہت کی بدولت تھیں۔
اِن اُمور کے علاوہ۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمات بابرکت میں منصور دوانقی کی بے ادبی آپ کے قتل و ایذادہی کی ترکیبیں اور آپ کے مدارج و مراتب گھٹانے کی فکریں ایکبار نہیں رہی بار۔ اُسکی طرف سے۔ انواع و اقسام کے حیلوں کے ساتھ عمل میں لائی گئیں۔ اور جن میں وہ ہمیشہ ناکامیاب رہکر نادم اور پشیمان ہوتا گیا۔ بتصریح تمام قلمبند کر دی گئی ہیں۔ جن کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ دنیاوی عزت و اقتدار حاملان الٰہی کے روحانی عز و وقار کا کچھ نہیں کر سکتا۔

سادات بنی حسنؑ کے ساتھ بنی عباسیوں نے جو خلاف عہدی اور بے وفائی کی۔ وہ بھی مفصل طور پر سلسلۂ بیان میں منضبط کر دی گئی ہے اور اسی کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ان معاملات میں قطعی علیحدگی اور غیر سرکاری تاریخ کے معتبر اسانید اور احادیث کے مستند مسانید سے ثابت کر دی گئی ہے برعکس اِس کے سادات بنی حسنؑ کو۔ ان اُمور کے خلاف میں۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے جیسی جیسی موعظت فرمائی ہے اور جیسا جیسا سمجھایا ہے۔ وہ کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ جس سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلطنت اسلامی کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ اور آپ

مادام الحیات اِن امور سے بالکل دست بردار اور محض بے سروکار رہے۔

اِس کتاب کے آخر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کے مبارک واقعات درج کئے گئے ہیں اور اِسی کے ضمن میں آپ کی جامعیت اور کمال علمی پر معتبر مشاہیر کی رو سے۔ کافی طور پر بحث کی گئی ہے اور آپ کے وہ اقوال و ارشاد جو ہدایت عامہ اور تعلیم اُمت کے ضروری اصول پر مبنی تھے۔ تحریر کیے گئے ہیں جن کے بے نظیر اور بے عدیل ہونے کا اعتراف اسلام کے تمام علماء، مفسرین، محدثین اور مورخین آج تک برابر کرتے آتے ہیں۔
بہرحال ہماری موجودہ کتاب آثار جعفریہ انہی مضامین کو لئے ہوئے اسلامی پبلک میں پیش کی جاتی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ ہماری یہ ناچیز تالیف ہماری قوم و ملت کے لئے کثیر المنفعت اور مؤلف کے لئے زاد آخرت ثابت ہوگی واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین و السلام علی سید المرسلین و آلہ المعصومین المنتجبین

المؤلف

کوآتھ صانہا اللہ عن الآفات
۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۸ھ
روز شنبہ

احقر
سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفا اللہ الحامی

اُن علماء اور اُن کی کتابوں کے نام جن سے اِس کتاب میں مضامین لئے گئے ہیں

نمبر شمار	اسمائے کتاب	اسمائے علماء	نمبر	اسمائے کتاب	اسمائے علماء
۱	کامل ابن اثیر	علاّمہ ابن اثیر	۱۰	فصل الخطاب	خواجہ محمد پارسا
۲	مراۃ الجنان	امام یافعی	۱۱	ینابیع المودۃ	علامہ سلیمان القندوزی
۳	روضۃ الصفا	خاوند شاہ	۱۲	کاشف الحقائق	مولانا سید مظہر حسین صاحب
۴	زبدۃ الفکر تاریخ بنی امیہ	عباس ابن منصور (قلمی)	۱۳	سیرۃ المامون	شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی
۵	صواعق محرقہ	علامہ ابن حجر	۱۴	سیرۃ النعمان	″
۶	وفیات الاعیان	ابن خلکان	۱۵	لسان الواعظین	حاجی محمد علی محدث تبریزی مرحوم
۷	حواشی جمیدیہ	سید غلام حسین بلگرامی (قلمی)	۱۶	مودّت الاسلام	فاضل جونپوری
۸	جلاء العیون	ملا مجلسی علیہ الرحمۃ	۱۷	تاریخ الائمہ	سید غلام حیدر خاں بہادر جائسی
۹	صافی تفسیر کافی	ملا خلیل قزوینی علیہ الرحمۃ			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلینؐ و آلہ الطیبین الطاہرین
اسم مطہر آپ کا جعفر کنیت ابو عبد اللہ اور مشہور ترین لقب صادق ہے۔ آپ کی والدہ مطہرہ کا نام اُمّ فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر ہے۔ جن کا شمار مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔
امّہ[1] اُمّ فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم و القاسم من الفقہاء السبعہ
جناب اُمّ فروہ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ یہ خاتون معظمہ بہت بڑی پاک سیرت اور نیک نفس بی بی تھیں۔ نور ایمان سے آراستہ اور صدق و عرفان سے پیراستہ۔ زیور معرفت سے مزین اور انوار حقیقت سے پُر نور اور روشن۔ ان کے محامد و محاسن میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔
کانت[2] امی ممن امنت واتقت واحسنت واللہ یحب المحسنین وقال قالت امی قال ابی یا اُمّ فروہ انی لادعوا اللہ لمذنبی شیعتنا فی الیوم واللیلۃ الف مرۃ لانا نحن فیما ینوبنا من الرزایا نصبر علی ما نعلم من الثواب وھم یصبرون علی ما یعلمون
میری ماں مومنہ پرہیزگار و نیکوکار تھیں۔ اور خداوند عالم نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ میرے پدر بزرگوار اُن کو دوست رکھتے تھے اور فرماتے تھے اے اُمّ فروہ ہمارے شیعوں کو جو مصائب پیش آتے ہیں وہ اُن کے ثواب سے واقف نہیں۔ لہذا وہ مصائب اُن کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں ہم ان کے خیر اسے خوب واقف

[1] کتاب باقی باب المولد مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ [2] ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی

ہیں اور اے اُمّ فروہ میں اپنے شیعوں کے لئے شب و روز میں ہزار مرتبہ دعا کرتا ہوں۔
احکام شرعیہ میں کامل دستگاہ رکھتی تھیں۔ ایکبار خانہ کعبہ میں حج کے مناسکات ادا فرما رہی تھیں۔ اُسوقت کسی خاص مصلحت سے ایک ایسی ردا اوڑھے ہوئے تھیں جس میں آپ کی شناخت نہ ہوسکے۔ جب حجر اسود کے پاس پہنچیں تو اُلٹے ہاتھ سے رسم استیلاد ادا فرمایا۔ ایک شخص نے بڑھکے ٹوکا کہ یہ خلاف سنت ہے آپ نے اُس کے جواب میں نہایت متانت سے جواب دیا انا الاغنیاء من علمک ہمکو تمہارے علم کی ضرورت نہیں ہے۔
اِس خاتون معظمہ کی قابلیت اور جامعیت کے ثبوت میں۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی صحبت کا شرف صرف کافی ہے اِسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ جس مخدرہ علیہ کو یہ سعادت حاصل ہو کہ وہ امام محمد باقر علیہ السلام کے ایسے مقدس بزرگوار کی خدمتمیں ہر دم و ہر لحظہ حاضر رہی ہو اور آپ کی زبان مبارک سے ہر روز احکام الہی اور کلام رسالت پناہی کی تفصیل و تشریح کامل طور سے سُن چکی ہو۔ تو پھر اُس کی تحقیقات اور معلومات کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ولادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔ سترھویں ربیع الاول روز دوشنبہ ۸۳ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے علمائے اہلسنت نے سنہ ولادت میں اختلاف کیا ہے اور ۸۳ھ کو ۸۰ھ بتلایا ہے۔ مگر اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی ولادت عبد الملک ابن مروان کے ایام حکومت میں واقع ہوئی۔
یہ زمانہ مروانیوں کے پورے عروج کا تھا۔ چونکہ ہم کو آپ کے حالات کے ساتھ آپ کے زمانہ کی رفتار و کردار بھی دکھلانا نہایت ضروری ہے۔ اِس لیے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو اُس زمانہ کے حالات دکھلا کر یہ بتلائے دیتے ہیں کہ اِس پر آشوبی کے زمانہ میں۔ خدا پرستی۔ نیک نفسی۔ سلامت روی اور صلاحیت اُٹھکر عام طور سے چاروں طرف فتنہ و فساد اور ضلالت و ارتداد کے سر بفلک طوفان اُٹھ رہے تھے۔ اور افسوس اُس ملک میں جس میں شریعت کی حکمرانی کا جھوٹا دعوے کیا جاتا تھا۔ کیسی اور کتنی شریعت کے احکام سے لاپرواہی اور خلاف ورزی برتی جاتی تھی۔
یزید ابن معاویہ قاتل امام حسین علیہ السلام کے بعد۔ بلاد اسلامی کی عنانِ حکومت اُس کے خاندان سے نکلکر جس طرح مروان الحکم کے ہاتھ لگی اُس کا حال سب کو معلوم ہے۔ مروان کے مرنے پر عبد الملک تخت خلافت پر بیٹھا۔ اور بڑی بڑی کشمکش کے بعد اُن کو اطمینان ہوا۔ خلافت کی رعایت سے خلیفہ تو ضرور ہی تھے۔ خانہ کعبہ میں عبد اللہ ابن زبیر کو قتل کر کے امام برحق اور بیکے از ائمہ اثنا عشری بھی ہو گئے[1]

[1] شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری۔ امام سیوطی تاریخ الخلفاء۔

عبد الملک کی سلطنت

سنہ ۶۵ ہجری میں عبد الملک خلیفہ ہوا۔ ادھر وہ تخت پر بیٹھا ادھر اُس کے دست یمین حجاج نے کوہ ابو قبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ خدا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور حرم محترم میں اسقدر آگ اور پتھر برسائے کہ یزید اور مسلم ابن عقبہ کے مظالم بھی اس کے آگے ہوا ہو گئے۔ پھر جس بیرحمی۔ ذلت اور رسوائی سے حضرت صدیقہ کے چہیتے بھانجے اور جناب صدیق کے پیارے نواسے کو قتل کیا اور ان کے مردے کو سولی دی وہ تمام تاریخوں میں بالتفصیل درج ہے۔

یہ تو مکہ کی حالت تھی۔ اب ان کے زمانہ میں مدینہ کی کیا کیفیت ہوئی؟ جب عبد الملک کا لشکر مکہ سے ابن زبیر کا خاتمہ کرتا ہوا مدینہ میں آیا تو بلا امتیاز ادنی و اعلیٰ تمام صحابہ۔ مہاجرین و انصار اور تابعین ایک ہی طرح کے شکنجہ مظالم اور شقاوت کے نیچے دبائے گئے۔ اُن میں سے اکثر تو قتل کئے گئے۔ اور اکثر دائم الحبس کی سزا کو پہنچائے گئے۔ جو سخت جان تھے وہ بچ گئے۔ مگر ان کو اتنے کوڑے لگائے گئے کہ اگر وہ غریب جان سے نہیں مرے تو زندہ درگور سے بھی کئی درجہ بدتر ہو گئے اور مدتوں بستروں پر پڑے خون تھوکا کئے انس ابن مالک صحابی بھی ان مظالم سے مستثنےٰ نہ ہو سکے۔ شرف صحابیت کی رعایت سے نہیں۔ بلکہ کبر سنی اور کہولیت کے لحاظ سے ان کی اور ان کے ہمراہیوں کی گردنوں پر غلامی کے داغ دیکر چھوڑ دیا۔ [۱]

مگر اتنے مظالم کی موجودگی میں جو بالکل اُسی کے حکم اور ایما سے عمل میں لائے گئے۔ عبد الملک خلیفہ برحق بھی ہے اور امام مطلق بھی۔ وہ امیر المؤمنین بھی ہے اور رسولؐ کا جانشین بھی۔ اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءُ عُجَاب۔

اب ان کی خلافت کی بدعنوانیوں سے قطع نظر کی جس سے ہمارے مدعائے تالیف کو بہت کم علاقہ ہے اب ہم اُن کے ذاتی حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو تمام معتبر اور مستند اسلامی تاریخوں میں مندرج ہیں۔ جب عبد الملک خلیفہ ہو گئے۔ تو اُمرا پرستی کے اصول پر۔ ان کے محامد و اوصاف کے اشتہار۔ عام اس سے کہ وہ موضوع اور مصنوع ہی کیوں نہ ہوں۔ تمام ممالک محروسہ میں خاص طور پر مشتہر کر دیے گئے اسی ضرورت سے عبد الملک کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مرد صالح۔ دیندار اور پابند شریعت تھا۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم اور فقیہہ بھی تھا۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا بذیل تذکرہ عبد الملک لکھتے ہیں۔

"عبد الملک مرد عاقل و حازم بود و ادیب و لبیب۔ ابو الزیاد گوید کہ فقہائے مدینہ چہار کس بودند سعید ابن مسیب۔ عروہ ابن زبیر۔ قبیصہ ابن ادیب۔ و عبد الملک ابن مروان۔ و امام شعبی نقل میکنند کہ گفت من با ہر کسے کہ مباحثہ کردم خود را بروے راجح یافتم۔ مگر بر عبد الملک ابن مروانؒ"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب اوصاف بالا سے موصوف تھے اور علم کلام اور فقہ میں مشہور

---

[۱] ابن اثیر۔ روضۃ الصفا۔ طبری فارسی

ومعروف۔ مگر جب ان حالات کے ساتھ ہم ان کے دوسرے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ساری باتیں۔ ہواخواہان دولت کی مصنوعی جوڑ بندیوں کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتیں۔ شریعت اسلامی میں علم فقہ ہو۔ یا کلام۔ علم اصول ہو یا فروع۔ تمام علوم اور جمیع احکام کا انحصار معرفت خدا کے ادراک پر موقوف ہے۔ خیرخواہان دولت نے بیرونی اوصاف سے عوام میں اُن کے بدنما مجسمہ کو کسی نہ کسی طرح زیبا کر دکھلایا مگر وہ اُس کے اندرونی مفاسد کا کیا علاج کر سکتے تھے۔ اور اُس کے بگڑے ہوئے اصول کو کیسے بنا سکتے تھے۔ اُسی روضۃ الصفا میں عبدالملک کی نسبت یہ بھی تحریر ہے کہ

"او نخستیں کسے بود کہ از امر معروف نہی میکرد"

جو شخص دنیا کو امر معروف سے منع کرے اُس کے علم الفقہ کا کیا ٹھکانا۔ یہی تو خلیفہ وقت تھے۔ اور یہی وصی رسول اللہ جو معروف کو منکر اور منکر کو معروف بتلاتے تھے۔ اب ان کے خشوع و خضوع فی اللہ کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو جس سے ان کا صلاح اور دیندار ہونے کا حال بھی معلوم ہو جائیگا۔

سنہ ۷۳ ہجری میں جب ابن زبیر کا خاتمہ ہو چکا تو عبدالملک حجاز میں اپنی سلطنت و حکومت کے اعلان کی لئے آئے اور مسجد میں ذیل کا خطبہ پڑھا۔ جس کے مضمون یہ تھے۔

ایہا الناس۔ میں خلیفہ مستضعف (عثمان) نہیں ہوں اور نہ خلیفہ مداہن (عمر) اور نہ خلیفہ سخیف الرائے (یزید) ہوں۔ ہمارے پاس ہر بات کا علاج تلوار ہے۔ تم لوگ ہم کو تو مہاجرین و انصار کے ایسا کام کرنے کی تکلیف دیتے ہو اور خود ویسے کام نہیں کرتے۔ خدا کی قسم آج کے بعد سے۔ جو کوئی مجھے تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے کہے گا میں اُس کی گردن اُڑا دونگا۔ ۳؎

صاحب روضۃ الصفا بھی اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بعد از قتل ابن زبیر چوں بمدینہ در آمد۔ بر بالائے منبر رفتہ گفت الا یا مرنی بتقوی اللہ بعد مقامی ھذا الاضربت عنقہ" ۴؎

عبدالملک کے دل میں جسقدر معرفت الٰہی کا احساس اور خوف خدا کا اثر تھا۔ وہ اُن کے عالمگیری حکم سے ظاہر ہو گیا۔ سیرت خلفاء راشدین اور صحابہ انصار و مہاجرین کی تقلید کا بھی جیسا کچھ سلیقہ اور اداعا تھا وہ بھی معلوم ہو گیا۔ غرور سلطنت نے تخت شاہی پر بیٹھتے ہی ان میں وہ تمکنت پیدا کر دی کہ خدا کے بتائے ہوئے اصول پر چلنے اور اُس کے قہر و عذاب سے ڈرنے کے لیے قطعی انکار کر دیا اور پھر اس زوروں میں کہ اگر کوئی اسلام کا سچا ہمدرد اور انکا سچا بہی خواہ بھی۔ اپنی غایت شفقت اور ہمدردی سے خوف خدا اختیار کرنے

۱؎ روضۃ الصفا صفحہ ۱۲۵ ۲؎ کاشف الحقائق ۳؎ کاشف الحقائق صفحہ ۳۰ ۴؎ روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۱۲۹

نوٹ ۱؎۔ دیکھو انجیل متی میں ہر دوستی کے وہ احکام جو اُس نے مسیح علیہ السلام کے مصر سے بار دگر بیت المقدس مراجعت فرمانے کے وقت تمام ملک میں نافذ کیے تھے ۱۲ اولاد حیدر

کے لیئے۔ انھیں نصیحت کریگا تو اُس کی دلسوزی کا جواب زبانِ شمشیر سے دیا جائیگا اور وہ قتل کیا جائیگا۔
کیا اچھی خداترسی ہے اور کیسے اچھے اخلاق۔ تاریخ جاننے والے کھُل کھُل کر کہدینگے کہ یہ امور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور ممالک اسلامی کے فرمانروا کے شعار تو معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ روش اور یہ طریقہ امم سابقہ کے سلاطین جابرہ کا معلوم ہوتا ہے۔ جو نہ خدا کے قائل تھے۔ اور نہ انبیائے مرسلین پر ایمان لائے تھے۔ بلکہ اپنے معاصر انبیاء کے موعظت اور ہدایت کی خبر پاکر عموماً ایسا ہی حکم عام دیا کرتے تھے کہ جو شخص میرے سامنے یا میری مملکت میں خدا کا نام لیگا یا مجھکو یا میری رعایا کو خدا کی متابعت اور بندگی اختیار کرنے کے لئے اُس کے خوف سے ڈرائیگا۔ وہ قتل کیا جائیگا۔
تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ یزید ابن معاویہ نے جب عبداللہ ابن زبیر کی مہم پر اپنے زمانہ میں اپنا لشکر مسلم ابن عقبہ کی ماتحتی میں بھیجا تو اُسے دیکھکر عبدالملک کہنے لگے کہ خدا کی پناہ۔ یہ لشکر حرم خدا پر جاتا ہے کہ پسر زبیر سے جو ایسا ایسا ہے۔ جنگ کرے۔ مگر اپنے عہد میں انہی کے حکم سے حجاج کے ساتھ لشکر پر لشکر مکہ پر چڑھائے گئے۔ اور وہی ابن زبیر قتل بھی کیئے گئے اور سولی بھی چڑھائے گئے مگر عبدالملک کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔
سلطنت کا غرور اور دولت کا نشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان کو انانیت کے سوا اور کچھ نہیں دکھلائی دیتا حقیقت امر یہ ہے کہ عبدالملک نے یہ کلام اُسوقت کہا تھا جسوقت تک یزید کے ایسا ان کو بھی دُنیا کی شاہی کا لطف نہیں ملا تھا۔ مگر کچھ آگے چلکر جب یزید کی طرح اِن کے منہ بھی خون لگ گیا تو یہ بھی اُس کے مقلد ہوگئے۔ یزید کی فوج کشی دیکھکر تو خوف خدا کا احساس ہوا۔ مگر جب اُسی مقام پر اپنی فوج کشی کا وقت پہنچا تو وہ خوف خدا۔ ادب خانہ حرم اور رعایت خون مسلمین سب رخصت۔ اِس سے بڑھکر ان کی خودغرضی نفسانیت اور قساوت قلبی کے اور کیا ثبوت ہونگے۔
عمر ابن سعید کے مخفی قتل کئے جانے کا واقعہ بھی عبدالملک کے حسن اخلاق اور وعدہ وفائی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ بعض مورخین نے تو صاف صاف لفظوں میں لکھدیا کہ خلفاء میں سب سے پہلے جس نے غدر اختیار کیا وہ عبدالملک تھا۔[1] جیسا کہ عمر ابن سعید کے ساتھ ان کے مخاصمانہ سلوک سے پورے طور پر ثابت ہے۔ عمر ابن سعید کی پردرد داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر ابن سعید۔ اراکین شام میں بہت بڑے تجربہ کار اور ذی وجاہت اور صاحب اختیار تھے۔ معاویہ کے وقت سے لیکر ایام موجودہ تک تمام کاروبار ملکی میں دخیل چلے آتے تھے۔ یزید کے مرنے کے بعد۔ جب سلطنت شام کے ہزاروں اُمیدوار نکل پڑے تو اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ آخرکار ان میں اور مروان کے درمیان میں یہ صلاح ٹھہری کہ عمر مروان کے کاموں میں کوئی دست اندازی نہ کرے اور مروان کے حصول سلطنت کے بعد عمر ابن سعید کو اپنا

[1] روضۃ الصفا ١٧

ولیعہد مقرر کردے اور مروان کے بعد عمر ابن سعید خلیفہ ہوں۔ مگر جب مروان کے بعد معاملہ دگرگوں ہوا تو عمر نے عبدالملک کے مقابلہ میں تو اپنی پوری مستعدی اور آمادگی دکھلائی۔ آخر میں عبدالملک سے بھی مصالحہ ہوا اور یہ قرار پایا کہ دونوں شخص استحکام سلطنت کے متعلق ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ اور پورے تسلط ہونے کے بعد بلاد اسلامیہ کو نصفا نصف بانٹ لیں۔

یہ امر طے ہوگیا۔ فریقین میں صلح ہوگئی۔ اور ایک دوسرے کا رفیق اور معین بن گیا۔ جب عبدالملک کی سلطنت قوی ہوگئی اور اس کے انتظام میں استحکام آگیا تو عبدالملک کو ان کے ہٹانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ آخر عمر ابن سعید کو ایک دن کسی مہم ملکی میں مشورہ لینے کے بہانہ سے۔ خلوت میں بلایا اور پابزنجیر کرکے اپنے بھائی عبدالعزیز کے سپرد کیا اور قید کا حکم دیکر نماز میں مشغول ہوگیا۔ گیا ابھی نماز تھی۔

یحییٰ ابن سعید کو جب بھائی کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ۔ عبدالملک کے دارالامارۃ کے دروازہ پر جمع ہوگئے اور اپنے رئیس کو طلب کرنے لگے۔ عبدالملک نے اُن سے کہا کہ میں تمہارے رئیس کو اندر جاکر بھیجے دیتا ہوں وہ سب انتظار میں کھڑے کے کھڑے رہگئے۔ وہاں عبدالملک نے اندر جاکر عمر ابن سعید کا خاتمہ کرڈالا[51]۔

عروہ ابن زبیر کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش ہونے والا تھا۔ مگر کسی نہ کسی طرح اُس کی جان بچ گئی کیفیت یوں ہے کہ جب عبداللہ ابن زبیر قتل ہوچکے تو عروہ یہ سوچکر کہ حجاج کی مردم آزاری اور خونخواری سے جانبری ناممکن ہے۔ اپنے آپ عبدالملک کے پاس حاضر ہوگیا۔ عبدالملک بھی اُسوقت اُس کی مایوسی دیکھکر اُس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرسکا۔ مگر دو چار دن کے بعد۔ حجاج نے عروہ کے فرار ہونے کی خبر پاکر عبدالملک کو لکھ بھیجا کہ عروہ عبداللہ ابن زبیر کا سب مال و دولت لیکر چلتا ہوا ہے۔ آپ اُسکو ہمارے پاس بھیجدیں کہ اس سے رقم کثیر جس کو ابن زبیر نے جمع کیا تھا۔ ہاتھ لگی۔ عبدالملک نے حجاج کا یہ تاکیدی خط پاکر عروہ کے گرفتار کئے جانے اور مکہ بھیجدئے جانے کا حکم عام دیدیا۔ عروہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوکر اُسی وقت عبدالملک کے دربار عام میں پہنچا اور خلیفہ کو مخاطب کرکے برسر عام کہنے لگا

بنی مروان ما ذل من قتلتموہ ولکن ذل من ملکتموہ۔ یعنی اے آل مروان جو شخص تمہارے ہاتھوں سے قتل ہو۔ وہ ہرگز ذلیل و خوار نہیں ہوا بلکہ وہ شخص جس نے اپنا اختیار تمہیں دیدیا اور تمہاری اطاعت اختیار کی۔ وہ حقیقت میں ہمیشہ کے لئے رسوا بھی ہوا اور شرمسار بھی۔

عبدالملک نے عروہ کے کلام سنکر اپنا حکم واپس لے لیا اور اس کی معافی کردی[52]

اس سے بڑھکر بدعہدی اور کیا ہوگی۔ صاحب روضۃ الصفا تاریخ ذہبی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ۔

"واول کسے کہ نہی کرد مردم را از تکلم کردن پیش خلفاء۔ او بود۔ چہ قبل ازیں ہرکہ خواستے در مجلس خلفا گفتے"[53]

---

[51] روضۃ الصفا صفحہ ۱۲۵ [52] روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۲ [53] روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۹

اُس خودداری اور خود نمائی کے موجد بھی یہی نکلے۔ نہیں تو بقول فاضل مورخ اسلام کے سادہ مزاج خلفاء سے اپنے عرض حال کرنے کے لئے عام طور سے ہر شخص بذات خاص مجاز تھا۔ عبدالملک کی سلطنت شاہی بھی اس خودداری اور خود نمائی کی موجد نکلی۔ نہیں تو بقول فاضل مورخ ان سے پہلے خلفاء اسلام کے یہ دستور اور شعار نہیں تھے۔ عبدالملک نے یہ حکم عام دیکر مستغیثوں کی آمد و شد اور اُنکے عرض حال کرنے کے دروازے بند کر دئے۔ اس انوکھے حکم سے جو تکلیفیں رعایا کو پہنچی ہونگی وہ میرے بیان کی محتاج نہیں۔

عبدالملک تمام عرب میں حد درجہ کا ممسک۔ تنگدل اور بخیل مشہور تھا۔ اس وجہ سے لوگ اسکو رشح الحجارہ کہتے تھے۔ بعض مؤرخین نے اسکی کنیت ابوالذبان لکھی ہے۔ اور اسکی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ سخت گندہ دہن تھا۔ اکثر مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جس وقت اسکو سلطنت ملی تو قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ یہ خبر سُنتے ہی قرآن کو بند کر کے کہنے لگا۔ تیرے ساتھ یہ میرا آخری عہد تھا۔

مؤرخ ابوالفدا بھی عبدالملک کے ان حالات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسکے مُنہ سے بدبو آتی تھی اس واسطے اسے ابوالذبان کہتے تھے اور اسکے بخل کے باعث اسے راشح الحجارہ کہتے تھے۔ یہ شخص بہت استوار عاقل۔ فقیہ۔ دیندار اور عالم تھا۔ جب خلیفہ ہوا۔ دنیا نے سب بھلا دیا۔ رنگ بدلکر کچھ اور ہی ہوگیا۔

عبدالملک کے یہ ذاتی اور صفاتی حالات تھے جنکو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس فطرت کے آدمی تھے۔ جب ایک انسان کی طبیعت میں اتنے مناقص اور معائب ہوں اور وہ اخلاقی کمزوریوں سے بالکل مجبور اور چکنا چور ہو رہا ہو اُس سے تعلیم الٰہی اور تعمیل فرمان رسالت پناہی کی امید رکھنا جو تمام خلفاء اسلام کا پہلا فرض ہے۔ قطعی نادانی ہے۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب بدقسمتی سے ممالک اسلامی کے فرمانروا کے یہ مسالک قائم ہوں اور اُسکی دینداری اور شرعی پابندی اس درجہ تک پہنچ گئی ہو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی تمیز نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی موجودہ سطوت و اقتدار کو ایسا لازوال سمجھنے لگا ہو کہ خدائے قادر و توانا کی قوت سے ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھتا ہو۔ تو پھر ایسے فرمانروا کی ماتحتی میں۔ ملکی رعایا۔ ایسا دینداری اور شرعی پابندی کی تعلیم کیا حاصل کر سکتی ہے۔ اور اُس کے عہد میں احکام الٰہیہ اور ضروریات شرعیہ کی کیا وقعت اور کیا حالت ہوگی۔

عبدالملک کے زمانۂ سلطنت میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا سن سولہ برس کا ہو چکا تھا۔ اسکی تخت نشینی کے دسویں اور بقولے ساتویں برس آپ پیدا ہوئے۔ اگر دسواں برس لیا جاوے تو اسکے وقت میں آپ تیرہ برس کے ہوچکے تھے۔ اور ساتواں برس شمار کیا جاوے تو آپکا سن سولہ برس کا ثابت

بہرحال اس میں شک نہیں ہے کہ عبدالملک ہی کے زمانہ میں آپ کی پیدائش بھی واقع ہوئی اور اُسی کے زمانہ میں آپ کے ایام طفولیت اگر بالکل تمام نہیں ہوئے تھے تو قریب الاختتام تو ضرور پہنچ گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں علوم وافرہ و متکاثرہ کی تحصیل و تکمیل میں مصروف تھے۔ اور اس نونہال چمنستان رسالت کی جبین نور آگیں سے آثار ہدایت و سعادت و انوار امامت و ولایت اشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار تھے ؎

از لوح جبین ارجمندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

ولید ربیع الاول ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور جمادی الاول ۹۶ھ میں فوت ہوا۔ نو برس تک سلطنت کرتا رہا۔ مولوی شبلی صاحب کے سلسلۂ ہیروز آف اسلام "Heroes of Islam" میں ولید کا نام بھی ہے۔ اُسکی بابت امام ذہبی نے صاف صاف لفظوں میں لکھدیا ہے وکان جبارا۔ عنیدا اظلوما غشوما۔ جابر تھا۔ ظالم تھا۔ مردم آزار تھا اور ستم شعار تھا۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ کسی بچہ کا نام ولید رکھتے تھے تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے کراہت فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ولید فرعون کا نام تھا۔ اور علامہ ابن خلکان اور امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ ولید شام میں حجاج عراق میں۔ عثمان ابن حارہ حجاز میں اور قرہ ابن شریک مصر میں فرمانروا ہیں۔ خداوندا۔ جہان ظلم سے بالکل بھر گیا۔

تاریخ الخلفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ولید علم نحو سے بالکل کورا تھا۔ باپ کی تجویز سے نحویوں کو جمع کر کے ایک علیحدہ مکان میں نحو پڑھنے کے لئے بٹھلایا گیا۔ چھ مہینہ تک پڑھتا رہا۔ مگر نکلا تو پہلے سے بھی زیادہ جاہل تھا ع تربیت نااہل را چوں گردگاں بر گنبد است۔

مؤرخ ابوالفدا نے ولید کی غلط عربی بولنے کے متعلق ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے۔ جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

"ایک اعرابی نے دربار خلافت میں اپنے داماد پر نالش کی۔ ولید نے پوچھا مَا شَانَکَ ولید کا اصلی مقصود یہ تھا کہ اُس سے پوچھے کہ تیرا کیا حال ہے۔ مگر چونکہ بہ فتح نون کہا تھا اس لئے اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "تجھ میں کیا بُرائی یا عیب ہے؟"

اعرابی متعجب ہو کر کہنے لگا اعوذ باللہ من الشین۔ میں خدا سے بُرائی یا عیوب سے پناہ مانگتا ہوں۔ سلیمان ابن عبدالملک نے مروعرب کو

سمجھا یاکہ امیر المومنین کہتے ہیں ماشانُک۔ تیرا کیا حال ہے؟ یہ سُنکر اُسنے جواب دیا کہ میرے
خُتن (داماد) نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ ولید نے پوچھا من خُتُنَکَ۔ بفتح نون یعنی کس نے تیرا ختنہ
کیا ہے؟ اب تو اُس مرد اعرابی کو بھی امیر صاحب کی عربی دانی پر بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ آدابِ
خلافت سے تبسم زیر لب کر کے کہنے لگا کہ ایک حجام نے میرا ختنہ کیا ہے۔ سلیمان
غریب نے خلیفہ کی غلط تقریر کو درست کر کے پھر اُس عرب سے پوچھا کہ ماخُتُنُک
تیرا کون داماد ہے؟ تب مستغیث نے اپنے مدعا علیہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ شخص
میرا داماد ہے۔

اسکے ایسے بہت سے واقعات اسلامی تاریخوں میں پائے جاتے ہیں جو خارج از بحث اور طوالت
کا باعث ہونے کے سبب سے قلم انداز کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ایسے جاہل اور بے مایہ لوگ
شریعت کے محافظ۔ خلافت کے فرمانروا اور عامۂ امت کے مقتدا اور پیشوا تسلیم کئے جاتے
ہیں اور احکام الٰہی اور شرع رسالت پناہی کے حامی۔ ناصر اور معلّم سمجھے جاتے ہیں۔
اور اہل اسلام کی ہدایت عامّہ و رشادت تامّہ انکی معلومات کے سپرد کیجاتی ہے ؎

گرہمیں مکتب است و ایں مُلّا کار طفلاں تمام خواہد شد

ظالم حجاج نے ولید ہی کے ابتدائے ایام سلطنت میں سعید ابن جبیر سے عظیم المراتب بزرگ کو اصفہان سے
بُلا کر صرف محبت اہلبیتؑ کے قصور پر قتل کیا۔ اور ولید سے کچھ نہ کہا گیا۔ یہ اگر کوئی مصلحت
ملکی نہیں تھی تو خطائے اجتہادی تو ضرور ہوگی۔ ولید نے آخر زمانہ میں اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی
کے لئے بڑے زور لگائے مگر چونکہ عبد الملک اپنے زمانہ ہی میں اس امر کا تصفیہ کر گیا تھا
کہ میرے بعد ولید اور ولید کے بعد اُسکا بھائی سلیمان تخت نشین ہو۔ اس لئے ولید کی
کچھ نہ چلی۔ ولید کی اس مجنونانہ کوششوں سے بنی امیّہ میں خانہ جنگی شروع ہو چلی تھی اور
ان کے ابتدائے عروج کے وقت سے لیکر اس وقت تک ان لوگوں میں یہ نقص پیدا نہیں
ہوا تھا۔ اسکی شروع اور ابتدا ولید ہی کے زمانہ میں ہوئی۔ سلیمان کے ولیعہد کر دینے سے اس
خانہ جنگی کی اصلاح ہو گئی۔ ورنہ بنی امیّہ کے عروج و اقتدار میں بہت بڑی گزند پہنچتی۔

ولید کے زمانہ میں چونکہ بنی امیّہ زیادہ تر ملکی کاروبار اور اپنی موجودہ خانہ جنگی کے فکر و افکار میں
پھنسے رہے اس لئے اُنہوں نے مخالفت اہلبیتؑ میں کوئی نئی ایجاد نہیں کی۔ جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام ولید کے زمانہ میں اپنے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار کی
خدمت میں حاضر رہکر طالبان حق کو راہ ہدایت دکھلانے اور سالکان راہ ایمان کو احکام
شریعت بتلانے کے مناصب و مدارج پر پورے طور سے فائز ہو چکے تھے۔

سلیمان ابن عبد الملک کی سلطنت

جمادی الثانی ۹۶ سنہ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ڈھائی برس سلطنت کرکے ۹۹ سنہ ہجری میں مرگیا۔ یہ شخص بڑا کھاؤ اور بے حد پیٹو تھا۔ اُسنے ایک بیٹھک میں ستر انار۔ چند برے (بچۂ گوسفند) چھ مرغیاں ڈیڑھ صاع طائف کی کشمش چٹ کی تھی۔

ابن الحدید معتزلی نے بھی ایسی ہی حکایت اسکے متعلق لکھی ہے جسے دیکھکر حیرت سی ہوتی ہے کہ یہ آدمی تھا یا جن۔ اُنکا بیان ہے کہ سلیمان ایک مرتبہ بیس برے (بچۂ گوسفند یا آہو) اتنی روٹیوں کے ساتھ کھا گیا۔ اور پھر حسب معمول لوگوں کے ساتھ اپنے وقت پر روزانہ دستور کے مطابق کھانا بھی کھایا۔

طائف کے ایک باغ میں مقیم تھا۔ ایک بکرا۔ پانچ مرغیاں اور ستو کا ایک بڑا پیالہ بھر کر اُس کے سامنے رکھا گیا۔ یہ بندۂ خدا سب چڑھا گیا۔ پھر باورچی سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ آج تونے کیا پکایا ہے؟ اُسنے کہا کہ کچھ اوپر اسی دیگچیاں انواع و اقسام کے کھانوں کی تیار ہیں۔ یہ سنکر سلیمان اُن میں ایک ایک کو منگوانے لگا۔ اور سب میں سے ایک ایک دو دو لقمے لے کر سب کا مزہ چکھنے لگا۔ پھر اسکے بعد حسب المعمول دستر خوان بچھایا گیا۔ سب کے ساتھ بیٹھکر سلیمان نے اس خواہش اور چاٹ سے پوری طرح سیر ہوکر کھانا کھایا۔ گویا پہلے کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔

مورخ ابو الفدا اور ابن الحدید کا قول ہے کہ سلیمان کی موت بھی اسی زیادہ خوری کے باعث ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ایک نصرانی خلافت سے پہلے اسکا دوست تھا۔ ایک روز وہ آیا تو سلیمان اُس سے کہنے لگا کہ تو ولید کے زمانہ میں ہم کو طرح طرح کے کھانے کھلایا کرتا تھا۔ اب اُس طرح کی مہمانی اور مہربانی نہیں کرتا۔ کیا باعث ہے؟ وہ مرد نصرانی یہ سُنکر دو بھری ہوئی بڑی بڑی زنبیلیں ایک میں اُبلے ہوئے انڈے۔ دوسری میں انجیر اُسکے پاس لیکر گیا۔ اور ایک انڈا چھیل کر اور ایک دانہ انجیر شامل کرکے دیتا اور سلیمان اُس کو کھا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بھری ہوئی زنبیلیں صاف ہوگئیں اور اُن میں چھلکے تک باقی نہ رہے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے سخت تخمہ ہوا اور وہ اُسی میں فوت ہوا۔

صاحب روضۃ الصفا نے بھی اسکی زیادہ خوری کی ایک مزے دار نقل تحریر فرمائی ہے۔ لذت ناظرین کی غرض سے ذیل میں مندرج کیجاتی ہے۔

سلیمان کے کھانے میں اکثر مرغ بریاں گرم گرم مطبخ سے لایا جاتا تھا۔ چونکہ وہ اتنا گرم ہوتا تھا کہ اُس کا ہاتھ سے اُٹھانا دشوار تھا۔ اور سلیمان میں اتنا تامل کہاں کہ اُسکے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کریں۔ یہ آست

مرغ بریاں کو اُسی حالت میں اپنی لمبی آستینوں سے اٹھا کر کھانے لگتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے کرتے کی آستینیں ہمیشہ شوربے سے تر اور کثیف رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسکی تصدیق اس واقعہ سے پورے طور پر ہوتی ہے کہ امام عاصمی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کی صحبت میں سلاطین اموی کا ذکر نکلا جب سلیمان کا نمبر پہنچا تو میں نے کہا کہ وہ تو گرما گرم مرغ اپنے کرتے کی آستینوں سے پکڑ کر کھایا کرتے تھے۔ یہ سُنکر ہارون نے کہا کہ سچ ہے۔ تم بنی امیہ کا ذرہ ذرہ حال جانتے ہو۔ واقعی ایسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا جب میرے پاس ملوک بنی امیہ کے وہ مال اور اسباب جو اہل لشکر غنیمت میں لائے تھے پیش کیے گئے تو اُس میں سلیمان کے کرتے بھی تھے۔ میں نے اُنکے کرتے کی آستینوں کو ایسا ہی غلیظ۔ میلی اور آلودہ پایا جیسا تم نے ابھی ابھی کہا۔ چونکہ مجھ کو اس وقت تک حقیقت حال معلوم نہیں تھی اس لئے مجھے تعجب تھا کہ اُسکے لباس میں خاصکر آستینوں کے خراب اور غلیظ رہنے کی کیا وجہ ہے۔ مگر اب تمنے اسکی اصل وجہ بتلاکے میری تشفی کر دی۔

یہ کہکر ہارون رشید نے اُن کرتوں کو منگایا۔ دیکھا تو وہ ویسے ہی تھے جیسے اوپر بیان کیے گئے۔ انکی زیادہ خوری کی نوبت یہاں تک تو پہنچ گئی تھی کہ سونے کے وقت بھی اُنکے سرہانے کھانے سے بھرے ہوئے خوان رکھدئے جاتے تھے۔ رات بھر میں جے بار اُنکی آنکھ کھلتی تھی یہ اُس میں سے نکال نکال کر کھالیا کرتے تھے۔ انکے روزانہ کھانے کا وزن سو رطل عراقی تک بتلایا گیا ہے۔ انکے زمانہ سلطنت میں اہل عرب نے سوائے کھانا کھانے اور پکانے کے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

مورخ ابو الفدا انکی نسبت ان تمام واقعات کی تصدیق اپنی تاریخ میں کرتے ہوئے اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ سلیمان نے تمام مخنثوں کو جو مدینہ میں رہتے تھے حکم دیا کہ سب کو خصی کرا دو۔ چنانچہ اُنکے عامل مدینہ ابوبکر ابن عمر الانصاری نے تمام مدینہ کے مخنثوں کو پکڑ کے خصی کرا دیا۔ غرض یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے عرب میں ہیجڑے بنانے کی ایجاد قائم کی اور یہ امر اُسی کی اوّلیت میں آج تک شمار کیا جاتا ہے۔ سلیمان نے ابوہاشم۔ حضرت محمد حنفیہ کے پوتے کو زہر دلوا کر شہید کیا۔ جسکی پوری کیفیت ہم عباسیوں کے آغاز احوال میں تفصیل سے درج کرینگے۔

عمر ابن عبد العزیز کی سلطنت کا زمانہ

سنہ ۹۹ ہجری میں عمر ابن عبد العزیز تخت نشین ہوا اور سنہ ۱۰۱ ہجری میں فوت ہوا۔ اسکے ایام سلطنت دو برس اور پانچ مہینے ہوتے ہیں۔ خدا کے بیشمار مصالح میں جسکا علم سوائے اُسکے کسی اور کو نہیں ہوتا ایک یہ امر بھی تھا کہ اُس قادر مطلق نے بنی امیہ کے بدنام سلسلہ میں اُس نیکنام خلیفہ کو مخلوق فرمایا جو اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے اپنے تمام اسلاف کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ثابت ہوا۔ ہمارے

فاضل معاصر صاحب کاشف الحقائق تحریر فرماتے ہیں۔
عمر ابن عبد العزیز کو الاعور بین العمیان (اندھوں میں کانا راجہ) کہا جاتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک نظر با وصاف حمیدہ جو عمر میں تھے۔ وہ اس سے زیادہ مدح کا مستحق ہے۔ بلکہ اگر ان میں صرف یہی ایک وصف ہوتا کہ سب و شتم جناب مولانا امیر المؤمنین علیہ السلام کو جو بنی امیہ نے چار دانگ عالم میں پھیلا رکھے تھے۔ موقوف کرا دیا۔ تو یہی اس کے لئے کافی تھا۔ اس نے اس سے صرف شیعوں ہی کو روز قیامت تک اپنا زیر بار احسان نہیں بنایا بلکہ خود اپنے لئے بھی ایک معقول توشہ راہ عاقبت کا بہم پہنچایا۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یا ابن عبد العزیز لو بکت العین فتی من بنی امیّۃ لبکیتک	اے پسر عبد العزیز۔ ہماری آنکھیں بنی امیہ میں سے اگر کسی کے لئے گریاں ہوتیں تو البتہ تجھی پر روتیں۔
غیر انیّ اقول انّک طیّب وان لم تطب ولم تزاک بتیک	اب میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم پاک و پاکیزہ ہو۔ ہر چند تمہارا خاندان اصلاً پاکیزگی نہیں رکھتا تھا۔
انت ترھناعن البیت والقذف لو امکن الجزآء لجزیتک	تو نے ہم کو سب و شتم سے خلائق کی پاک کیا۔ اگر ہم تیرے بدلہ دینے پر قدرت رکھتے تو البتہ تجھے اسکا بدلہ دیتے۔

اس امر کی تحریک کے باعث جو امور ہوئے اُن کو ہم معتبر تاریخوں کے اسناد سے اس کتاب کی پہلی جلد میں خاص عمر ابن عبد العزیز کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ اُنہی امور میں ایک یہ امر بھی امتناع سب علی علیہ السلام کا بہت بڑا باعث ہوا جسکو ہم تاریخ میں ابن اثیر کے اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔
عمر ابن عبد العزیز کی تعلیم سے ایک طبیب یہودی۔ جو مشاہیر اطبا میں داخل ہونے کے علاوہ بہت بڑا ذی وجاہت اور رہبر دلعزیز تھا ایک دن دربار خلافت میں حاضر ہو کر عمر ابن عبد العزیز کی لڑکی سے عقد کا خواستگار ہوا۔ اور بکمال آزادی خلیفہ سے اس امر نازک کا مستدعی ہوا۔ عمر ابن عبد العزیز نے نہایت متانت سے سب کے سامنے اُسکو جواب دیا کہ یہ پیوند ہمارے تمہارے کیسے ہو سکتا ہے کہ تم یہودی ہو اور ہم مسلمان۔ ہماری تمہاری دینی مخالفت اس دنیاوی مواصلت کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ سنکر اُس یہودی نے کہا کہ پھر کیونکر تمہارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لڑکی علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دی۔ عمر ابن عبد العزیز نے کہا سبحان اللہ! علیؑ تو عظمائے اُمّت محمدیہ سے تھے۔ یہودی بولا۔ تعجب ہے کہ پھر ایسے اعظم ترین ملّت پر کیوں لعنت کیجاتی ہے۔ یہ سنکر عمر تمام حاضرین بنی امیہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ آپ حضرات اب اسکا جواب دیں۔ سب کے سب سر جھکائے خاموش رہے اور اُسی دن سے عمر ابن عبد العزیز نے اس رسم قبیح کو تمام ممالک سے منسوخ کر دیا۔
ہمارے فاضل محقق روضۃ الصفا کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ اسکے علاوہ عمر نے ایک اور بڑا کام یہ کیا

کہ علاقۂ فدک کہ خلافتِ اوّل میں جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے خالصہ سے نکل کر خلافت کے مقبوضات میں ملا لیا گیا تھا۔ اُسنے اولادِ فاطمہ کو واپس کیا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اسکا متولی بنایا۔ اسپر بنی امیہ نے یہ شور مچایا کہ اس فعل سے شیخین پر تشنیع کی ہے۔ ایسی ہی باتوں سے ان لوگوں نے ناخوش ہو کر اُسے زہر دیدیا۔

تاریخ ابوالفدا میں بھی انکی وفات کا یہی سبب لکھا ہے۔ اُنکی عبارت یہ ہے کہ "وہ شخص زہر کھا کر مرا۔ باعث اسکا یہ ہوا کہ بنی امیہ نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ شخص مدتِ دراز تک جیتا رہا تو ہمارے ہاتھوں سے خلافت جاتی رہیگی۔ کیونکہ اس کے بعد اسکا ولیعہد وہی ہوگا جو اسی کے ایسا ہوگا۔ اس لئے ان لوگوں نے کچھ بھی دیر نہ کی اور شربت سم آلود پلا کر آخر کار اُسکو مار ہی ڈالا۔

یزید ابن ولید کی سلطنت

عمر ابن عبد العزیز ایسا لائق شخص اپنے بعد یزید کے ایسے ناکارہ کو اپنا ولیعہد بنائے۔ تعجب ہے مگر جب تاریخوں سے اس تاریکی پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز اس معاملہ میں بالکل بیقصور اور مجبور تھا۔ اُسکی خواہش ہرگز یہ نہیں تھی کہ وہ اُس سلطنت کو جسے اُسنے بڑی کوششوں کے ساتھ بدنامی سے نکالنا چاہا ہے پھر وہ یزید کے ایسے بدکردار اور ناستودہ اطوار شخص کے حوالہ کرے۔ چنانچہ اُسکی اس رائے اور ارادے کا ثبوت شوذب بسطامی کے واقعہ سے پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جسکو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے خلاصہ کر کے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

شوذب بسطامی خوارج کا رئیس تھا۔ حوالی کوفہ میں اُسنے اسّی آدمیوں کی قلیل جماعت کے ساتھ خروج کیا۔ عمر ابن عبد العزیز نے مقابلہ سے طرح دیکر خوارج کو مناظرہ کے ذریعہ سے ہدایت فرمانی چاہی۔ شوذب نے اپنے دو تین اصحاب مخصوصین کو مناظرہ و مباحثہ کی غرض سے عمر ابن عبد العزیز کے پاس بھیجدیا۔ ان میں سے ایک کا نام لشکری تھا۔ غرض ان لوگوں سے اور عمر سے خوب خوب مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے۔ عمر ابن عبد العزیز نے ہر طرح انکو زیر کیا۔ اور اُن سب نے اُسکے قول کی تصدیق کی۔ مگر سب سے آخر میں لشکری نے عمر ابن عبد العزیز سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور پیشوا ہو اور کار و بار دنیاوی میں پوری عدالت سے کام کرتا ہو مگر اپنے بعد وہ امر خلافت ایک ایسے نالائق شخص کے سپرد کرے جسے وہ خود ظالم ترین مردم خیال کرتا ہو۔ عمر نے جواب دیا کہ بیشک وہ شخص خاطی اور عاصی ہے یہ سنکر اُس یہودی نے کہا کہ اب آپ ہی انصاف سے بتلادیں کہ آپ اپنے بعد امر امارت یزید ابن ولید کو سپرد کرتے ہیں یا نہیں حالانکہ

آپ کو پورا علم ہے کہ وہ اس امر کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور اُسکا کوئی فعل نیک اور بہتر نہیں ہے۔
اُس کے یہ کلام سُنکر عمر ابن عبد العزیز رونے لگے اور کہنے لگے مجھے تین روز کی مہلت دو کہ میں اس امر پر
غور کرونگا۔ چنانچہ خوارج نے تین دن تک عمر کے تصفیہ کا انتظار کیا۔ اس معاملہ کی کیفیت قوم
بنی امیہ کو معلوم ہوئی تو ان لوگوں نے یہ سوچکر کہ شاید عمر ابن عبد العزیز ولیعہدی کا انتظام ہمارے
قبیلہ سے نکالکر کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ نہ کرے عمر کو ایک خادمہ کے ذریعہ سے زہر دلوا دیا۔
جس سے اُنکی وفات واقع ہوئی۔ اور وہ تین روز معہودہ گزرنے بھی نہ پائے۔
یزید ابن ولید کو ان چالوں سے سلطنت ملی۔ اب انکے افعال و اطوار کی ذیل میں صاحب کاشف الحقائق
امام سیوطی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔
یزید ابن ولید نے عمر ابن عبد العزیز کے بعد اُسکے تمام کام اور قانون اور قاعدے بدل ڈالے چالیس
بوڑھے ریش دراز بنی امیہ نے اسکے سامنے گواہیاں دیں اور حلف اُٹھائے کہ خلفاء کے لئے نہ کوئی حساب
ہے نہ کتاب نہ عذاب ہے نہ عقاب۔ بس پھر کیا تھا۔ یزید کفر و عصیان کے دریا میں کود پڑا۔ پہلے ایک
کنیز مسماۃ سلامۃ النفس منظور نظر ٹھیری اور تمام کاروبار ملکی اُسی کے سپرد ہوئے۔ پھر تھوڑے
دنوں کے بعد حنانہ اس پر حاوی ہوگئی۔ ڈوم ڈھاڑھی دور دراز ملکوں سے بُلوائے گئے۔ ناچ
رنگ کی صحبتیں گرم ہوئیں۔ ابو حمزہ خارجی کہا کرتا تھا اور ٹھیک کہا کرتا تھا کہ یزید نے دہنے ہاتھ
پر حنانہ اور بائیں ہاتھ پر سلامہ کو بٹھایا اور کہا میں پرواز کرتا ہوں۔ اور واقعی وہ اُڑ بھی گیا۔ مگر کہاں
اور کس طرف بہ لعنت خدا اور اُسکے عذاب دردناک کی طرف۔
آخر یہی حنانہ یزید کی جان لینے کی باعث ہوئی۔ یزید اُردن کے مقام پر ایک باغ میں
گیا۔ حنانہ ساتھ تھی۔ لطف صحبت میں ایک نئی قسم کی دل لگی سوجھی۔ انگور کے دانے اُس کی
طرف پھینکتا تو وہ مُنہ میں لے لیتی۔ اتفاقاً ایک دانہ اُس کے حلق میں اٹک گیا۔ حنانہ کی سانس
بند ہوگئی اور جان نکل گئی۔ یزید پر اس ناگہانی صدمہ سے کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ سات روز تک اپنی پیاری
محبوبہ کی لاش آگے رکھے دیکھتا رہا۔ اس عرصہ میں اُس مُردہ لوتھ سے جماع بھی کیا۔ جب امرا اور خواصوں
نے بہت لعنت ملامت کی تب اُس لاش کا پیچھا چھوڑا۔ مگر یہ صدمہ ایسا نہ تھا کہ اُسے پنپنے دیتا چندروز
مبتلائے غم و الم رہکر خود بھی دار دنیا سے کوچ کر گیا۔
ہر چند یہ ناپاک اور انسانیت سے گزری ہوئی باتیں عوام کالانعام سے بھی بھدی اور بدنما معلوم ہوتی
ہیں۔ چہ جائیکہ سلاطین کبار اور خواقین نامدار سے۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ ان فواحش کے مرتکب وہ لوگ
تھے جو مذہبی پیشوا۔ نیابت اور جانشینی پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویدار تھے۔
تو اسکی خرابی ایک سے ہزار اور اندک سے بسیار ہو جاتی ہے۔

ہشام ابن عبدالملک کی سلطنت

ہشام ابن عبدالملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اُس وقت اُسکا سن چالیس برس کا ہو چکا تھا صاحب کاشف الحقائق مروج الذہب[1] مسعودی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ ہشام احول چشم۔ درشت خو۔ تندمزاج۔ جمع اموال کا حریص اور اسقدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اِسکے عہد میں ابواب خیر و خیرات بالکل بند ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے اسکا زمانہ سخت ترین ایام گنا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ ایک باغ میں گیا۔ اُن لوگوں نے کچھ پھل توڑ کر کھائے۔ پھر کہا کہ خدا اس باغ کے پھلوں میں برکت دے۔ ہشام نے کہا۔ برکت کس میں دیگا۔ تمام پھل تو تم کھا گئے پھر باغبان کو بلا کر کہا کہ تمام میوہ دار درخت کاٹ کر پھینکدو اور اُنکی جگہ پر زیتون کے درخت لگاؤ کہ کوئی اُسکا پھل نہ کھاسکے۔

عقال ابن شیبہ کہتا ہے کہ ہشام نے مجھے خراسان بھیجا تو وہ قبائے پوستین پہنے ہوئے تھا۔ وہ تو مجھ سے کہتا تھا کہ خراسان میں جا کر یہ کرنا اور وہ کرنا۔ اور میں ٹکٹکی لگائے اُسکی قبا کو دیکھ رہا تھا۔ پوچھا اس کپڑے کو کیوں دیکھ رہا ہے۔ میں نے کہا یہ وہی لباس ہے کہ آپ خلافت سے پہلے اسکو پہنتے ہوئے تھے۔ یا کوئی اور۔ کہا ہاں وہی ہے۔

ایک مرتبہ صاحبزادے کا گھوڑا چونکہ لاغر اور ضعیف ہو گیا تھا۔ اُسنے دوسرا گھوڑا مانگا۔ باوجودیکہ چار ہزار گھوڑے اصطبل میں خاصہ کے موجود تھے مگر بیٹے کو گھوڑا نہ دیا اور نہ دیا۔

ہشام اور شیخ کوفی کی ملاقات۔ ہشام کی خلافت کا ایسا مشہور و معروف قصہ ہے جسکو تمام اسلامی مورخین نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اور حقیقت میں یہ واقعہ قوم بنی امیہ کے عادات واطوار اور اُنکے کردار و رفتار کا کامل اور صحیح فوٹو ہے جس میں ابوسفیان سے لیکر ہشام تک۔ سب کے حالات اور عادات کی مختلف الالوان اور عجیب الشان تصویریں دکھلائی دیتی ہیں۔ ہم اُسکو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ہشام اپنے زمانۂ سلطنت میں بغرض سیر و تفریح ایک جنگل کی طرف جانکلا کہ یکایک اُسکے سامنے سے ایک غبار دکھلائی دیا۔ یہ دیکھکر ہشام نے اپنے ہمراہیوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود ایک غلام کے ساتھ اُس غبار کی طرف چلا۔ جب وہ قریب پہنچا اور وہ گرد بیٹھ گئی تو اُسنے دیکھا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ ہے جو روغن زیت اور دیگر اشیائے تجارتی فروخت کرنے کی غرض سے لئے جا رہے ہیں اُس قافلہ میں ایک مرد ضعیف ہے جو اپنی ذاتی وجاہت کی وجہ سے اُس قافلہ کا رئیس معلوم ہوتا ہے ہشام نے اُس سے پوچھا آپ کون ہیں۔ کس قوم کس قبیلہ سے ہیں۔ اور کس سرزمین کے رہنے والے

[1] مروج الذہب۔ ابوالفدا بھی اسکے اوصاف میں یہی لکھتے ہیں۔ ترجمہ ابوالفدا مطبوعہ دلی ص ۲۹۱-۱۲

ہیں۔ پیر مرد نے جواب دیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ مگر آپ کو میری نسبت اتنی تلاش کی کیا ضرورت
ہے۔ اگر میں عرب کے کسی نمودار قبیلہ سے ہوں تو اُسکی نامداری آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور
اگر میں کسی ذلیل اور بدنام قبیلہ کا آدمی ہوں تو اُسکی ذلت آپکی مضرت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ پھر آپکا
یہ مہمل سوال ایسا ہے جس سے نہ آپ کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے نہ ضرر۔ یہ سنکر ہشام نے کہا کہ تیری تقریر
سے یہ معلوم ہو گیا کہ تجھے اپنے اصلی حال بتلانے میں حیا آتی ہے۔ وہ پیر مرد بولا کہ آپکی بدصورتی
اور کریہ المنظری آپ کی پست نسبی اور دناءت کو ثابت کر رہی ہے۔ جسے میں خوب پہچان گیا۔ میں خوب
جانتا ہوں کہ خود ستائی امر مستحسن نہیں ہے مگر چونکہ مجھے اس وقت اسکی ضرورت پیش ہو گئی ہے اسلئے
میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں فلاں قبیلہ سے ہوں اور فلاں فلاں سربرآوردہ اشخاص میرے
عزیز و اقارب ہیں۔ ہشام نے اتنا سا تو جواب دیا کہ میں قبیلہ قریش کا ایک آدمی ہوں۔ پیر مرد بولا
کہ قبیلہ قریش تو ایک بہت بڑا اور وسیع قبیلہ ہے جس میں چھوٹے بڑے۔ ادنے اعلےٰ ہر قسم کے
لوگ شامل ہیں۔ اب آپ مہربانی فرما کر یہ بتلا دیں کہ قبیلہ قریش میں آپ کا سلسلہ کس بطن اور کس عشیرہ
سے ملتا ہے۔ اور اُنکے محامد و اوصاف کیا ہیں۔ ہشام نے نہایت تمکنت سے کہا کہ میں اشراف و اعیان
بنی امیہ سے ہوں اور فی زماننا بنی امیہ وہ ہیں جن سے شرف و بزرگی میں عرب کا کوئی شخص برابری
کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ اور کوئی متنفس اُن سے انتقام یا مقابلہ کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سننا تھا کہ
پیر مرد ٹھٹھے مار کر دیر تک ہنستا رہا۔ پھر ہنسی کو ضبط کرکے کہنے لگا مرحبا لک یا اخی بنی امیہ
آپ کیوں اتنی دیر تک اپنی شرافت نسبی کو چھپائے رہے اور مجھکو بیجا غلط فہمیوں میں ڈالے رہے۔ اچھا ہوا کہ
آپ نے حقیقت حال صاف صاف لفظوں میں بیان کر دی اور جو کچھ شبہہ اور خلجان میرے دل میں تھے
نکال دئے۔ اس میں شک نہیں کہ آپکا نسب بہت بڑا نیک۔ آپکا قبیلہ بہت بڑا پاک۔ آپ کا خاندان بہت
رفیع اور آپکا دودمان بہت بڑا مشہور و معروف ہے۔ افسوس آپ کو اپنے موجودہ حسب و نسب سے شرم
اختیار کرنی چاہیے۔ کیا آپنے نہیں سنا ہے کہ بنی امیہ ایام جاہلیت میں سود خوار تھے اور جب مسلمان ہوئے تو خاندان
رسالت و دودمان نبوت کے حقوق پر دست تصرف دراز کرنے لگے۔ اور آپکے اسلاف ہی خاندان زمانہ سابق
میں شراب فروش اور میخوار اور اب اُنہی کے اعقاب و یادگار سلاطین جبار اور ظلمہ و زنکار۔ آپ کے قبیلہ نے
پیاپے چالیس معرکوں سے راہ فرار اختیار کی ہے اور شکست پر شکست کھائی ہے۔ اور اپنے سربرآوردہ
اور نامبردہ بہادروں کو مٹا دیا ہے۔ اور اپنی شرم و حیا کو دھو بہایا ہے۔ اور پھر بھی انتقام کی جرأت نہیں
کر سکتے۔ بیشک وہی قوم ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہے جو مذہبی اصول اور دنیاوی اعتبار دونوں طریقوں
سے مذموم ہوں۔ اور علاوہ بریں اُنکی شجاعت اور دلیری بھی اُنکی بزدلی اور جبن کا پورا ثبوت
دے رہی ہو۔ اور ان امور کے ساتھ آپ ہی حضرات وہ بزرگ نہیں جو موافق

ارشاد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل دوزخ ہیں۔ آپکا تمام قبیلہ اپنے ننگ وعار کی وجہ سے دنیا میں کسی کو اپنا منہ نہیں دکھلا سکتا۔ اور آپکی تمام قوم اپنی بداطواری اور غلاظت طبعی کی وجہ سے اپنے سر زانوئے خجالت سے نہیں اٹھا سکتے۔ جنگ بدر میں جو کافروں کی طرف سے علمدار لشکر تھا وہ عتبہ تھا۔ وہ تمہارے ہی قبیلہ کا آدمی تھا۔ اور ہندہ جو تمام دنیاوی عیوب سے بھری ہوئی تھی تمہارے ہی قبیلہ کی عورت تھی۔ صخر ابن حرب یعنی ابوسفیان۔ تمہارے ہی بزرگوں میں تھے۔ جو ایام جہالت میں شراب فروش تھے۔ کچھ تھوڑی ترقی ہو جانے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ لڑتا رہا۔ اور عاجز ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا بھی تو کبھی اسکو اسلام کی طرف سے عقیدت وخلوص کی توفیق نہوئی۔ معاویہ۔ کہ سات بار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے لئے ایسا ایسا کہا۔ آپکا راس الرئیس پیشوا اور مقتدا تھا۔ اسنے ابن عم اور وصی جناب مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور زیاد زنا زادہ کو اپنے نسب میں ملا لیا اور اسکی منکوحہ ذات القلادیہ کو طلاق دیکر اپنے نکاح میں لایا۔ جب اسکے ایام دولت تمام ہونے لگے تو اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کر گیا۔ جسنے تمام شریعت نبوی کے اصول کو اکھاڑ پھینکا۔ اور ہر سنت کے مقام پر ایک تازہ بدعت ایجاد کی۔ اور ابن زیاد کو خونریزی پر دلیر اور حریص بنا دیا۔ اور اسکو شیعیان علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر مسلط کیا اور عقبہ بن معیط کو جسکے قریشی ہونے سے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا تھا۔ اپنے نسب میں ملحق کر لیا۔ اور اپنے اقرباکی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بھی اسے حوالہ کر دی۔ حالانکہ وہ قبیلۂ صفوریہ کے یہودیوں سے تھا۔ جنکو بہترین عالم حضرت علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا نے قتل فرمایا۔ اور اسکے تمام معائب، اور شرم وعار آپ حضرات کے ساتھ رہے۔ ایسا مشہور ومعروف اور ممدوح وموصوف شخص آپ ہی کے قبیلہ سے ہے۔ اور آگے سنئے۔ انکے صاحبزادے ولید ابن عقبہ جب شراب پیکر مسجد کوفہ میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو دو رکعت کی جگہ چار رکعت نماز پڑھا گئے۔ یہ وہی ہیں جنکے حق میں قرآن مجید میں خدا نے فاسق کا لفظ وارد فرمایا ہے اَفَمَنْ کَانَ مُؤمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ وہی آپ لوگوں میں ممتاز بین الاقران ہیں۔ عبدالملک۔ جو آپ کے بزرگوں میں تھے جنکے اصحاب مخصوصین میں حجاج سالعین شامل تھا اور وہ تمام خائنیں۔ بدکار۔ غدار اشرار آپ ہی کے اعوان وانصار میں اس وقت تک موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنھوں نے اولاد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا منجنیقیں لگا کر پتھر اور غلیظ ونجس چیزیں حرم محترم میں پھینکیں۔ غرض میری تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا تمام خاندان بدکار۔ انکا اول ناہنجار۔ انکا اوسط طرار اور انکا آخر مکار کفار آپ کے خاندان کے شریف خمار اور وضیع غدار ہیں۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ پیر مرد کی یہ تقریر سنکر ہشام کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ اور ایسی شرم وعبرت لاحق حال ہوئی کہ وہاں سے فوراً گھوڑے کی باگ پھیر کر چلتا ہوا۔ رستہ میں

اپنے خادم سے پوچھا کہ اس پیر مرد کی تقریر تو نے تو نہیں سنی ہے چالاک اور نتیجہ شناس غلام نے کہا کہ پیر و مرشد
میں تو اسکی لایعنی تقریر سنکر ایسا ہکا بکا ہو گیا کہ مجھے مطلق خبر نہیں کہ وہ دیوانہ اپنی رو میں کیا کیا بک گیا۔
میں آپکے قدموں کی قسم ایسا خود فراموش ہو رہا تھا کہ اگر مجھ سے اُس وقت میرا نام بھی پوچھا جاتا تو شاید
میں اپنا نام بھی نہ بتلا سکتا۔ اس لئے مجھے اُسکے مہملات کا مطلق علم نہیں۔ بلکہ درمیان گفتگو میں حضور کے
حق نمک اور میری وفاداری اور جان نثاری کا بار بار یہ تقاضا ہوتا تھا کہ لپک کے ضرب شمشیر سے اُسکے
سر کو قلم کر دوں۔ پیر و مرشد! حقیقت میں میں نے تو آج تک ایسا بوڑھا کافر اور شیخ قبیح کو دیکھا ہی
نہیں تھا۔

غلام کی تقریر سنکر ہشام نے کہا خیریت ہوگئی کہ تو نے ان امور سے اپنی لاعلمی ظاہر کر دی۔ ورنہ میں نے
اسی وقت تیری گردن اُتار لی ہوتی۔ اب بھی مزید احتیاط کے اعتبار سے تجھ کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر
اُسکی تقریر سے تجھ کو بھی کچھ یاد رہا ہو تو اُسے عمداً بھول جا اور خبردار کسی سے اُسکا ذکر نہ کیجیو۔ ورنہ
تیری جان مفت جائیگی۔ اور اگر کسی سے بیان نہیں کریگا تو ضرور بچ جائیگا اور ہمیشہ محفوظ رہیگا۔

ہشام وہاں سے آگے بڑھا۔ جب اپنی فوج سے آملا تو حکم دیا کہ فلاں مقام پر اس شکل اور اس وضع
کا ایک پیر مرد ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کرو۔ قبل اسکے کہ ہشام کے آدمی اُسکی گرفتاری
کے لئے موقع پر پہنچیں اُس پیر مرد نے اپنے علم قیافہ سے پہچان لیا کہ یہ شخص جس سے ابھی ابھی ایسی
مخالفانہ تقریر ہو چکی ہے وہ حاکم وقت ضرور تھا۔ اپنے مقام پر پہنچکر وہ میری گرفتاری کا حکم کرے تو
کوئی تعجب نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ وہاں سے فوراً چلتا ہوا اور ایک غیر متعارف مقام میں پوشیدہ
ہو گیا۔ ہشام کے فرستادہ سوار وہاں آئے اور اُسے دیر تک تلاش کرتے رہے۔ مگر کہیں اُسکا نشان
نہ ملا تو آخر مایوس ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ ہشام کے ہمراہی غلام کا بیان ہے کہ میں نے یہ
راز ہشام کی زندگی میں کسی سے بھی نہیں کہا۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اس خبر کو علے العموم سب سے
ظاہر کر دیا۔

ہشام ہی کے زمانِ سلطنت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار جناب امام محمد باقر
علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے شام میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر کی پوری کیفیت ہم اس سے قبل کی کتاب
میں لکھ چکے ہیں۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ ہشام نے بعض مخالفوں کی اغوا سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو
مع امام جعفر صادق علیہ السلام کے شام میں بلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ چند روز تک نظر بند
رکھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور مدینہ واپس جانے کی اجازت بھی دی تو تمام منزلوں میں یہ حکم عام دیدیا کہ
کوئی شخص آپ کے ہاتھ نہ کوئی سودا بیچے اور نہ آرام و آسائش کے کوئی سامان آپ کے
لئے فراہم کرے۔ اور نہ کوئی انکو اپنا مہمان بنائے۔ غرضکہ یہ مقدس حضرات یہ تمام صعوبتیں اُٹھا کر

مدائن کی راہ سے کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہشام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو ۱۱۴ سنہ ہجری میں زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔
ہشام کی ان مخالفتوں کی وجہ بظاہر تو اسکے سوا کچھ اور معلوم نہیں ہوتی کہ اس زمانہ میں شریعت اہلبیت علیہم السلام کی تعلیم و تلقین نہایت زوروں سے جاری تھی اور چاروں طرف سے تمام اہل اسلام مدینہ میں آتے تھے اور ان حضرات کی خدمات سے تعلیم و تدریس کے اعزاز حاصل کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ۔ قاضی ابو لیلیٰ سعید ابن مسیّب۔ اور سفیان ثوری۔ ابراہیم ادہم۔ شفیق بلخی وغیرہ کے ایسے ہزاروں کے نام عموماً تمام کتابوں میں درج ہیں۔ جو آستانۂ ہدایت نشانہ سے علوم ظاہری اور باطنی کی تعلیم پاکر تمام دیار و امصار میں مشہور و معروف ہو رہے تھے۔ ہشام کو یہ امر خلاف گذرا اور وہ ان ذوات مقدسہ کی اس شہرت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا۔ آخر کار پوشیدہ طور پر آپ کو زہر دلوا دیا۔
بہرحال ہشام ہی کے زمانۂ سلطنت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اور شروع ماہ محرم ۱۱۴ سنہ ہجری سے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند امامت پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی شہادت

ہشام کے زمانہ کا یہ بہت بڑا واقعہ اور اسکے مظالم کا سخت ترین نمونہ ہے جو ۱۲۰ سنہ ہجری میں واقع ہوا۔ اسکی مختصر کیفیت یہ ہے۔
جناب زید ان پُر غیرت اور دلیر بزرگواروں میں سب سے زیادہ پُر جوش تھے۔ جو واقعات کربلا کے درد انگیز واقعات اور قیامت خیز مصائب کو سن سن کر حد سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ جناب زید اسی خاندان والا اور دودمان اعلےٰ کے چشم و چراغ تھے۔ جو حمیت۔ شجاعت اور دلیری کے اعتبار سے تمام اہل عرب کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہو رہا تھا۔ یہ حضرت زید ہی کے جدّ بزرگوار تھے جنہوں نے باوجود اس کے کہ ساری دنیا یزید کی طرف ہو گئی۔ مگر ہاتھ اس کے نجس ہاتھ سے مس نہ ہونے دیا۔ اپنی جان دیدی۔ مگر دین اسلام کو حیات ابدی عنایت فرمائی۔ پھر حضرت زید سے لڑکر مر جانا کوئی انہونی بات تھوڑی سمجھی جا سکتی ہے۔

جناب زید امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے بسماۃ حوریہ کے بطن سے تھے۔ جسے مختار نے آپ کی خدمت میں کوفہ سے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت زید کی ولادت ۶۸ سنہ ہجری میں بتلائی جاتی ہے امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کے وقت انکا سن ۲۷ سال کا ثابت ہوتا ہے۔
امام صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں بذیل تذکرہ حضرت زید لکھتے ہیں۔

وکان زید ابن علی رضی اللہ عنہ دیّنا شجاعا ناسکا وکان من احسن بنی ہاشم عبادۃ واجلھم سیادۃ۔	حضرت زید ابن علی رضی اللہ عنہ بڑے دیندار شجاع اور پرہیزگار تھے اور تمام بنی ہاشم میں با اعتبار عبادت و سیادت کے زیادہ نامور و برگزیدہ تھے

اس میں شک نہیں کہ جس طرح بنی امیہ کو سادات سے قطعی تنفر تھا وہ تمام دنیا پر ظاہر ہے۔ گو بنی ہاشم اپنی کمزوری اور افلاس کی وجہ سے انکے مظالم کا جواب تو دے ہی نہیں سکتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرات ائمہ معصومین نے انکی طرف سے قطعی علیحدگی پسند فرمائی اور انکے جملہ امور سے خموشی اور سکوت کلی اختیار فرمائی۔ اور ان تمام امور سے دست بردار ہو کر اپنی مقدس جانوں کے بچ ہی جانے کو ہزار غنیمت سمجھ لیا تھا۔ اور اپنے موجودہ مخالفین کے مقابلہ میں ان ذوات طاہرہ نے سکوت اور انقطاع کا وہی مسلک اختیار کر لیا تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جناب امیر المومنین علیہ السلام نے خدا کی مصلحت اور رسول کی وصیت کے مطابق پچیس چھبیس برس تک اختیار فرمایا تھا۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا تمام زمانہ اسی مسلک پر گذرا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی مادام الحیات یہی طریقہ اختیار کیا۔ ان کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی کی پابندی لازمی سمجھی۔ مگر حضرت زید نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بنی امیہ کے گذشتہ اور موجودہ مظالم پر زیادہ تحمل کرنا کسی طرح پسند نہ فرمایا اور ان سے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے انہیں ہر چند سمجھایا اور صبر و سکون اختیار کرنے کے لئے کبھی ہدایت و موعظت فرمائی مگر یہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے۔ مگر ہاں اتنا تو ضرور ہوا کہ آپ کے زمانۂ حیات تک انہوں نے بنی امیہ سے مقابلہ نہیں کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی انکو آمادۂ پیکار اور سرگرم کارزار پاکر باز رکھنا چاہا۔ اور تمام موجودہ اور آئندہ قرینوں سے سمجھایا مگر یہ نہ مانے۔ اہل عراق کی ظاہری اطاعت اور زبانی مواعید نے زید شہید کو اپنی کامیابی کا پورا یقین دلا رکھا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے بیعت اختیار کر لینے نے تو اور بھی سہاگہ کا کام دیدیا تھا۔ اب اگر جناب زید اپنے ارادوں میں کچھ توقف سے کام لیتے بھی تو اب ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ٹھیر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے بیعت کر لینے سے عراق میں حضرت زید کی امامت کا رنگ جمنے لگا۔ اور جب ان لوگوں کی وفاداری اور جاں نثاری کا پورا یقین ہو گیا تو حضرت زید بھی مدینہ سے اٹھکر کوفہ چلے گئے۔ ہشام کو انکے ارادوں کی خبر ملتی رہتی تھی چنانچہ ایک دن باتوں باتوں میں ہشام نے حضرت زید کو طلب کر کے کہا۔

قال لزید ہشام ابن عبد الملک ابن مروان یوما بلغنی لکل تروم للخلافۃ وانت لا تصلح لھا لانک	ہشام ابن عبد الملک ابن مروان نے ایک دن جناب زید سے کہا کہ تمہیں ہوس خلافت و امارت

ابن امۃ فقال زید قد کان اسمٰعیل ابن ابراھیم ابن امۃ واسحاق ابن حرۃ فاخرج اللّٰہ من صلب اسمٰعیل خیر من ولد آدم فقال لہ اذ لا ترانی الا حیث اکرہ فلما خرج عن الدار فقال احب الحیوۃ الا ذل

کا زعم کرتے ہو۔ تم میں امیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ تم اسکے قابل ہو کیونکہ تم لونڈی کے بطن سے ہو۔ زید نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام لونڈی کے پیٹ سے تھے اور جناب اسحاق زن حرہ کے بطن سے۔ مگر باوجود اسکے

خدا نے ان کو نہ ہٹایا تھا اسلئے حضرت اسمٰعیل ہی کی اولاد سے فخر بنی آدم رسول عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ زید کا یہ دندان شکن جواب سنکر ہشام اپنے آپ میں نہ رہا اور کہا کہ ہمارے پاس سے اُٹھ جاؤ یہ سنتے ہی زید بن علی یہ کہتے ہوئے فوراً وہاں سے اُٹھ آئے کہ اب تو مجھے سوائے میدان جنگ کے اور کہیں نہ دیکھیگا۔ جب دربار سے باہر نکلے تو فرمایا کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو زندہ رہنے کی تمنا رکھکر ذلیل و خوار نہ ہوا ہو۔

اکثر مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ زید اُسی وقت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب انکے کوفہ چلے جانے کی خبر ہشام کو بتحقیق ہو گئی تو اُسنے اہل عراق کے نام یہ حکم عام لکھ بھیجا۔

وکتب ھشام الی عراق العرب ان امنع اھل الکوفۃ من حضور مجلس زید ابن علی فان لہ لسان اقطع من حدۃ السیف واشد من شباۃ الاسنۃ وابلغ من السحر والکھانۃ ومن شر النفثت فی العقد

اہل عراق کو ہشام نے لکھا کہ وہ زید ابن علی کی طرف سے ہوشیار رہیں۔ اُن کی مجلس میں کسی کو نہ جانے دیں۔ کیونکہ زید کی زبان تلوار کی دھار اور نیزہ کی نوک سے بھی تیز تر ہے۔ ان کی لسانی اور چرب زبانی جادو کا اثر رکھتی ہے۔

مگر باوجودیکہ سلطنت کی طرف سے ایسے شدید امتناعی احکام جاری کیے گئے تاہم چالیس ہزار اہل عراق نے جناب زید کی بیعت اختیار کرلی۔ اس مرجع عام کی وجہ زیادہ تر امام ابو حنیفہ تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں رقمطراز ہیں۔

"امام ابو حنیفہ کوفی نیز بہ صحت امامت حضرت زید ابن علی قائل بود۔ واورا در این امر نصرت بسیار نمودہ۔"

امام محمد ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب عمدۃ المطالب میں ان مطالب کو ذیل کی عبارت کے ساتھ آراستہ کرتے ہیں۔

ابا حنیفۃ بایعہ وکان قد افتی الناس بالخروج منہ وکتب الیہ

ابو حنیفہ نے بھی حضرت زید کی بیعت اختیار کی تھی اور لوگوں کو انکے ساتھ خروج کرنے کے فتوے دیتے تھے اور حضرت زید

ابو حنیفۃ امّا بعد فانّی جہزت الیک اربعۃ الاف دراھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات للناس للحقت بک

کو اس مضمون کا خط بھی لکھا تھا کہ ہم آپ کے پاس چار ہزار روپیہ روانہ کرتے ہیں۔ اسکے سوا اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی امانتیں ہمارے پاس نہ ہوتیں تو ہم بھی آپ سے آکر ملجاتے۔

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ اتنا کچھ کرنے پر بھی امام صاحب عین موقع کے وقت گول بچا گئے آپکی علیحدگی اور کنارہ کشی کو دیکھکر اہل عراق بھی آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ حضرت زید کے لشکر سے جدا ہونے لگے۔ امام ابو حنیفہ کیوں جدا ہوئے۔ اسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

حضرات بنی امیہ کو اپنی گون گانٹھنے اور ڈھب نکالنے کی جیسی کچھ ترکیبیں معلوم تھیں وہ اپنی ان مخصوص چالوں میں جیسے کچھ مشاق ہو رہے تھے وہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔ ہشام نے امام صاحب کے گانٹھنے کے لئے اس وقت اپنے قدیم زنبیل عیاری میں سے ایک آدھ لٹکے نکال ہی لئے اور اتفاق سے وہ امام صاحب پر پورا اثر دکھلا گئے۔

ہشام نے جب دیکھ لیا کہ امام صاحب کے ملائے بغیر اہل عراق کی یورش دھیمی نہیں ہوتی اور حضرت زید کی پُرجوشی ٹھنڈی نہیں ہوتی تو اُس نے امام صاحب کو توڑ کر اپنے دربار میں بلایا اور مراحم خسروانہ و مکارم شاہانہ سے سرفراز و ممتاز فرمایا۔ یہانتک کہ اُمّۃ المسلمین کا امام اعظم بنایا۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب کا فارسی ترجمہ صاف بتلا رہا ہے۔

می گویند کہ زید شہید مردے متدین و عالم بود و اوّل او در کوفہ درس می گفت و سحکیں از بنی انسان بمقابلہ زید در شریعت زمین عالم تر نبود۔ سلاطین عرب را بجائے خلیفہ می گویند۔ اما امامے بایست کہ تہذیب راہ راست و تبلیغ احکام پیغمبر صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم از امر و مناہی بنماید۔ دراں عہد ہشام ابن عبد الملک ابن مروان بادشاہ بود و امر امامت و علم خیر در قبیلۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ از اہل علی علیہ السلام۔ بدیگرے سزاوار نبود۔ پس ابو حنیفہ کوفی را کہ یکے از شاگردان زید بود ہشام او را طلب نمود۔ و یک دستار بر سر او بست و امام لشکر خود گردانید و امام اعظم لقبش ساخت و فتوائے موقوف بر امر وے شد۔ و اوّل ہشام بہ قتل زید از وے فتوائے طلبید۔ ابو حنیفہ کوفی بشرم دستار امامت حکم بر طغیان زید امر فرمود کہ زید طاغی است۔ صورت حکمش چنیں بود وھو لا یصلح الریاست وجب القتال لہ۔ پس از حکم ابو حنیفہ کوفی و قتال ہشام زید بقتل رسید۔

جب ہشام نے اہل عراق کے سرگروہ اور رئیس الطائفہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی کو اپنے قبضہ میں کر لیا تو جناب زید کی تنبیہ کے لیے اپنی فوج بھیجی۔ امام صاحب کے نکلتے ہی اہل عراق کی تمام جمعیت جو اُس وقت تک حضرت زید کی رکاب میں موجود تھی۔ تتر بتر ہو گئی۔ آخر کار جناب زید کو رفضتمونی کہنا پڑا۔

جو اسوقت امام صاحب کے مقلدین۔ احمد کی پگڑی اُتار کر محمود کے سر دھر دیتے ہیں۔
نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید ابن علیؑ کے ساتھ کل جمیع اٹھاسی آدمی رہ گئے۔ جن میں تینتیس ۳۳ تو ان کے خاص عزیز و اقارب تھے اور پچپن ۵۵ اعوان و انصار۔ ہشام کی فرستادہ فوج کی تعداد بعض مورخین چالیس ۴۰ ہزار اور بعض اٹھاسی ۸۸ ہزار بتلاتے ہیں۔ مگر قول اوّل زیادہ قرین صحت ہے۔ چالیس ۴۰ ہزار یا اٹھاسی ہزار کے مقابلہ میں کل اٹھاسی نفر کی کیا بساط اور پھر اُن سے کامیابی یا فتح و فیروزی کی امیدیں تو معلوم ہیں۔ مگر جناب زید کی خاندانی شجاعت اور ہمت غنیم کے مقابلہ سے عین وقت پر منہ پھیر دینے کی عار کو کبھی گوارا نہ کر سکی۔ اور اپنے معدودے چند ہمراہی جان نثاروں کے ساتھ غنیم سے مقابلہ کرنے اور مرمٹنے کو اپنی شجاعت اور دلیری کے اصلی اور حقیقی جوہر سمجھی۔
ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے معتبر اسناد کے مطابق تین روز تک لڑائی جاری رہی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے۔ اس سے جناب زید اور اُن کے جان نثاروں کی پاواری اور جگرداری کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔ کہ اُن کی قلیل جماعت غنیم کی اتنی بڑی کثیر جمعیت کو تین دن تک اپنے استیصال پر قابو نہ دے سکی ایسے استقلال و ثبات کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔
بہرحال۔ روز مقابلہ تو ہوتا ہی تھا۔ اور جناب زید کے ہمراہی مارے تو جاتے ہی تھے تیسرے روز کل دس آدمی باقی رہ گئے۔ اب جناب زید بالنفس النفیس معرکہ آرائے قتال ہوئے اور اسلام کے معتبر مورخین بیان کرتے ہیں کہ صبح سے دوپہر تک حرب و ضرب میں مصروف رہے اور باوجود اس کے کہ آپ کے ساتھ نوجوان اور ناکتخدا۔ سات بیٹے۔ قبل اس کے آنکھوں کے سامنے دم توڑ چکے تھے مگر اس پُرہمت اور غیرتمند بوڑھے باپ نے اس شکستہ حالی اور پیرانہ سالی کی عین حالتوں میں بھی۔ تمام دنیا کو خاندان ہاشم کی اصلی شجاعت و ہمت کے بے مثال اور بے نظیر جوہر دکھلا کر یہ ثابت کر دیا کہ اپنی بات پر مرمٹنے والے اور جان دیدینے والے ایسے ہوتے ہیں۔ جناب زید نے اہل شام کے بہت سے نمود اروں کو مار گرایا اور کشتوں کے پشتے لگادئے مگر بحکم اذا جاء اجلھم لا یستقدمون الساعۃ ولا یستاخرون۔ وعدہ کم نہ زیادہ۔ کسی شامی کا تیر ان کی پیشانی پر ایسا بیٹھا کہ پھر اس نے ان کو اُٹھنے نہ دیا۔
ان کے باقیماندہ خیرخواہ انہیں میدان کارزار سے اُٹھا کر ایک شیعہ کے گھر لے آئے۔ مگر قبل اس کے کہ جراح آئے۔ پیک قضا آ پہنچا۔ اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا آخری شربت پلا کر دار فنا سے ان کو ملک بقا کی طرف لے گیا۔ یہ واقعہ ۲۰ صفر ۱۲۰ہجری میں ورپیش ہوا۔
خونخواری اور مردم آزاری تو بنی اُمیہ کے عادات و اخلاق سے ہے جو انہیں ان کی جدہ ماجدہ ہندہ بنت عقبہ سے وراثت میں ملا ہے۔ ہشام نے زید مظلوم کی لاش اُن کے مدفن سے نکالکر

جو خاصکر انہی ظلم و شقاوت سے محفوظ رہنے کے لیے۔ ایک مقام مستور میں بنا کر اُسپر پانی جاری کردیا گیا تھا جیسی جیسی تکلیفیں اس جسم کو پہنچائیں اور اپنی ظاہر نما انسانیت کی شکل میں حیوانیت کی پوری شانیں دکھلائیں وہ عموماً تمام تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ میرے بیان کی ہرگز محتاج نہیں۔
خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب کے فارسی ترجمہ میں یہ عبارت درج ہے۔

"اُس غریب اور ناپرساں لاش کو جب مدفن سے نکالا تو کثرتِ زخم سے مردہ پر تل رکھنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ سات مقاموں پر نیزہ خطی کی انیاں پیوست تھیں۔ سولہ مقاموں پر تلواروں کے گہرے زخم لگے تھے۔ تیروں کے چھوٹے بڑے زخم تمام بدن پر نمایاں تھے۔ تمام جسم غربال کی مثال بنا ہوا تھا۔ مگر افسوس۔ بنی اُمیہ کی خونخوار طبیعت اس غریب لاش کی گئی گزری حالت کو بھی دیکھکر۔ اپنے انتقام کی آگ پر۔ اسلام کی ہمدردی۔ عرب ہونے کی حمیت۔ صلہ رحم کی رعایت کا پانی نہ ڈال سکی۔ لاش کا سر جُدا کیا گیا۔ اور ہشام کے پاس تحفہ بھیجا گیا۔ اور وہ دارالحکومت کے بیرونی دروازہ پر عبرتِ خلائق کے قصد سے لٹکایا گیا۔ وہ چار برس تک اُسی مقام پر آویزاں رہا۔ سر کی سرگزشت یہ تھی لاش کی حالت اور افسوس کے قابل ہے۔ یوسف نے دروازۂ کوفہ پر اُس جسم بے حس کو سولی دی۔ پھر سولی سے اُتار کر در کوفہ پر آویزاں کردیا۔ اور وہ اُسی طرح ہشام کے خاتمہ سلطنت تک لٹکتا رہا۔ اور کامل چار برس تک ہزاروں ارضی و سماوی آفتوں کا نشانہ بنتا رہا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت زید کے شہید کئے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ بے اختیار ہوکر رونے لگے اور فرمانے لگے رحم اللہ عمی۔ رحم اللہ عمی

بہرحال۔ ہشام کا زمانہ۔ سادات کے لئے مصیبت کا زمانہ تھا جس میں ان بزرگواروں کو ہزاروں بلاؤں سے سامنا کرنا ہوا۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھانی ہوئیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ یہ جن سختیوں سے پیش آیا۔ اُس کی پوری کیفیت ہم پانچویں کتاب میں بالتفصیل درج کرچکے ہیں۔
مروج الذہب میں مسطور ہے کہ ہشام احول خشم۔ دُرشت خو۔ تندمزاج۔ جمع اموال کا حریص اور اسقدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں سب خیر خیرات کے دروازے بند ہوگئے تھے۔ مگر ہشام کی یہ حفاظت اموال۔ خبر رسی اور کفایت شعاری اُس کے کوئی کام نہ آسکی اور اُس کو اپنے اندوختہ سرمایہ سے کوئی فائدہ اور حظ نہ اُٹھا۔ اور کوئی لطف نہیں ملا۔ بلکہ بخلاف اس کے اُس کی ناداری اور بے سروسامانی عبرۃ للناظرین ثابت ہوئی۔ چنانچہ مورخ ابوالفدا تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام ماہ صفر ۱۲۵ ہجری میں فوت ہوا اُس کو درد حلق کا عارضہ لاحق ہوا تھا

عمر اُس کی پچپن برس کی تھی جب ہشام مرگیا تو لوگوں نے تیتڑا پانی گرم کرنے کے لیے جب غسل میت دیا جاوے مانگا۔ عیاض ولید کے منشی نے تیتڑا نہ دیا کیونکہ اُس نے ہشام کے مرتے ہی تمام مال و اسباب کو ولید کی ملکیت میں داخل کر دیا تھا اور اُن پر مُہر کر دی تھی۔ آخر مجبور ہو کر ہمسایہ سے اُسکے واسطے پانی گرم کرنیکا ظرف لائے تو اُس کی منگنی کے برتن سے اُس کے غسل کا پانی تیار ہوا ابوالفدا صفحہ ۱۹۴

ولید ابن یزید ابن عبد الملک کی سلطنت

ہشام کے مرنے کے بعد۔ ولید ربیع الاولی سنہ ۱۲۵ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ایک برس تین مہینے حکومت کر کے ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۲۶ ہجری میں قتل کیا گیا۔ اِس کے ذکر میں۔ امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں۔

الولید ابن یزید الخلیفۃ الفاسق تسلم الامر بعد فوت ہشام فی ربیع الآخر سنہ ۱۲۵ھ فکان فاسقا شریبا للخمر منتھکا لحرمات اللہ اراد الحج لیشرب فوق ظہر الکعبہ فمتقتہ الناس لفسقہ فخرجوا علیہ فقتل جمادی الآخر سنہ ۱۲۶ھ

ولید ابن یزید خلیفہ بدکار۔ ہشام کے مرنے کے بعد ربیع الآخر سنہ ۱۲۵ ہجری میں خلیفہ ہوا۔ وہ فاسق۔ شراب خوار اور حرمات خدا کا ہتک کرنے والا تھا۔ اُس نے حج کا ارادہ کیا تو یہ قصد کیا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر بیٹھکر شراب نوشی کیجاوے۔ اس فسق و فجور کے باعث سے سب لوگ اسکے دشمن ہوگئے۔ اور سب نے اِس پر خروج کیا جمادی الآخر سنہ ۱۲۶ھ میں اسکو قتل کر ڈالا

اِسکے اِس ناہنجار ارادہ اور تعیش کی نسبت صاحب روضۃ الصفا تحریر کرتے ہیں۔

وہ سنہ ۱۱۶ ہجری میں ہشام نے ان کو امیر حج مقرر کر کے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بھیجا۔ ولید بہادر خیریت سے حج کرنے اور کرانے تشریف لے چلے تو اِس ساز و سامان سے کہ شکاری کتے صف کے صف ساتھ۔ صندوقوں اور پنجروں میں بھر بھر کر اونٹوں پر لادے گئے۔ ہزاروں قسم کی لا تعداد شرابیں ہمراہ لی گئیں اور ایک نہایت پُر تکلف خیمہ مختلف الاقسام اشیائے آرایش سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ مے کشی اور جرعہ نوشی کی پُر جوشیوں میں خلافت کے نوجوان اور البیلے ولیعہد کو یہ اُمنگ آئی کہ یہ خوشنما اور پُر تکلف خیمہ سقف کعبہ پر نصب کیا جاوے اور اُس کے نیچے صحبت شراب گرم کیجائے مگر کعبہ پہنچتے پہنچتے اصحاب کہن سال نے بہت کچھ سمجھایا کہ ایسی حرکتیں خلافت کی ہتک حرمت اور آب کی رسوائی اور ذلت کا باعث ہوں گی۔ خیریت ہوئی کہ یہ مان گئے اور خانۂ کعبہ بے حرمتی سے محفوظ رہ گیا۔

ان کی شراب خواری کی کثرت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہے کہ ولید نے ایک حوض پُر از شراب تیار کرایا تھا۔ اور بحالت سرور اُس میں گر پڑتا تھا اور اسقدر شراب پیتا تھا کہ حوض کے کناروں میں شراب کی کمی کا اثر پورے طور سے ظاہر ہوتا تھا۔

یہ تو شراب خواری کی حالت تھی۔ اب اور مناہی شرعیہ کے ارتکاب کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ ہمارے فاضل محقق صاحب کشف الحقائق لکھتے ہیں۔

ولید نے شرب و خمر و ارتکاب غنا وغیرہ منہیات شرعیہ کے علاوہ اپنے باپ کی ازواج تک سے زنا کیا اور اپنے حقیقی بھائی کو بھی اغلام سے نہ چھوڑا۔ سلیمان ابن یزید۔ اِس کے بھائی نے جب اسکا بُریدہ سر دیکھا تو فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اُس شخص کا سر ہے جو نہایت بیباک تھا۔ میرے ساتھ اغلام کرنا چاہتا تھا۔ خلیفہ زمان اور یہ شان۔ شرم! شرم!! شرم!!!

صرف بھائی صاحب سے لواطہ ہی پر بس نہیں کی گئی۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ ذاتِ شریف صاحبزادی کے وصال سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ معاذ اللہ۔

تاریخ کامل ابن اثیر جلد ششم میں مرقوم ہے کہ ایکبار خود بدولت محل سے برآمد ہوئے۔ دیکھا کہ ایک خادمہ ان کی ایک صاحبزادی کو لیے صحن خانہ میں بیٹھی ہے اِس بدبخت کی نگاہ میں اُسوقت وہ لڑکی اچھی معلوم ہوئی۔ اِس کے نفس حیوانی میں ایک سخت ہیجان فوراً پیدا ہوگیا۔ جسے وہ کسی طرح تحمل نہ کر سکا۔ ایک بار جھپٹ کر اُس لڑکی کو گود میں اُٹھا لیا۔ غریب دایہ سر پیٹ پیٹ کر چلاتی رہی کہ یہ آپ ہی کی لڑکی ہے اور ابھی حدِ بلوغ تک بھی نہیں پہنچی۔ آپ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ مگر اِس کمبخت پر جو جِن سوار تھا اُس نے اُس کو ایک نہ سننے دی۔ اور اِس نالائق نے ایک گوشہ میں لیجا کر اپنی اُس لڑکی کی بکارت کا ازالہ کر ہی دیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الحشومات الفاحشات۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کے لکھنے۔ دیکھنے اور سننے سے انسان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ حرکات ناہنجار اور اسلام کا خلیفہ یہ کردار اور مسلمانوں کا پیشوا۔

ہمارے فاضل محقق آگے لکھتے ہیں۔ کہ حیوۃ الحیوان دمیری میں مرقوم ہے کہ ولید نے ایک کنیز سے بحالت مستی ہم بستری کی۔ اتنے میں موذن نے اذان دی اور اذان دیگر خلیفہ عصر کو اطلاع دی کہ جماعت تیار ہے۔ امامت جماعت کے لیے آپ کا انتظار ہے۔ ولید نے قسم شرعی کھا کر کہا کہ اسوقت یہی کنیز مسلمانوں کی امامت کریگی۔ چنانچہ یہی کنیز مردانہ بھیس بدل کر مسجد میں گئی۔ اور اُسی حالت نشہ و جنابت میں نماز پڑھائی۔ معاذ اللہ۔

مسلمانوں پر بنی اُمیہ کے پورے تسلط ہونے کا اِس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اپنے سلطانِ وقت کے تنہا خوف سے ایسے نجس اور مخمور امام کی اقتدا قبول کر لی اور سانس تک نالی

حالانکہ نجس اور محمور ہونے کی جگہ۔ اگر وہ بہت بڑی پاک و پاکیزہ اور بہت بڑی عالمہ اور فاضلہ بھی ہوتی تو کیا۔ محض اُس کا عورت ہونا اُس کی امامت کے باطل اور ناجائز ہونے کے لئے کافی تھا۔ کرامت مرحومہ کی گردن تو مدت سے اموی فرمانرواؤں کے تخت سلطنت کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ وہ غریب سر انکار ہلاتے تو کیونکر اور زبان شکایت کھولتے یا کچھ مُنہ سے بولتے تو کیسے ؟

کعبہ کی ہتک حرمت کا قصد۔ بھائی صاحب سے لواطہ کا ارادہ۔ صاحبزادی سے زنا کا ارتکاب تو دیکھ چکے۔ اب قرآن مجید کے ساتھ بے ادبی کی حالت بھی ملاحظہ ہو۔

تاریخ کامل۔ ابوالفدا اور مسعودی میں مرقوم ہے کہ ایک بار ولید نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیۂ وافی ہدایہ نظر پڑا۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید کھولا اُن لوگوں نے اور ہر ایک ظالم عناد پیشہ خاسر ہوا۔ معاذ اللہ۔ یہ آیہ دیکھتے ہی قرآن کو پٹک دیا اس پر بھی بس نہیں کی۔ اُس کو زمین سے اُٹھایا اور دیوار میں کھولکر لٹکا دیا۔ اور اُس پر اسقدر تیر مارے کہ وہ ورق کا ورق تمام چھلنی ہوگیا تیر مار چکے تو یہ شعر پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید	تو ہر ایک جبار عنید کو ڈراتا ہے
وھا انا جبار عنید	لے دیکھ میں جبار عنید ہوں
اذا ماجئت ربک یوم حشر	جب بروز قیامت خدا کے سامنے جائیو
فقل یارب مزقنی ولید	تو کہیو کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا ہی

یہ قرآن کے ساتھ ارادت تھی۔ اب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی انکی عقیدت ملاحظہ ہو۔ ولید نے یہ دو شعر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نظم کیے تھے۔

تلعب بالخلافۃ ھاشمی	جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بلا وحی اتاہ ولا کتاب	خلافت اور بادشاہی سے کھیل کیا۔ نہ کوئی وحی اُنپر
فقل للہ یمنعنی طعامی	نازل ہوئی اور نہ کوئی کتاب آئی۔ پس خدا سے
وقل للہ یمنعنی شرابی	کہدو کہ اگر اسمیں کچھ قدرت ہی تو میرا کھانا پینا تو بند کر دے

ان اشعار سے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر ولید کی تعریض نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ آخر کے شعر سے تو خدا کے وجود اور اُس کی قدرت سے صاف صاف انکار ظاہر ہو رہا ہے۔ تو جب خدا سے اختلاف۔ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف ثابت ہے تو پھر زنا۔ لواطہ وغیرہ وغیرہ منہیات شرعیہ پر اگر اصرار ہے تو کوئی بحث نہیں۔ جب دین ہی ثابت نہیں۔ تو پھر عمل کیا ہمارے فاضل محقق۔ اِن کی حرکات پر اپنی یوں رائے تحریر فرماتے ہیں۔

اِن اُمور سے بڑھکر اور کیا کفر و زندقہ ہوگا۔ مگر علامہ ذہبی سا اُستاد جو حدث اور تعصب کا پتلا ہے لکھتا ہے کہ ولید کا کفر و زندقہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ جو کچھ اِس کے متعلق مشہور ہے وہ صرف شرب خمر و لواطہ ہے۔ سبحان اللہ۔ گویا۔ شرب خمر و لواطہ اِس فاضل کے عندیہ میں خلفا کے واسطے حلال و مباح ہے۔

اِس تحریر کو پڑھکر ناظرین سمجھ لینگے کہ امر پرستی کے قریب میں آکر نادان مسلمانوں نے شریعت کی اصلی اور جائز پیشواؤں اور مقتداؤں سے تغافل اور بے پرواہی ظاہر کی۔ اور ایسے لوگوں کو صرف ثروت و اقتدار کے ظاہری اعتبار کی وجہ سے اختیار کیا۔ جن کے اخلاق کی برائیاں اپنی قوم کے لوگوں کے لیے تو خیر۔ دوسری قوموں کے واسطے بھی بہت بڑی خندہ زنی اور اعتراض کا باعث ہوتی ہیں۔ اور اُن کے یہ اخلاقی اور روحانی معائب دیکھکر جن کو وہ ایک مدت مدید تک اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرچکے ہیں۔ ایسی پشیمانی اور انفعال لاحق حال ہوتا ہے کہ پھر اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا۔ بہرحال۔ یہ تو ولید کے اخلاقی معائب تھے۔ اب ملکی اور انتظامی مناقص ملاحظہ ہوں۔

واضح ہو کہ معاویہ کے زمانۂ امارت سے بنی اُمیہ کی امارت میں استقلال و استحکام آیا اور اُسوقت سے لیکر اسوقت تک اُن کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا۔ اُن کے تشدد اور مظالم کے سکے رعایا کے دلوں پر بیٹھے تھے۔ مگر ولید ابن یزید کے قدم سلطنت پر آتے ہی اُن کی ملکی اور مالی قوتوں میں انحطاط اور اضمحلال کے آثار کامل طور پر نمایاں ہوگئے۔ اُن میں خانہ جنگی اور تفریق اور دیگر قسم کی مختلف اندرونی مخالفتیں پیدا ہوگئیں۔ اور اِن تمام شکایتوں کے باعث یہی تھے۔ اِن کی اخلاقی کمزوریاں اپنے اعزہ اور اقربا کو جو اسوقت سلطنت اموئیہ کے قوی اور بنود ارا رکین تھے۔ راضی نہ رکھ سکیں۔ اور وہ اِن کے ساتھ رفق و مدارا کے سلوک قایم نہ رکھ سکا بلکہ برعکس اِس کے ان کے ساتھ وہ بدسلوکیاں۔ شدید۔ اور سخت مظالم برتے گئے۔ جو معمولی سے معمولی اور ادنے سے ادنے آدمیوں کے ساتھ بھی روا رکھے جانے کی امید نہیں کیجا سکتی تھی۔ ولید کی شامت اعمال نے بنی اُمیہ کے اقبال کو نیچا کردیا۔ اِن کی ظالمانہ حرکات نے اِن کے اعزہ اور اقربا کے طبقہ میں عام ناراضی اور عداوت پیدا کردی۔ اِن میں فرقہ بندی ہوگئی۔ اور ملکی رعایا کچھ تو ان کے مظالم سے ناراض ہوکر اور کچھ طمع دولت کی وجہ سے اِن سے بالکل برگشتہ ہوگئی نتیجہ یہ ہوا کہ سال ہی بھر میں سب نے ملکر ان کو قتل کر ڈالا۔ اور یزید ابن ولید کو ایک جگہ تخت حکومت پر بٹھلا دیا۔

عمائد بنی اُمیہ سے ولید کی بدسلوکیاں یہ ہیں۔ ہمارے لایق معاصر صاحب کشف الحقائق نے ولید کو سلسلہ اموئیہ کا خاتم السلاطین سمجھکر اِس سلسلہ کو بالتمامہ تمام کردیا ہے۔ اور باقیماندہ تین سلاطین اموئیہ کو جو

حقیقت میں برائے نام تھے۔ نہیں لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے موجودہ مدعائے تالیف کے لیے۔ اُن
تمام سلاطین کے احوال و افعال کے لکھنے کا قصد کیا ہے عام اس سے کہ وہ بنی اُمیہ ہوں یا بنی عباس جو جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام کے زمانۂ حیات میں گزرے ہیں۔ اس وجہ سے ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں
کی بد افعالی اور زبوں اعمالی کے حالات آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے ساتھ پڑھکر
ہمارے ناظرین کو بہت سے مفید نتیجوں کے نکالنے کا کامل موقع مل جائے گا۔ اور اس امر کا بھی
اندازہ ہو جائے گا کہ یہ فرمانروایان ملکی جو اسوقت امت اسلام کے پیشوا اور کافۃ الانام کے مقتدا
کہلاتے تھے۔ روحانی اور اخلاقی محامد و محاسن سے کس حد اور کس درجہ تک آراستہ و پیراستہ تھے
اور بخلاف ان کے آپ (امام جعفر صادق علیہ السلام) کی مقدس ذات میں ان محامد و اوصاف کے کتنے
ذخیرے تھے۔ ان حضرات سے شریعت اسلامیہ نے۔ جو اس کے اصلی محافظ اور حقیقی حامی تھے۔ کتنا
فروغ پایا۔ اور اس کے اجرا و نشر میں ان حضرات نے کتنی کوشش فرمائی۔ اور عام مسلمانوں نے
آپ کے احکام و ارشاد سے کسقدر فائدہ اُٹھایا۔ یہ واقعات اس کتاب کے علیحدہ باب میں لکھے جائینگے
اس مقام پر اپنے مدعائے تالیف کی ضرورت سے اُن کی اخلاقی کمزوریوں کے صرف دو واقعات ذیل
میں لکھے دیتے ہیں جن سے اُن کے مناقص و معائب کا پورے طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔

ولید کے قتل ہونے کے اسباب ہیں۔ اول سبب تو صاحب روضۃ الصفا اُسکے وہی فسق و فجور
اور بے دینی لکھتے ہیں اور دوسری وجہ جو اُس کے قتل پر عام مسلمانوں کی مستعدی کا باعث ہوئی
وہ یہ تھی کہ ہشام سابق خلیفہ کے بڑے صاحبزادہ نے سلیمان سے ناراض ہو کر اُس کو سر دربار کوڑے
لگوائے۔ اُس مہین پور خلافت اور ناز پروردۂ نعمت کے لئے سو کوڑوں کے مارے جانے کی ذلت
کیا کم تھی۔ مگر ولید نے اس پر بس نہیں کی بلکہ سرے پر سو درّے۔ ان کا سر ان کی داڑھی اور ان کی
مونچھیں مُنڈوا کر تمام شہر میں پھروایا۔ اور تشہیر عامیانہ کرا کے شہر عمّان کی مجلس میں بھیجدیا۔ ان کی مدت
خلافت تک سلیمان مقید رہا۔

سلیمان کے بعد خلفائے سابقین۔ ہشام اور ولید ابن عبدالملک کی تمام اولاد و احفاد کے ساتھ بھی ایسے ہی
ظالم کئے گئے۔ سب کے سب پابزنجیر کئے گئے اور مختلف مقامات کے قید خانوں میں سپرد کیے گئے
ان کا قصور یہ تھا کہ وہ اِن کے ناہنجار کردار کو دیکھکر ان کو کفر و زندقہ سے منسوب کرتے تھے۔ اور سلیمان ابن
ہشام کے ساتھ بدسلوکی ان کی ناراضی کا زیادہ تر باعث ہوئی تھی۔ اس لیے ولید کو پورا خوف تھا کہ رعایا
ان کے زیر فرمان ہو کر ملک میں بغاوت اور غدر و فساد نہ پیدا کرے۔

بہر حال۔ قریب کے اندیشے اور گھر کے دغدغے تو یوں مٹائے گئے۔ اب دور کے کھٹکے اور بیرونی وسوسوں
کے مٹائے جانے کی فکریں ہونے لگیں۔ ان میں سب سے پہلے ولید کی نظر جس پر پڑی وہ عبداللہ قشیری

والی عراقین تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جو خلفائے ماضیہ کے وقت سے لیکر اسوقت تک بنی اُمیہ کی سلطنت کا پورا ناصر و معین بلکہ ساعد یمین سمجھا جاتا تھا۔ ولید چونکہ ہمیشہ اِس کی طرف سے خوف میں رہتا تھا اِس لیے اِس کے کال استیصال کو ضروری سمجھا اور یوسف ابن عمر کو اُس پر مسلط کیا۔ جس نے نہایت بُرے طور سے اِس کو مار ڈالا۔ سلیمان کے بعد ولید کا یہ دوسرا ظلم تھا۔ جو حماد اور ارکین کے ساتھ کیا گیا۔ اِس امر نے عام رضامندی میں ایک غیر متحمل پر جوشی پیدا کر دی جس کو پھر کوئی مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی نہ برداشت کر سکا۔ اور سب سے پہلے ارکین سلطنت نے خلیفۂ وقت پر خروج کرنے کے لئے کمر باندھی۔ سب کے سب ملکر یزید ابن ولید ابن عبد الملک کے پاس آئے اور اُس سے قبول خلافت کی استدعا کی۔ یزید نے اپنے بھائی عباس سے صلاح لی پہلے اُس نے منع کیا پھر لوگوں نے عباس کو سمجھا لیا۔ یزید نے خلافت قبول کر لی۔ پھر کیا تھا۔ دم کے دم میں فوج بھی تیار تھی اور سپاہی بھی لئیں۔ یزید نے فوج کی کمان عمر ابن عبد اللہ ابن عبد العزیز کو عنایت کی۔ اتفاق وقت سے دمشق میں طاعون تھا۔ ولید خوف طاعون سے بیرون شہر خیمہ زن تھا۔ اِس لیے شہر پر یزید کا قبضہ بلا مزاحمت ہو گیا۔ ولید کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا۔ یزید۔ قاتل جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے بیٹے خالد نے صلاح دی کہ شہر حمص کی طرف چلکر وہاں کے قلعہ میں قیام کیا جاوے اِس سے بہتر مقابلہ کی دوسری جگہ نہیں ہے۔ مگر اور ذی ہمت اور غیور جان نثاروں نے اِس صلاح کو شجاعت خسروانہ کے خلاف سمجھا اور ولید کو کھلے میدان میں وہیں مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ الغرض فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ولید کی بداقبالی کے دن آ گئے تھے۔ اُس کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر اپنے محل میں جا چھپا۔ کواڑے بند کر لئے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ولید نے یزید کے سردار فوج عینیہ سکسکی کو جو اُس کے قتل کا بیڑا اُٹھائے تھا اپنے قدیم الطاف و اشفاق بہت کچھ یاد دلائے۔ مگر اُس نے کچھ نہ سُنی۔ آخر۔ ولید نے یہ خیال کر کے کہ قوم بنی اُمیہ میرے موجودہ منظر کو عثمان کے مقتل سے مشابہ اور مساوی سمجھ کر میرے قتل سے کراہت کرے اور میری جان بچ جاوے۔ قرآن کھولکر پڑھنا شروع کیا مگر ان کے ایام سلطنت کے ساتھ ان کی زندگی کے دن بھی تمام ہو چکے تھے۔ وہ ان کی آخر وقت کی چالوں کو کچھ بھی خیال میں نہ لائے اور آخرکار اُس کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ اور اُس کا سر کاٹکر یزید کے پاس لے آئے۔ یزید نے اپنے چچازاد بھائی کا سر لیکر شکر کا سجدہ ادا کیا اور اُس کو شہر میں تشہیر کرانے کا حکم دیا اگر پھر بعض وجوہات سے اپنے اِس حکم کو واپس لیا۔

یہ تھے ولید کے حالات اور اُس کے نا ہنجار رفتار و کردار کی آخری یادداشت۔ کہ کر دو کہ نیا فت۔ ہمارے ناظرین نے دیکھ لیا کہ ولید کے مظالم نے اپنے نسبی اقربا اور اعزہ سے قرابتمندی اور عزیزداری کے حقوق قائم نہ رکھے۔ اُنکو ذلیل سے ذلیل کیا اور رسوا سے رسوا۔ کیا اسلام کے مقتدا اور پیشوا صلہ رحم کے

فرائض ایسے ہی ادا کرتے تھے۔

یزید ابن ولید ابن عبد الملک کی سلطنت

ولید کے وقت ہی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ لوگوں نے یزید کی بیعت اختیار کر لی تھی اس لیے ولید کے قتل ہونے پر یہ کامل طور پر خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اور خطبہ و سکہ اُس کے نام سے جاری ہوا۔ یہ خلیفہ فطرتاً نہایت بخیل اور تنگدل تھا۔ اور عرب کی ملکی تاریخوں نے اسے ناقص کا خطاب دیا ہے۔ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتلاتے ہیں کہ ولید نے اپنے زمانہ سلطنت میں اہل لشکر کی تنخواہوں میں جو اضافے کئے تھے۔ وہ یزید نے بلکلیہ کم کر دیئے۔ اس وجہ سے لوگوں نے اس کو ناقص کا لقب دیا۔ مگر سب سے پہلے جس شخص نے اس کو اس لقب سے پکارا وہ مروان ابن محمد ابن مروان ہے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ولید ہی کے وقت سے۔ بنی اُمیہ کی بداقبالی کا زمانہ شروع ہو گیا تھا اور اُن میں خانہ جنگیاں اور باہمی خصومتیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ یزید کی شش ماہا حکومت کا مختصر زمانہ بھی اس سے خالی نہ رہا۔ اس کے خلیفہ ہوتے ہی سلیمان۔ عمان کا قید خانہ توڑ کر نکل بھاگا۔ اور اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے یزید کے سر پر چڑھ آیا۔ اہل حمص نے بھی سخت غدر مچا دیا۔ اور ممالک فارس میں عموماً اور خراسان کے علاقہ سے لیکر مرو تک خصوصاً۔ وہ انقلاب پیدا ہوا جس نے بنی اُمیہ کے تمام کاروبار اور ثروت و اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ جس کی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں پائی جائیگی۔

یزید اسی کشمکش میں بیمار پڑ کر مر گیا۔ اور اپنے بعد ابراہیم ابن ولید اور اُس کے بعد عبد العزیز ابن حجاج ابن عبد الملک کو مسلسل خلیفہ بنا گیا۔ یہ ایجاد بھی نرالی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ تین پشت تک تو سلطنت کو اپنے سلسلہ میں قایم اور مستحکم کر دیا جاوے۔ مگر یزید نے اپنے حسابوں تو یہ سب کچھ کر لیا۔ اُس کو نظام قدرت کی کیا خبر تھی اور وہ کیا جانتا تھا کہ مالک الملک حقیقی کے دربار سے اُس کی خاندانی سلطنت کے لیے اب کیا ہونے والا ہے۔ جیسا کہ عنقریب ظہور میں آیا۔

ابراہیم ابن ولید ابن عبد الملک کی سلطنت

یزید کے بعد یہ خلیفہ تو ہوئے مگر تاریخ ابو الفدا۔ ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے مطابق ملک میں ان کی خلافت کامل طور پر تسلیم نہیں کی گئی۔ ابو الفدا لکھتے ہیں کہ کبھی تو لوگ انہیں خلیفہ کہتے تھے اور کبھی محض امرا شمار کرتے تھے۔ بہر حال۔ یہی کیفیت تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد۔ مروان ابن محمد مروان نے اس پر اسی ہزار کی جمعیت سے چڑھائی کر دی۔ ابراہیم نے اُس کے مقابلہ میں اگرچہ ایک لاکھ

بیس ہزار فوج سے کام لیا۔ مگر شکست کھائی اور ابراہیم اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ دمشق میں جا کر چھپ رہا۔ اور اپنے غیظ و غضب کی شدت میں، حکم اور عثمان۔ پسران ولید کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ مروان نے انہی دونوں کے نام پر اہل اسلام سے بیعت لی تھی اس لوٹ میں سلیمان ابن ہشام کی بن پڑی۔ جو ابراہیم کے مقربان مخصوص میں سے تھا۔ اس نے خزانہ شاہی پر خوب ہاتھ صاف کیے۔ اور گھر کا راستہ لیا۔ ابراہیم بھی تخت حکومت چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔

مروان ابن محمد ابن مروان الحمار کی سلطنت

مروان۔ جسے اسلامی دنیا الحمار کہتی ہے ۱۲۷ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ مروان نے ابراہیم و عبدالعزیز ابن حجاج کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ لیکن بعض مورخین کا یہ قول ہے کہ ان کو امان دیکر شہر حران میں نظر بند رکھا۔ مروان کی سلطنت اگرچہ پانچ برس تک باقی رہی۔ مگر ان پانچ برس میں ایک دن بھی اسے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دن ہوا تو تردد میں بسر ہوا۔ رات ہوئی تو پریشانی میں تمام ہوئی۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی۔ سلیمان ابن ہشام نے چڑھائی کر دی۔ اور شکست دینے پر بھی مروان کو سلیمان سے دوبارہ مقابلہ کرنا ہوا۔ ابھی اس سے فرصت نہیں ہوئی تھی۔ عبداللہ ابن معاویہ بن عبداللہ ابن جعفر کے معاملات پیش ہوئے۔ ان سے مقابلہ و مقاتلہ بھی ہوا اگرچہ عبداللہ ابن عمر مروان کے عامل نے عبداللہ ابن معاویہ کو کوفہ سے نکال دیا۔ مگر تاہم عبداللہ ابن معاویہ نے۔ فارس عراق عجم و ہمدان اور قومس تک کے لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا کر ان صوبوں پر اپنی حکومت قائم کر لی ۱۲۸ھ میں سلیمان کی تحریک سے ضحاک خارجی نے چڑھائی کر دی۔ اس سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ ابو حمزہ یعنی المخاطب بہ طالب الحق نے مضافات یمن میں سخت بغاوت پھیلا دی۔

ان متواتر و متسلسل دشواریوں کے علاوہ دعوت بنی عباس کی مصیبت عظیم تھی۔ جو روز بروز قوت پکڑتی جاتی تھی۔ اور ان کے انتظام میں استقلال اور استحکام آتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۳۲ھ ہجری میں وہ دعویدار سلطنت ہو کر مروان سے مقابلہ کے لیے علانیہ کھڑے ہو گئے۔

بنی عباسیوں کی ابتدائی کوششیں حصول خلافت کے لیے

چونکہ ہمارے مدعائے تالیف کو بنی عباسیوں سے بھی اتنا ہی تعلق ہے جتنا بنی امیہ سے اس لئے ہم ان کے حالات کو ابتدا سے لیکر اپنی ضرورت کے انتہا تک لکھیں گے۔

واضح ہو کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی وفات کے بعد سے حضرت عبداللہ ابن عباس نے بھی سکونت مدینہ

ترک کرکے طائف میں کاشتکاری کے ذریعہ سے قیام فرما ہوئے تھے۔ ان کے صاحبزادے علی ابن عبداللہ کا زمانہ بھی اور ہاشمیوں کی طرح خموشی میں گزرا۔ ان کے بڑے صاحبزادے محمدؒ ابن علیؒ نے سنہ ہجری میں ملوک بنی امیہ سے انتزاع سلطنت کا خیال پیدا کیا۔ ان کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ کتاب مقاتل الطالبین میں ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ عمر ابن امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پوتے عیسےٰ ابن عبداللہ ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ مقام ابوا میں۔ جو مدینہ سے قریب واقع ہے۔ اکابر و عمائد بنی ہاشم مثل عبداللہ ابن الحسن المثنےٰ الملقب بہ عبداللہ محض۔ اور اُن کے دونوں صاحبزادے۔ محمد اور ابراہیم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عباسؓ اور اُن کے بھائی۔ ابوجعفر منصور ابن محمد اور ابراہیم۔ اور اُن کے چچا صالح ابن علی اور محمد ابن عبداللہ ابن عمر ابن عثمان وغیرہ وغیرہ بہت سے لوگ جمع ہوئے یہ زمانہ عمر ابن عبدالعزیز کی خلافت کا تھا۔ اس مجمع میں صالح نے اُٹھکر تقریر کی اور حاضرین کے سامنے یہ بیان کیا۔

کہ یہ وہ زمانہ آ لگا ہے کہ اہل زمانہ کی تمام آنکھیں ہماری رفتار کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور اپنے اپنے مقام پر ہر شخص اِس امر کا متمنی ہو رہا ہے کہ وہ ہمارے اقتدار کو تسلیم کرے۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم اپنے موجودہ مجمع میں باتفاق خود ایک ایسے شخص کو منتخب کریں جو بذات خاص اِس صفت سے موصوف اور اِس منصب کے لائق ہو۔ ہم سب ملکر اُسی کی بیعت کریں۔ اور آپس میں یہ عہد و میثاق مستحکم کرلیں۔ کہ پھر اُس کی بیعت اور اطاعت سے کسی وقت انحراف نہ کریں۔ حتےٰ یفتح اللہ و ھو خیر الفاتحین۔

صالح کی یہ تقریر سنکر عبداللہ محض اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ایہا الناس۔ تم جانتے ہو کہ میرا فرزند محمد الملقب بہ نفس زکیہ اِس امت کا مہدی ہے اور ہر طرح منصب امارت و امامت کے لیے شایاں و سزاوار ہے۔ آپ حضرات اُٹھیں اور اُسی کی بیعت فرمائیں۔

یہ سنکر سب سے پہلے ابوجعفر منصور (جو عباسیوں کا دوسرا بادشاہ اور نفس زکیہ کا قاتل ہوا) اُٹھا اور بکمال خلوص و عقیدت عبداللہ محض کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ اُمت اسلامیہ کے لوگ سوائے اِس جوان۔ یعنی محمد نفس زکیہ کی امارت کے اور کسی کی امارت و امامت کے ساتھ راضی و خوشنود نہ ہوں گے۔

ابوجعفر کی تقریر نے اُس مجمع پر ایسی تاثیر کی کہ تمام لوگوں نے اِس امر پر اتفاق کیا اور محمد ابن عبداللہ الملقب بہ نفس زکیہ کے ساتھ بیعت ہوگئی۔

مجلس شوریٰ میں جناب امام جعفر صادقؑ کی طلبی

عیسیٰ ابن عبداللہ جو اس واقعہ کے ناقل ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ محض نے اس کے بعد میرے باپ عبداللہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بھیجکر یہ پیغام دیا کہ ہم لوگ ایک امر خاص کے لیے اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جس میں آپ کی شورت بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لیے آپ بہت جلد تشریف لائیں۔ جب یہ پیام پہنچا تو آپ تشریف لائے عبداللہ محض نے ساری روئداد بیان کی۔ آپنے اُن کی پوری تقریر سُنکر جواب دیا کہ۔ عبداللہ۔ تمہارا بیٹا مہدی نہیں ہے۔ ابھی مہدی آل محمدؐ کا زمانہ بہت دور ہے۔ اگر تم لوگ ظلم وقت سے تنگ آکر۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ارادے سے فی سبیل اللہ خروج بالسیف کرنا چاہتے ہو۔ تو بزرگ و رئیس قوم تو تم ہو۔ تم کو چھوڑ کر تمہارے بیٹے کی بیعت کیونکر ہو سکتی ہے۔

عبداللہ کو آپ کا یہ کلام ناگوار گزرا۔ اُنھوں نے ترشرو ہو کر جواب دیا کہ آپ اپنے ابن عم کے مقابلہ میں حسد کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے اس امر کو کسی خصومت سے نہیں کہا ہے بلکہ محض خلوص و محبت کے قصد سے۔ یہ فرما کر آپ نے محمد ابن علی ابن عبداللہ کے شانے پر (جو بعد کو السفاح اور عباسیوں کا پہلا بادشاہ مشہور ہوا) ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ یہ خلیفہ ہوگا اور اس کا بھائی دوسرا اسی کی اولاد میں خلافت و امارت پہنچیگی۔ ہاں۔ آپ کے یہ دونوں فرزند (محمد اور ابراہیم) اسی کے ہاتھ سے قتل ہوں گے۔

عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مجھکو بھی تا وقتیکہ میں نے محمد اور ابراہیم دونوں کے قتل کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا آپ کے کلام کا وثوق نہ ہوتا تھا۔ اور اس کی نسبت ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ حسد و نفسانیت پر مبنی ہے۔ بہرحال۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے اُٹھے تو اور لوگ بھی اُٹھ گئے۔ اور حضرات تو اپنے اپنے مقاموں پر تشریف لے گئے۔ مگر عبدالصمد اور ابوجعفر منصور امام علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آئے۔ اور دولت سرا میں پہنچکر عرض کی کہ آپ نے آل عباس کی خلافت کے لیے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ بالکل صحیح اور راست ہے کم و کاست ہے۔ اور جیسا میں نے بیان کر دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ویسا ہی ظہور میں آئے گا۔

علامہ ابو الفرج اصفہانی۔ اس کے آگے۔ ابوجعفر منصور کا یہ قول خود اُس کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ منصور کا قول ہے کہ میں اس خوشخبری کی پوری تصدیق سُنکر آپ کی خدمت سے رخصت ہوا اور گھر آیا۔ اور اُسی وقت سے اپنے تمام معاملات میں حزم و احتیاط اور دیکھ بھال شروع کر دی اور

اُسی وقت سے قول امام علیہ السلام پر اعتماد کرکے اپنے آپ کو بلاد اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا سمجھنے لگا

محمد ابن علی کا شام جانا

سنہ ۱ہجری میں محمد ابن علی۔ اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے شام میں پہنچے۔ انکا اِس سادگی کے ساتھ دمشق کی طرف جانا ایسا خفیہ تھا کہ کسی کو معلوم ہوا اور کسی کو نہیں۔ بہرحال۔ یہ ملک شام میں پہنچکر علاقہ **بلقاء** کے موضع **سمراۃ** میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شام میں جس غرض سے پہنچے تھے وہ یہ تھی کہ اِن دنوں حضرت محمد حنفیہ کے پوتے **ابو ہاشم** سلیمان ابن عبدالملک کے بہت بڑے معتقد علیہ تھے۔ سلیمان ان کی باتوں کو بہت مانتا تھا۔ اور ان کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ابو ہاشم کا زمانہ ملک شام میں نہایت عروج پر تھا۔ محمد ابن علی نے یہ سوچا تھا کہ ابو ہاشم کے ذریعہ سے اُن کے اغراض میں بہت کچھ مدد ملے گی۔ مگر اتفاق وقت سے اِن کے پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابو ہاشم کی رحلت ہوگئی اُن کی عزیز جان اس طرح لی گئی کہ بنی اُمیہ اِن کی فہم وفراست اور عقل وکیاست کا پورے طور سے موازنہ اندر اِن کی اقبال و دولت کا معائنہ کرکے اپنے حسد و نفسانیت کو ضبط نہ کرسکے۔ اور سلیمان ابن عبدالملک کے کان ان کی طرف سے اچھی طرح بھرے گئے۔ آخر کار بصلاح خود وہا یہ رائے قرار پائی کہ ابو ہاشم کو زہر دیا جاوے۔ چنانچہ ان کو دودھ میں زہر دیا گیا۔ ابو ہاشم نے زہر کا اثر فوراً محسوس کیا اور سوچے کہ اگر یہاں میری موت آئی تو میری مٹی خراب ہوگئی۔

غرض۔ یہ وہاں سے اُٹھے۔ اور محمد ابن علی کے پاس موضع سمراۃ میں چلے آئے۔ مگر دمشق سے یہاں پہنچتے پہنچتے زہر کا اثر پورا ہوچکا تھا۔ اور ان کی حالت بھی خراب ہوگئی تھی۔ اِس لیے اُنہوں نے محمد ابن علی کو اپنے استحضار کی عین حالت میں بلایا اور کہا کہ بھائی! صادق آل محمد علیہ السلام کی زبانی مجھکو معلوم ہوچکا ہے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت کا زوال قریب ہے اور یہ سلطنت تمہاری اور تمہاری اولاد کا حصہ ہے۔ تمہارے دل میں جو ارادہ ہے اُس سے دست بردار نہ ہونا۔ یہ کہکر ابو ہاشم نے رحلت فرمائی رحمۃ اللہ علیہ واسعتاً۔

ملک فارس میں بنی عباسیوں کی دعوت

ابو ہاشم کا یہ قول محمد ابن علی کی ہدایت کے لیے کافی ہوگیا۔ اُسی وقت سے وہ اپنی کامیابی پر پورے طور سے متیقن ہوکر اُس کی مناسب تدبیروں میں مصروف ہوئے۔ بنی عباس کے عروج کی ابتدا یہی ہے ابو ہاشم کے مرتے ہی اِس کے ہمراہیوں نے محمد ابن علی کی بیعت اختیار کرلی۔ اتنے آدمی ایکبار محمد کے مطیع ہوگئے۔ تو محمد نے اپنی کوششوں کی رفتار کو آہستہ آہستہ تیز کرنا شروع کیا۔ محمد نے سب سے

پہلے ابو عکرمہ سراج کے ہمراہ دو آدمی خراسان کی طرف روانہ کئے کہ وہ اہل خراسان کو ان کی بیعت پر
آمادہ کریں۔ اسی وقت سے خراسان میں بنی عباسیوں کی خفیہ دعوت شروع ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ ان تین
آدمیوں سے بارہ آدمی مقرر ہوئے جو دُعاۃ یا نقبا کے لقب سے مشہور تھے۔ پھر ان بارہ نقیبوں کے کثیر التعداد
نائب مقرر ہوئے اور وہ لوگ اسی طرح سے رفتہ رفتہ خراسان سے لیکر مرو تک تمام پھیل گئے۔ ان لوگوں کا
طریقہ دعوت یہ تھا کہ جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرتا تھا۔ یہ اس شخص سے ایک نوشتہ دستخطی لے لیتے تھے
اور اس اقرار نامہ کو محمد ابن علی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ بنی عباسیوں کی یہ خفیہ کارروائیاں۔ ہشام کے
زمانہ سلطنت میں سنہ ۱۰۰ ہجری سے شروع ہو کر سنہ ۱۲۰ ہجری۔ ولید ابن یزید کے وقت تک قایم رہیں
جب بنی عباسیوں کو آہستہ آہستہ کامیابی کی امید ہو چلی۔ تو محمد ابن علی نے سلیمان ابن کثیر
اور قحطبہ ابن شبیب کو ایران کی طرف اپنی دعوت ستانی کی غرض سے بھیجا۔ اور ان کے بعد بعد ایک
ستر آدمی ستر دستور العمل لکھ لکھ کر یکے بعد دیگرے بھیج دئے گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد محمد ابن علی نے سنہ ۱۲۵ھ
میں انتقال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم ان کے قایم مقام ہوئے۔

سلاطین بنی اُمیہ سے چھیڑ چھاڑ

سنہ ۱۲۱ ہجری میں جناب زید شہید علیہ الرحمۃ والرضوان ہشام کے مظالم کا نشانہ ہو چکے اور اُن کے بعد
سنہ ۱۲۵ ہجری میں اُن کے صاحبزادے یحییٰ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی بحکم ولید علاقہ جرجان میں شہید
کر دیے گئے۔ تو اسی وقت سے سلطنت کو ان دعویداروں کا خیال پیدا ہو گیا۔ اِدھر ان دونوں حضرات
کے مارے جانے سے بنی عباسیوں کو بھی پورا نفع اُٹھا۔ جناب زید رضہ کے قتل ہونے سے۔ اہل کوفہ
بہ گردگی ابو سلمہ ان کی طرف مائل ہونے لگے اُدھر حضرت یحییٰ رضہ کے مارے جانے سے جرجان
اور اس کے تمام علاقہ میں بنی عباس کی دعوت تسلیم کر لی گئی۔

بنی عباسیوں کا عاقلانہ سکوت

بنی اُمیہ کی بڑھی ہوئی قوتوں کے سامنے بنی عباس نے جس آہستگی اور خاموشی سے کام لیا وہی اُنکی
ترقی اور کامیابی کا آخر میں اصلی باعث ثابت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عباسیوں سے بھی بنی اُمیہ
کے خلاف ملکی رعایا کی تسخیر قلوب کے لیے وہی نسخہ تجویز کیا جو ان سے پہلے اکثر ناصحِ زمانہ حضرات
سوچ چکے تھے مگر اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور ان کو ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے
بعض نے کچھ تو اپنے متابعین کی زبانی قول و قرار پر اور کچھ اپنی ذاتی ہمت و دلیری پر اعتبار کر کے قبل از
وقت سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کر دیا۔ اور اس سے بہت پہلے کہ اُن میں ایسے

زبردست غنیم کے مقابلہ کی قوت اور صلاحیت آئی ہو یا نہیں اپنی موجودہ جمعیت کو لیکر میدان جنگ میں نکل آئے اور اُن ہی اعوان وانصار پر اعتماد کلی رکھے رہے۔ جو ستانی کوششوں سے زیادہ زبانی وعدوں کا اظہار کرتے تھے۔ اِس لیے اُن کو اپنے حصول مدعا میں کامیابی نہیں ہوئی۔
بخلاف اِن کے۔ عباسیوں نے اپنے مدعا کے اظہار اور اپنے ارادوں کے اعلان کو نہایت سختیوں سے روکا اور ضبط کیا اور جس وقت تک کہ اُن میں سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کی پوری قوت نہ پیدا ہولی اُنھوں نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔
مختار ثقفی سے لیکر حضرت زید شہید تک جن جن حضرات نے حصول مقاصد میں ہزیمتیں اُٹھائیں اور ناکامیاب رہے۔ اُن کی یہی دو وجہیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو اُن کی قبل از وقت صف آرائی اور تیغ آزمائی اور دوسرے اُن کے اعوان وانصار کی عہد شکنی اور بے وفائی۔
عباسیوں کے تجربہ کی آنکھوں نے سب سے پہلے اس نقص پر غور کیا اور اپنے معاملات میں اس نقص سے بچنے کے لئے بڑی احتیاط کی اسی لئے اُن کے ابتدائی امور میں کوئی خلل نہیں پڑا اور وہ اپنی خواہشوں میں کامیاب ہوئے۔

نصرت اہل بیت علیہم السلام کے وعدوں کے ساتھ دعوتِ بنی عباس

مگر باوجود اتنے حزم واحتیاط کے۔ عباسیوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لئے تسخیر قلوب اور عام رضامندی حاصل کرنے کے باعث سے نصرت اہل بیت علیہم السلام کے محض زبانی وعدوں کو اپنا شعار بنایا۔ اور آخر کار اس طریقہ میں پھر بزرگان سلف کی تقلید اختیار کی۔ اور وہی حقوق آل محمد اور نصرت اہل بیت علیہم السلام کی ظاہری اور نمایشی نقش ونگار کیساتھ اپنے شاہد مدعا کو جلوہ آرا کیا اور اپنے حصول مقاصد کی تدبیروں کو اس آڑ میں دکھلایا جس کلمہ کے ساتھ اُنھوں نے اپنی دعوت کا اعلان شروع کیا اور جس لفظ سے بلاد اسلامیہ کے لوگوں کو دعوت دی گئی وہ رضائے آل محمدؐ کا مجمل خطاب تھا۔ کیونکہ جب عباسی نقیبوں سے دعوت کی وجہ پوچھی جاتی تھی وہ یہی کہتے تھے کہ رضائے آل محمدؐ
اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اِن لوگوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لیئے (گو وہ زبانی کیوں نہو) حضرات اہل بیت علیہم السلام اور آل محمدؐ سلام اللہ علیہم ہی کو اپنا ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے۔ اور امت اسلامیہ کے دلوں میں اِن کی دعوت نے جو عام رسائی اور تاثیر پیدا کی وہ انھی مقدس حضرات کے خلوص وبرکت اور حقیقت کی بدولت تھی کیونکہ ظلمہ وقت کے ہاتھوں جو مظالم گذرے تھے۔ یا جو جو حق تلفیاں ظاہر ہوئی تھیں۔ وہ انھیں بزرگواروں کی جان ومال تک محدود ومنحصر تھیں۔ اُن سے بنی عباس کو کوئی واسطہ اور کوئی سروکار نہیں تھا۔ اِن پر جو مصائب اور شدائید گذر چکے تھے یا گذر رہے تھے۔ اُن کو دیکھ دیکھ کر اہل زمانہ نے ظالم اور مظلوم کی پورے طور پر تمیز کرلی

تھی اور اُس کا کامل اثر وہ محسوس کر رہے تھے۔ اِس لئے جب بنی عباس یا اور کوئی اِن حضرت کی نصرت اور استعانت کی غرض اُن کے سامنے پیش کرتا تھا تو فوراً اُن تمام مصائب و شدائد کا اثر اِن کے دلوں میں زندہ ہو جاتا تھا۔ اور فوراً وہ قبول کر لیتے تھے۔

خراسان میں آل جعفر کا عروج

بنی عباس ایران میں کیسے پہنچے!

یہ حضرات ایران میں کیسے پہنچے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ محمد ابن علی نے ابو عکرمہ سراج کو سب سے پہلے خراسان کی طرف بھیجا تھا۔ اِن کی دعوت کا سلسلہ تو اسی وقت سے شروع ہو چلا تھا مگر اُنکی تحریک اس وقت تک کسی شمار میں لائے جانے کے قابل نہیں تھی۔ اِن کے خراسان جانے کی کیفیت یہ ہوئی کہ جب عبداللہ ابن معویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کی حکومت کا رنگ۔ فارس۔ عراق عجم سے لیکر قومس تک جم گیا۔ جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے تو قریب قریب تمام بنی عباس عبداللہ ابن معویہ ابن عبداللہ کی خدمت میں جا پہنچے اور اُسی وقت سے اِن لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ عبداللہ ابن معویہ ابن عبداللہ ابن جعفر نے ان لوگوں کی خاطر داری کی اور ان لوگوں کو لشکر میں ممتاز عہدے عطا کئے۔

ترقی پا کر بنی عباس نے آل جعفر سے کیا کیا؟

بُرا ہو اس خود غرضی اور طمع کا۔ جب آل جعفر کے عروج و اقبال کا ستارہ زوال کے قریب پہنچا۔ تو افسوس اِن حضرات نے اپنے ایسے محسن کی ذرا بھی استمداد و استعانت نہ کی بلکہ ان کے زوال اور کامل استیصال کو اپنی ترقی اور اقبال کا اصلی باعث سمجھکر خوش ہو بیٹھے۔ اِس کی تفصیل یوں ہے۔

کہ ۱۲۸ھ ہجری میں آل جعفر کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھکر سلاطین بنی امیہ کو ان کی تباہی و بربادی کا خیال ہوا تو انہوں نے عامر ابن ضبارہ اور معن ابن زایدہ کو ان کی مہم پر تعینات کیا ان دونوں نے آل جعفر پر دونوں طرف سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ کی فوج فوراً پسپا ہو گئی اور عبداللہ کو معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں چھوڑ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلم خراسان اور اُس کے مضافات میں عباسیوں کی دعوت کر رہا تھا اور اسکی قوت بھی روز بروز ترقی پر تھی۔ عبداللہ ابن معویہ اور اُن کے بھائی حسن نے اس خیال سے کہ مسلم رضائے آل محمدؐ کی دعوت کر رہا ہے۔ وہ ہماری استمداد ضرور کرے گا۔ اس کے پاس چلے جانیکا۔ قصد کیا۔ ابو مسلم اُن دنوں مرو میں تھا۔ جب یہ لوگ ہرات کے شہر میں پہنچے تو مالک ابن ہیثم خزاعی نے اِن کو روکا اور ابو مسلم کو ان کے آنے کی اطلاع لکھ بھیجی۔

قبل اس کے کہ ابومسلم کے پاس سے اس کی رپورٹ کا کوئی جواب آوے مالک نے ایک دفعہ عبداللہ سے پوچھا کہ آپ کے والد کا خلاف عادت اہلبیت علیہم السلام معاویہ کیوں نام رکھا گیا۔ آل محمد یا اہلبیت کے تو نام ایسے نہیں ہوتے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ آل محمد سے نہیں ہو عبداللہ نے اس کے جواب میں کہا کہ میرے والد کا نام معاویہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ میرے جد بزرگوار عبداللہ ابن جعفر طیار علیہ السلام معاویہ ابن ابوسفیان کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے والد کی ولادت کا مژدہ اُنہیں پہنچایا گیا۔ یہ سُنکر معاویہ نے میرے دادا سے کہا کہ میں تین سو دینار آپ کو صرف اس غرض سے دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس لڑکے کا نام میرے نام پر رکھیں۔ میرے جد بزرگوار نے مصلحت وقت پر خیال کرکے اُس کے التماس کو قبول فرما لیا اور میرے والد کا نام معاویہ رکھا۔

یہ سنکر مالک نے کہا سبحان اللہ۔ اُنہوں نے تھوڑی سی رقم رشوت میں لیکر ایسا بُرا نام اپنے لڑکے کا رکھدیا۔ تم لوگوں کا جو دعوے ہے۔ اُس میں میرے نزدیک تمہارا کوئی حق معلوم نہیں ہوتا۔

بہر حال۔ یہ قصہ تو یہاں کا تھا۔ اب اُدھر کی سُنئے۔ جب مالک کا قاصد ابومسلم کے پاس پہنچا تو اُس نے تمام احوال دریافت کرکے یہ خیال کیا کہ دو پادشاہ دریک اقلیم نہ گنجند۔ عبداللہ کے ایسے مساوی قوت والے کو چھوڑ دینا اپنے حصول مدعا کے لیے باعث مضرت ضرور ہوگا۔ اس نے مالک کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ کو مع اُن کے ہمراہیوں کے قتل کرڈالو۔ جب ابومسلم کا یہ حکم مالک کو پہنچا تو اُس نے عبداللہ کو اُن کے ہمراہیوں کے ساتھ قتل کرڈالا۔ اِن حضرات کے مزار اس وقت تک ہرات میں مقابر سادات کے نام سے مشہور ہیں۔

ابومسلم جو اِن سادات کا قاتل تھا۔ اور بنی عباس کی دولت وثروت کا مدعی۔ کچھ بھی ان وطن آوارہ سادات کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرسکا۔ طمع دنیا۔ خود غرضی کا مرض ایسا ہی لاعلاج مرض ہوتا ہے جو دوست۔ دشمن اپنے اور بیگانے کی امتیازی قوتوں کو انسان کے قلب سے صلب کرلیتا ہے۔

بہر حال۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ عراق فارس سے تومس تک کا علاقہ آل جعفر کے زیر اثر آچکا تھا۔ عبداللہ ابن معاویہ کے قتل ہوتے ہی سرحد ایران سے لیکر عراق عجم تک یہ تمام علاقہ کا علاقہ اور ملک کا ملک بغیر کسی خلش کے ابومسلم کے قبضہ میں آگیا۔ اور نصر بن سیار جو بنی اُمیہ کی طرف سے والی خراسان تھا۔ ابومسلم کے ہاتھ سے ہزیمت اُٹھا کر بھاگ گیا اور خراسان کا علاقہ بھی اِس کی حکومت میں آگیا۔

ابومسلم مروزی کون تھا؟

ابومسلم کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ لکھتا ہے کوئی کچھ۔ روضۃ الصفا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اُمیہ نے بنی عباس سے جھگڑا اور غصہ میں لانے کے لیے مسلم اور اُس کے باپ

شلیط کو اولادِ عباس میں شامل کیا تھا۔ اور اُس کے سلسلہ کو یوں ملایا تھا۔ کہ ابومسلم کی ماں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی کنیز تھی۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے ایکبار اُسے اپنی صحبت کے شرف سے مشرف بھی فرمایا تھا پھر آزاد کر کے اُس کا عقد ایک غلام کے ساتھ کر دیا اور اسی کے صلب سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام شلیط رکھا گیا۔ شلیط جب جوان ہوا تو اتفاق وقت سے ولید ابن عبدالملک کے مخصوصین میں شامل ہو گیا۔ چونکہ آل مروان اور بنی عباس میں ہمیشہ سے چشمک چلی جاتی تھی۔ اس لیے ایک بار ولید نے شلیط کو سکھلا کر عبداللہ ابن عباسؓ کی وراثت پر دعوے کرا دیا۔ قاضی کے پاس مرافعہ پیش ہوا۔ قاضی کی کیا مجال کہ ولید کے خلاف کسی فیصلہ پر جرات کر سکے۔ ادھر اُدھر کے سازشی گواہ سُنکر سلیط کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا صلبی فرزند قرار دے دیا۔ ولید نے عدالت سے ڈگری حاصل کر کے علی ابن عبداللہ کو شلیط کے ترکہ دینے کے لیے بہت تنگ کیا۔

ابومسلم شلیط کا بیٹا تھا۔ سلیط مدۃ العمر بنی اُمیہ کا حامی اور ہوا خواہ بنا رہا۔ بخلاف اس کے ابومسلم نے ہمیشہ بنی عباسیوں کا ساتھ دیا۔ ولید نے سلیط کو پہلے اصفہان کا پھر کوفہ کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ ابومسلم کی پیدائش سنہ ھجری میں ہوئی اور اُس نے کوفہ میں نشو و نما پائی۔ جب ابومسلم سن شعور پر پہنچا تو بنی اُمیہ کا ستارہ رو بادبار تھا۔ اور عباسیوں کی دعوت کی چھیڑ چھاڑ ادھر شروع تھی۔ ابومسلم نے ابراہیم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عباس کا ساتھ دیا۔ اور بنی اُمیہ کے حقوق سابقہ کا کوئی خیال نہیں کیا۔ ابراہیم کی خدمت میں آنے سے قبل اس کا نام ابراہیم تھا۔ اور کنیت ابواسحاق۔ ابراہیم نے اپنے نام سے توارد واقع ہونے کی وجہ سے اِس کا نام عبدالرحمن اور کنیت ابومسلم رکھی۔ عمران ابن اسمٰعیل کی لڑکی سے جس کی کنیت ابوالنجم تھی ابومسلم کا نکاح کر دیا۔ اور پھر اُس کو خراسان کی طرف بھیج دیا۔ جہاں پہنچکر اس سے وہ وہ کارہائے نمایاں ظاہر ہوئے جو آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں اور اُن میں سے کچھ اوپر بھی بیان کئے گئے ہیں۔

بنی عباس کی کامیابیوں کے عمدہ ذریعے

ایران میں آل جعفر کی استیصال اور بربادی سے ابومسلم کو حصول کامیابی کا پورا موقع مل گیا۔ ابراہیم کو عرب میں بنی اُمیہ کی خانہ جنگی اور یزید ابن ولید اور سلیمان ابن ہشام کی باہمی مخالفت نے بہت کچھ نفع پہنچایا اور بنی عباس اِس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہو کر اپنی کامیابی اور حصول مقاصد پر پورے طور سے فائز ہو گئے اور سنہ ۱۲۹ ھجری سے عراق عجم۔ خراسان اور قومس اِس تمام ملک میں سلاطین بنی اُمیہ کے نام خطبہ سے خارج ہو کر ابراہیم ابن محمد کا نام داخل کر دیا گیا۔

اِس سے پہلے لکھا گیا ہے کہ نصر ابن سیار جو بنی اُمیہ کی طرف سے ممالک ایران کا عامل تھا۔ مرو میں ابومسلم سے شکست کھا کر بھاگا۔ اس نے رے میں پہنچکر مروان حمار موجودہ خلیفۂ وقت کو پوری کیفیت لکھ بھیجی

اور اُس میں یہ بھی لکھ دیا کہ یہ فتنہ قریب ہے کہ حدود شام تک پہنچکر خلافت کی تباہی و بربادی کا باعث ٹھہرے

مروان نے ابو مسلم کا خط پکڑ لیا

مروان حمار یہ خط پڑھ ہی رہا تھا۔ کہ اُس کے مخصوصین ابو مسلم کے اُس قاصد کو پکڑ لائے جو ابو مسلم کا تہنیت نامہ ابراہیم ابن محمد کے پاس لئے جاتا تھا۔ مروان نے ابو مسلم کے قاصد سے پوچھا کہ وہ خط دے۔ اُس نے دیدیا مروان نے وہ خط پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ نصر ابن سیار نے میرے ہاتھ سے شکست فاش اُٹھائی۔ وہ ملک خراسان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اور وہ تمامی ملک میرے قبض و تصرف میں آگیا ہے۔ مروان نے یہ حال معلوم کر کے قاصد سے کہا کہ ابو مسلم نے تجھکو اس خط پہنچانے کی کیا اُجرت دی ہے۔ قاصد نے وہ رقم بتلائی مروان نے کہا کہ میں اس سے دونی جمع تجھکو اِس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ خط ابراہیم کے پاس لیجا اور جو جواب تجھکو دے وہ مجھکو لاکر پھر دکھلا دے۔ مگر اُس کو یہ معلوم نہ ہونے پائے۔ قاصد نے اِن تمام باتوں کو قبول کر لیا مروان نے کچھ رقم بیعانہ کے طور پر اُسے دیدی۔

قاصد وہاں سے روانہ ہوا اور ابراہیم کے پاس پہنچا۔ ابراہیم نے ابو مسلم کا خط پڑھا اور اُس کے جواب میں لکھا کہ تم کو چاہیے۔ کہ ہماری دولت و اقبال کے حصول میں کوششہائے بلیغ عمل میں لاؤ اور اُن امور کو نہایت حزم و احتیاط سے مرکوز خاطر رکھو۔ اور ہمارے مخالفین کا استیصال جس حیلہ اور جس تدبیر سے مناسب ہو۔ پورے طور پر کرو۔

مروان اور ابراہیم

یہ خط لیکر ابراہیم نے قاصد کو حوالہ کیا اور وہ حسب الوعدہ یہ خط لیکر مروان کے پاس آیا۔ مروان نے خط پڑھکر عامل جابلقا کو لکھا کہ ابراہیم اور اُن کے اعوان و انصار کو جو موضع خمیمہ من مضافات شہر جابلقا میں قیام پذیر ہیں گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدے۔ عاملِ جابلقا نے دفعتاً موقع پر پہنچکر اُن لوگوں کو گرفتار کیا اور مروان کے پاس بھیجدیا۔ مروان اُن دنوں حران میں تھا۔ ابراہیم جب اُس کے سامنے لائے گئے۔ تو اُس نے ناملائم الفاظ اور سخت کلامی کا اظہار کیا۔ جس کا جواب ابراہیم نے بھی دُرشتی سے کلہ بکلہ دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں ابو مسلم کے قضیئہ سے واقف نہیں ہوں اور میرے اُس کے درمیان کسی قسم کی خط و کتابت نہیں ہے۔ اتنا سُننا تھا کہ مروان نے وہ خط اور قاصد ابراہیم کے سامنے کر دئے۔ ابراہیم سخت نادم اور پشیمان ہو کر خاموش ہو رہے۔

ابراہیم کی گرفتاری اور اُن کا قتل

مروان نے ابراہیم کو قید کر دیا۔ قید خانہ میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دونوں گروہ کے چند آدمی پہلے سے گرفتار تھے اور یہ وہی لوگ تھے جن پر خلیفہ کو خروج کرنے کا شبہہ تھا۔ ابو عبداللہ ثعلبی کا بیان ہے کہ

ایک رات کو کچھ لوگ قید خانہ میں گئے۔ اور تھوڑی دیر اندر رہکر پھر باہر نکل آئے۔ صبح کو جو میں محبس کے اندر گیا۔ میں نے تینوں آدمیوں کو مردہ پایا۔ اِن لوگوں کے ساتھ دو غلام بھی قید کیے گئے۔ اِن سے اِن کے حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کو آئے اور عبداللہ و عباس کے سینہ پر تکیہ رکھکر بیٹھ گئے اُن کے دم رک گئے۔ اور دو دم کے دم میں پھڑک پھڑک کر رہگئے۔ یہ تو ہوا بیان ابراہیم کے مارے جانے کی کیفیت تھی۔ ابراہیم کے قتل کئے جانیکی یہ صورت ہوئی کہ ابراہیم کو ایک حوض آب میں دیر تک بٹھلائے رہے اور اُن کو اُس میں سے باہر نکلنے نہ دیا۔ یہانتک کہ اُن کی آمد و شد نفس بھی منقطع ہوگئی۔ اب سنئے کہ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد۔ سفاح۔ منصور۔ اسمٰعیل۔ ابو داؤد۔ صالح اور عبدالصمد وغیرہم غرض یہ تمام حضرات بھاگ کر ابوسلمہ کے پاس کوفہ چلے آئے۔

ابوسلمہ اور بنی فاطمہؑ سے قبول خلافت کی درخواست

ابوسلمہ خلال جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ عراق میں عموماً وزیر آل محمدؐ کے لقب سے آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ وہ شخص ہے جس نے عراق سے بنی امیہ کے تمام اقتدار و آثار کو اُکھاڑ پھینکا۔ جب بنی عباس علاقہ شام سے پریشان ہوکر کوفہ آئے تو ابوسلمہ نے اِن لوگوں کو اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا۔ اور ابومسلم کو ان کی داستان لکھ بھیجی۔

خراسان کی فوج نے کوفہ میں آکر بنی اُمیہ کو شکست دی

ابومسلم نے ابوسلمہ کا خط پڑھتے ہی خراسان کی تمام فوج کو قحطبہ اور حسن کی ماتحتی میں دیکر کوفہ کی طرف روانہ کیا جب خراسانیوں کا لشکر کوفہ میں پہنچ گیا تو بنی امیہ کی فوج سے مقابلہ ہوا اور بہت بڑی خونریزی واقع ہوئی۔ قحطبہ تو مارا گیا۔ مگر حسن نے اپنے بگڑے ہوئے لشکر کو سنبھال لیا اور بنی امیہ کی فوج پر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ تحمل نکر سکی۔ اور میدان سے بھاگ گئی۔ خراسانیوں نے مروانیوں کو مار مار کر کشتوں کے پشتے لگا دئے۔

ابوسلمہ کا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں قبول خلافت کے لئے خط لکھنا اور آپ کا قطعی انکار

مروانیوں کو کامل شکست دیکر حسن ابوسلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوسلمہ حسن کیساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ مسند پر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ حسن نے ابوسلمہ کو ابومسلم کا خط دکھایا۔ جس میں خراسان کی تمام فوج کو ابوسلمہ کی اطاعت اور متابعت کی تاکیدیں لکھی ہوئی تھیں۔ ابوسلمہ یہ خط لیکر کوفہ کی مسجد جامع میں گیا اور تمام لوگوں کو ابومسلم کا خط سنایا۔ تمام لوگوں نے اُس کی اطاعت اختیار کی اور اُس کی

اقتدا کو تسلیم کیا۔ چونکہ ابراہیم ابن محمد کا آخری نتیجہ اُس وقت تک معلوم نہیں تھا۔ اس لئے ابو سلمہ نے خیال کیا کہ کوئی شخص اہلبیت طاہرین میں سے مستقل خلیفہ قرار دیکر دمشق۔ دارالخلافت امویہ پر حملہ کا سامان کیا جاوے اس تجویز کو مدنظر رکھکر اُس نے تین نامے تین بزرگوں کے نام لکھے۔ ان تینوں خطوں میں قبول خلافت کے لئے استدعا کی۔ ان میں سے پہلا خط جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام۔ دوسرا عبداللہ محض کے نام تیسرا عمر ابن علی ابن حسین۔ المعروف بہ عمر الاشرف کے نام لکھا۔

ابوسلمہ نے خطوط دینے وقت قاصد کو تاکید کر دی کہ سب سے پہلے خط جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا جاوے۔ اگر وہ میری استدعا قبول فرمائیں تو بقیہ دونوں خط چاک کر دئے جائیں۔ اور اگر آپ انکار فرمائیں تو عبداللہ محض کے پاس خط دیا جاوے۔ اور وہ قبول کرلیں تو عمر الاشرف کا خط پھاڑ دیا جاوے اگر وہ بھی راضی نہوں تو عمر الاشرف کو خط پہنچایا جاوے۔ جواب وہ جو دیں وہ میرے پاس لے آیا جاوے بہرحال ابوسلمہ کا قاصد کوفہ سے مدینہ میں پہنچا۔ رات کا وقت تھا قاصد حسب الہدایت سب سے پہلے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز مغرب سے فارغ ہو کر تعقیبات میں مصروف تھے۔ سامنے چراغ روشن تھا۔ قاصد نے ابوسلمہ کا خط پیش کیا۔ آپ نے اس خط کو اسی طرح بغیر کھولے۔ چراغ کی لو دکھلا کر جلا دیا۔ اور قاصد سے ارشاد کیا کہ اس کا جواب یہی ہے۔ قاصد آپکی خدمت سے رخصت ہو کر عبداللہ محض کے پاس پہنچا۔ اور ان کو ان کا خط دیا۔

عبداللہ محض اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی باہمی گفتگو

عبداللہ وہ خط لئے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بغرض مشورہ آئے آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ اہل خراسان شیعہ ہمارے نہیں ہیں اور ہم اُن میں سے کسی کو نہیں پہچانتے۔ اور ابو سلمہ کے قول پر اعتبار نہیں کرتے۔

دوسری روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ محض یہ خط پاکر نہایت مسرور ہوئے اور آرزو سے سفارت وہ خط لئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ابوسلمہ مجھے قبول خلافت کے لئے استدعا کرتا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے وہ مجھے اس امر کے لیے ساعی ہو چکا ہے۔ یہ سُن کر عبداللہ کی سرجوشی دبی پڑی تو نرم آواز سے پوچھنے لگے کہ پھر آپ نے اُسے کیا جواب لکھا امام نے فرمایا۔ کہ میں نے اس کو بغیر پڑھے چراغ میں جلا دالا ہرگز ہرگز تم اس کی سازش میں نہ آؤ۔ اور اس کے پاس نہ جاؤ۔ خلافت اب ہمارے قابل نہیں ہے۔

عبداللہ محض کے بعد۔ وہ قاصد حسب الہدایت عمر اشرف کے پاس آیا۔ اور ان کے نام کا خط اُن کو دیا عمر اشرف نے خط لیکر جواب دیا کہ میں اِس خط کے لکھنے والے سے واقف نہیں ہوں اس لئے اِس کا جواب

جواب نہیں دے سکتا۔ روضۃ الصفا جلد سوم۔

اس واقعہ کو امام یافعی نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے۔

وکتب ابوسلمۃ الخلال کان من دعاۃ الناس الی موالاۃ اھلبیت وابو مسلم المروزی تابعاً لہ الی ثلثۃ نفرھم جعفر الصادق علیہ السلام وعمہ عمر الاشرف وعبداللہ المحض ابن حسن المثنیٰ رضی اللہ عنھم فبداء الرسول جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ودخل علیہ لیلاً وبلغ کلامہ فقال الرسول اقرء الکتاب ثم قل الجواب فقال للخادم قرب السراج فاحرقہ وقال للرسول قد رایت الجواب فذھب الرسول الی عبداللہ المحض فقرء الکتاب ومال الی خلافۃ ابنیہ محمد الملقب بالنفس الزکیۃ وابراھیم ودعا جعفر الصادق علیہ السلام واستشارہ فقال لہ جعفر علیہ السلام قد علم اللہ انی لا اذخر النصح من احد من المسلمین فکیف اذخرہ عنک یا عمی فلا تمنین نفسک فان ھذہ الدولۃ تتم لبنی عباس توقع کما قال واما عمر الاشرف فکان علامۃ۔

ابوسلمہ خلال جو اہلبیت علیہم السلام کے لئے لوگوں کو دعوت کرتا تھا اور ابو مسلم جو ابوسلمہ کا تابع تھا دونوں نے تین آدمیوں کے نام خط لکھا۔ ایک جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام۔ دوسرا عبداللہ محض کے پاس تیسرا عمر الاشرف کو۔ قاصد نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابتدا کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت میں رات کے وقت حاضر ہوا۔ خط دیا اور جواب مانگا۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ شمع سامنے لائے۔ جب شمع سامنے آئی تو آپ نے وہ خط جلادیا۔ اور قاصد سے فرمایا کہ اس کا جواب یہی جواب ہے۔ قاصد بھی وہاں سے اٹھکر عبداللہ محض کے پاس آیا خط دیا انہوں نے خط پڑھا اور اپنے بیٹوں محمد الملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے لئے خلافت کے خواہشمند ہوئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر خاص میں آپ سے مشورہ کیا آپنے فرمایا کہ اے چچا خدائے تبارک و تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں کسی مرد مسلمان کی نصیحت سے دریغ نہ کروں تو پھر ایسی حالت میں آپ کی نصیحت سے کیسے باز رہ سکتا ہوں پس آپ اپنے نفس میں اس امر کی تمنا نہ کریں کیونکہ یہ امارت بنی عباس کے لئے مخصوص ہوچکی ہے۔ چنانچہ جیسا آپنے فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔ عمر الاشرف مدینہ میں موجود نہیں تھے۔

چنانچہ امام یافعی تحریر کرتے ہیں۔

وارسل ابومسلم المروزی صاحب الدولۃ الی جعفر الصادق علیہ السلام قال انی دعوت الناس الی موالات اھل البیت فان رغبت فیہ فانا ابایعک فاجابہ ما انت من رجال ولا الزمان زمانی ثم جاء ابومسلم بالکوفۃ وبایع السفاح۔

ابومسلم مروزی نے ایک مخصوص آدمی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا اور

یہ پیغام دیا کہ اگر آپ خلافت کو قبول کریں تو میں آپکی بیعت کرنے پر راضی ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ تم میرے شیعوں میں سے نہیں ہو اور نہ یہ زمانہ میری خلافت کا زمانہ ہے۔ پس ابو مسلم کوفہ گیا اور سفاح سے بیعت کر کے منصب امارت و خلافت کو اُس کے سپرد کیا۔ اراکین خلافت و منتظمین سلطنت کا قبول خلافت کے لیے اصرار پر اصرار اور حضرت امام بحق ناطق امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے انکار پر انکار تو تحریر بالا سے الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار ہوگیا۔ خوارج و نواصب دوست حضرات آنکھیں کھولکر دیکھیں کہ خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے امام کی شان۔ اُسکے استغنا۔ اور توکل کی یہ صورت ہوتی ہے۔ اگرچہ اُسکی ظاہری حالتوں سے غایت درجہ کا افلاس اور عسرت ظاہر ہوتی ہو مگر اُسکی طبیعت تیز۔ ہمتیں عالی۔ حوصلے وسیع۔ دست کرم کشادہ۔ پائے استقلال محکم ہوتے ہیں اور وہ پورا پورا ع فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور ہمتیں بھی سیر۔ کا مصداق ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے امارت پسند دولت و اقتدار اور ثروت ناپائدار کی ہزاروں دلربا اور دلکش تصویریں۔ ایک نہیں ہزار بار اُنکی خدمت میں پیش کریں تو کیا۔ اُنکی التفات کی نگاہیں۔ اُنکی توجہ کی نظریں کبھی جھوٹوں بھی اُنکی طرف مائل نہیں ہوتیں۔

دنیا کے پولٹیکل مذاق رکھنے والے حضرات ان موقعوں کو مغتنمات سے گنتے ہیں اور بڑے نصیبوں سے ایسے دن دنیا کو ہاتھ لگتے ہیں۔ یہی پرآشوبی کا زمانہ اور طوائف الملوکی کے ایام ایسے مستحکم ذریعے ہوتے ہیں جو شاہی خاندانوں کو اُنکے موروثی تخت سلطنت سے اُتار کر معمولی سے معمولی اور محض مجہول الاحوال آدمی کو تخت و تاج کا وارث بنا دیتے ہیں۔ ایسی مثالیں دنیا کے کارناموں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ہماری کتابوں کے ناظرین ابو سلمہ اور ابو مسلم کے وہ اختیار اور اقتدار جو اُس زمانہ میں اُنہیں حاصل تھے ایک طرف ملاحظہ فرمائیں پھر اُنکے ایسے اختیار یافتہ حضرات کے۔ قبول خلافت کے ملتجیانہ اصرار کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قطعی انکار کے ساتھ موازنہ کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس تخت سلطنت کو ایک بار نہیں کئی بار ٹھوکر ماردی ہے۔ جسکے آگے دنیا کے بڑے بڑے مشہور اور مقتدر امرا و سلاطین اپنے اپنے فرق نیاز خم کرتے تھے۔

علم تاریخ سے صحیح مذاق رکھنے والے حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوا کیا کسی دوسرے آدمی کا نام اس مثال میں پیش کرسکتے ہیں جسنے اپنے زمانہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرح ابو سلمہ اور ابو مسلم کے ایسے معزز اور مقتدر لوگوں کی درخواستوں کو یک قلم مسترد فرما دیا ہو اور اُنکی التجا اور استدعا پر کوئی اعتنا نہیں کی ہو دولت دنیا کے متمنی حضرات آپ کے ایسے انکار کو خلاف تدبر سمجھینگے مگر اُنکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اصل تدبر وہی ہے جو مدبر اللیل والنہار کے احکام کے مطابق ہو۔ اور جو تدبر اُسکے خلاف حکم ہو وہ اصل تدبر نہیں ہے بلکہ حرص اور طمع نفسانی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ہمکو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا انکار اور ایسا استرداد

ایسا استغنا اور ایسی احتیاط سوائے خاصان خدا اور مقربان بارگاہ رب العلا کے اور کسی دوسرے سے ممکن نہیں۔ دنیا کی عام طبیعتیں جبتک تائیدات و توفیقات الٰہی سے مؤید نہ ہولیں ایسے استغنا۔ قناعت اور توکل پر قادر نہیں ہو سکتیں۔ اور یہی اوصاف و محامد مخصوصہ ایسے ہیں جن سے امام منصوص من اللہ اور امیر منتخبین بالناس کی تمیز اور فرق مابہ الامتیاز پورے طور پر ہو سکتا ہے۔

مثال کے لئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ محض کے واقعات موجود ہیں۔ اگرچہ عبد اللہ بھی اُسی خاندان والا کی یادگار ہیں جس اسلاف طاہرہ کے امام جعفر صادق علیہ السلام مایۂ افتخار ہیں۔ مگر ان دونوں حضرات میں فرق تھا تو یہی کہ وہ مؤید اور منصوص من اللہ نہیں تھے۔ اور یہ مامور اور منصوص من اللہ تھے۔ اس لئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے قبول خلافت سے انکار کیا۔ آپ کے خلاف۔ عبد اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے میلان خاطر اور دلی رغبت دکھلائی۔ مجھ کو اس بحث سے جو دکھلانا مقصود تھا وہ یہی ہے کہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے ایسے عمدہ ترین موقع کو جس میں آپ تمام بلاد اسلامیہ کے فرمانروا تسلیم کئے جاتے تھے اپنے کمال استغنا سے کوئی چیز نہ سمجھا اور اُسکی طرف کوئی اعتنا نہ فرمائی۔ اسکی اصل وجہ یہی تھی کہ آپ اپنے موجودہ منصب رفیعہ اور مراتب جلیلہ کے آگے دنیاوی ثروت و اقتدار کو محض ہیچ اور بے بنیاد سمجھتے تھے۔ اور مسلی کوئی پروانہ فرماتے تھے۔ حضرت واہب العطایا کی عطیۂ امارت کے مقابلہ میں ابو مسلم کی تفویض امارت کو کوئی چیز نہ سمجھے۔ اس امارت اور سلطنت کے متعلق جو ہونیوالا تھا آپ کو اسکا پورا علم خدا کی طرف سے عنایت ہو چکا تھا اور وہ روز روشن کی طرح آپکی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے ایک دن ابو جعفر منصور کے مقابلہ میں محمد ابن عبد اللہ الملقب بہ نفس زکیہ سے جو حصول خلافت کی کوششوں میں شروع ہی سے مصروف تھے کھل کھل کر کہدیا تھا کہ یہ امر بنی ہاشم میں سے کسی کے لئے واقع نہیں ہوگا۔ یہ امر خاص اولاد عباس کا حصہ ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

ان محمد الملقب بالنفس الزکیة ابن عبد اللہ المحض فی اواخر دولت بنی امیة اراد و مبایعه محمد واخیه وارسل الی جعفر لیبایعهما فامتنع فاتھم انه یحسدھا فقال یا ابن عم لا اکثر نصیحة للمسلمین فکیف اکتم نصیحتکم واللہ لیست الخلافة لی ولا لھما انھا لصاحب القباء الاصفر ولیعلبن بھا صبیانھم وغلمانھم وکان المنصور العباس حاضرا و علیه قباء اصفا فکان ماقال جعفر الصادق رضی اللہ عنه۔

محمد الملقب بالنفس الزکیہ ابن عبد اللہ المحض نے سلطنت بنی اُمیہ کے آخر ایام میں یہ ارادہ کیا کہ بنی ہاشم ہمارے اور محمد ہمارے بھائی کی بیعت اختیار کریں۔ اس لئے اُنہوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھی اپنی بیعت کرنے کے پیغام بھیجے۔ آپنے انکار فرمایا اور محمد نے حاضر خدمت

ہو کر عرض کی کہ آپ بوجہ حسد کے ہماری بیعت نہیں کرتے۔ آپ نے اُن کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یا ابن عم
جب میں تمام اہل اسلام کو اپنی نصیحت سے دریغ نہیں کر سکتا تو پھر تم سے کیونکر اپنی نصیحت دریغ کر سکتا
ہوں۔ خدا کی قسم۔ امر خلافت نہ تمہارے لئے ہے نہ ہمارے لئے بلکہ اس زرد قبا والے کا حصہ ہے۔ اسکے
لڑکے اس کے جوان اُس سے کھیلینگے۔ منصور عباسی اُس صحبت میں حاضر تھا اور زرد عبا پہنے ہوئے تھا
پس جیسا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔
اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ جو کچھ اس امر خلافت و امارت کے متعلق ہونیوالا تھا وہ قبل ہی سے آپکو
معلوم تھا۔ اس لئے آپ نے اُس سے انکار کیا۔ اور عبداللہ محض وغیرہ کو بھی اسکے اختیار کرنے سے
منع فرمایا۔ یہاں تک کہ اُن کو انکے تمام مصائب و شدائد کے صحیح صحیح حال جو اس فتنہ و فساد کی وجہ
سے اُن پر گزرنیوالے تھے اُنکو بتلا دئے۔ اور اُنکی سچی تصویریں اُنکو دکھلا دیں۔ مگر وہ نہ مانے اور اپنے
ارادوں پر اصرار کرتے رہے۔ آخر وہ تمام باتیں ایک ایک کر کے اُسی طرح ظاہر ہوئیں جیسی کہ آپ نے
ارشاد فرمائی تھیں۔ تمام واقعات عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔

عبداللہ ابن محمد السفاح کی سلطنت

بہر حال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ ابو سلمہ
ابھی کوفہ میں اپنے مدینہ والے خطوں کے جوابوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اور قاصد مدینہ ہنوز واپس نہیں
آیا تھا کہ ابراہیم کی وفات کی خبر کوفہ میں تحقیق طور پر معلوم ہو گئی۔ عباسیوں کو اس خبر سے سخت انتشار
و اضطرار لاحق حال ہوا۔ ابو سلمہ ابھی تک امر خلافت میں مشتبہ تھا اور جواب مدینہ کا انتظار کر رہا تھا کہ
یکایک متابعان ابو مسلم اور ہوا خواہان بنی عباس نے بلا اجازت و مشورت ابی سلمہ عبداللہ السفاح کے
ہاتھ پر بیعت کر لی اور دفعتاً اُسکو امت اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کر لیا۔ روضۃ الصفا جلد ۳۔

بنی حسن کے مقابلہ میں بنی عباس کی مدبرانہ چالیں

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی عباس کی طرح بنو حسن بھی دعویدار خلافت تھے۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جب
بنی امیہ آپس کی خانہ جنگیوں میں اُلجھے ہوئے تھے اپنی امارت کی فکریں کر رہے تھے۔ اگر اولاد عباس
کی پوشیدہ دعوت خراسان اور اُسکے مضافات میں ہو رہی تھی تو آل حسن کی خفیہ بیعت بھی خاص مدینہ
اور اُسکے اطراف میں لی جا رہی تھی۔ اگر ابو سلمہ اور ابو مسلم نے خلافت و امارت کے لئے بنی عباس کو نامزد
کیا تھا تو اُسی امر کے لئے انکے پاس بھی خط لکھے تھے اور استدعا کی تھی۔
غرض ان تمام قرینوں سے دونوں گروہ کے لوگ برابر کے دعویدار تھے اور جانبین سے حصول مقاصد کے لئے

کوششیں ہو رہی تھیں۔ مگر نہیں معلوم پھر کیا ہوا کہ ساری دنیا نے اولاد عباس کی بیعت کر لی اور بنی حسن برابر کے حریف اور پہلو کے رقیب منہہ دیکھتے ہی کے دیکھتے رہ گئے۔ اور چوں نہ کر سکے۔ جب ہم اس سکوت اور خموشی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ یہ سکوت تسلیمی تھا اور آپس کے مشورے اور صلاح سے اختیار کیا گیا تھا۔

کیفیت یہ ہے کہ جب عباسیوں کو معلوم ہوا کہ ابوسلمہ اور ابو مسلم نے بنی عباسیوں کی جگہ بنی فاطمہ کو نامزد کیا ہے۔ انکو خط لکھے ہیں اور بلایا ہے تو ان میں سخت انتشار پیدا ہوا۔ عبداللہ سفاح جو ان میں نہایت ہوشیار اور بیدار مغز تھا۔ سوچا کہ بنی فاطمہ کے ملائے بغیر کام نہیں چلتا۔ ان بزرگواروں میں اس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے پورا اطمینان تھا کہ آپ اسکی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائیں گے۔ عمر الاشرف کی نسبت بھی اسے یقین تھا کہ وہ اپنے گوشۂ عزلت سے باہر نہ نکلیں گے۔ اسکو جو کچھ اندیشہ تھا وہ عبداللہ محض اور انکے صاحبزادے حسن الملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم کی طرف سے۔ عبداللہ سفاح پر کیا منحصر ہے۔ تمام بنی عباس اور بنی ہاشم پر ظاہر تھا کہ یہ حضرات امارت کے لئے بلیغ کوششیں کر رہے ہیں۔ ان وجہوں سے انکا ملا لینا از حد مفید اور ضروری سمجھا گیا۔ سفاح نے اپنے چھوٹے بھائی منصور کے مشورے سے انکے پاس آدمی بھیجکر بہت سے وعدے وعید کر کے ان لوگوں کو کم سے کم اتنا تو ضرور راضی کر لیا کہ سفاح کی بیعت کوفہ میں ہو گئی۔ اور یہ اپنے مقام پر خاموش بیٹھے رہے۔ اور اپنی امارت کا اعلان مدینہ میں نہ کر سکے۔

تمام اہل اسلام نے انکے سکوت کو انکی عین رضامندی سمجھکر بنی عباسیوں کی بیعت میں لب نہ ہلایا اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی عباس کی امارت اس آسانی اور اطمینان سے کوفہ میں تسلیم کر لی گئی۔ اور وہ بغیر کسی عذر کے ممالک اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔ مگر آگے چلکر بنی عباس اپنے وعدے کو وفا نہ کر سکے اور اپنی شرط پر قائم نہ رہے جس کی وجہ سے منصور کے زمانۂ سلطنت میں محمد نفس زکیہ اور ابراہیم نے خروج بالسیف کیا جس کی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگی۔

ابوسلمہ کی بد اقبالی

عبداللہ السفاح کی کوفہ میں بیعت ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۲ھ میں کی گئی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابو العباس کی بیعت ابوسلمہ کی لاعلمی میں واقع ہوئی کیونکہ ابوسلمہ قاصد مدینہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اسکی خواہش تھی کہ اگر بنو فاطمہ اس منصب کو قبول فرمائیں تو انکو بنو عباس پر ضرور ترجیح دی جائے۔ عمائد بنی عباس مثل سفاح اور منصور وغیرہ اسکے مرکوز خاطر کو سمجھ چکے تھے اس لئے انہوں نے حسن ابن قحطبہ ابو الجہم۔ موسے ابن کعب اور ابو حمید کو جو لشکر ہائے عراق اور فارس کے سرآوردہ اور نامبردہ سردار تھے۔

اوران لوگوں کو اپنے حصول مقاصد میں اپنا ہمداستان و ہمزبان بنا لیا۔ دونوں مقاموں کی فوج اور اُسکے سردار باتفاق خود ہا اُنکی خلافت پر راضی ہوگئے تو ان لوگوں نے ابوسلمہ کے آنے نہ آنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور بیعت ہوجانے اور خلافت ملجانے کی عجلت نے اتنی تاخیر کو غیر ضروری سمجھکر اُسکے آنے کے انتظار کی اجازت نہ دی۔ جلدی سے اسکی بیعت ہو گئی۔

جب سفاح کی تخت نشینی کی خبر ابوسلمہ کو ملی تو وہ تن تنہا نئے خلیفہ کے سلام کے لیے حاضر ہوا۔ اُس وقت تمام لشکر کے رؤسا و امرا آستان خلافت پر جمع تھے۔ بہر حال۔ جب ابوسلمہ دربار خلافت کے باب عالی پر پہنچا تو دربانوں نے اندر جانے سے منع کیا۔

اس سے بڑھکر دنیا کے نیرنگ اور کیا ہونگے۔ اس سے چند روز پہلے ابوسلمہ کی ثروت و اقتدار اور قوت و اختیار کی کیا صورت تھی۔ عراق کا تمام لشکر اُسکے زیر فرمان تھا۔ حسن ابن قحطبہ کی فرستادہ خراسانی فوج بھی اسی کی مطیع تھی۔ تمام آل عباس مروان کے خوف سے اسی کے دامن عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور اُسی کے مراحم و اشفاق کو اپنے حصول مقاصد کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ آج دم کے دم میں اسکے عزت و اقتدار کی کایا پلٹ ہوکر اُسکی ذلت اور ادبار کی یہ حالت ہوئی کہ وہ اپنے مقام سے اپنے فرمانروا کی خدمت میں یک بینی و دو گوش تنہا جارہا ہے جسکو بروایت روضۃ الصفا آج چالیس روز سے اپنے گھر میں چھپائے ہوئے تھا۔ آج اُسکے ساتھ نہ رفیقوں کا ہجوم ہے اور نہ ندیموں کا جُھرمٹ۔ وہ ہے اور اُسکی تلوار۔ دروازے پر پہنچتا ہے تو معمولی درجہ کے دربان اُسکو اندر جانے سے منع کرتے ہیں اور پاس جانے نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ دربان وہی لوگ ہیں جن کو اسی نے قلیل اور معمولی تنخواہوں پر نوکر رکھا ہے بلکہ یا کل اقبال تھا تو سب کچھ تھا اور آج ادبار ہے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کا عروج و زوال دریا کے جزر و مد کی مثال ہے کہ طرفۃ العین میں کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ ابوالجہم کا حکم اُسکی اس ذلت کا باعث ہوا تھا اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ ابوالجہم لشکر عراق میں ایک مشہور و معروف سردار تھا۔ اور فی الحال بنی عباس کا بہت بڑا خیر خواہ۔ ابوسلمہ کے آنے کی خبر پاکر باب عالی سے باہر آیا اور دربانوں سے کہنے لگا کہ تم لوگ اس وقت سے خلیفہ عصر (السفاح) کے ملازم ہو۔ پس اُسی کے حکم کے مطیع و منقاد بنے رہو اور کسی شخص کو عام اس سے کہ وہ کسی مرتبہ اور منصب کا ہو۔ اُسکی اجازت کے بغیر اندر نہ آنے دو۔ یہی وجہ تھی کہ دربانوں نے ابوسلمہ کو اندر جانے سے منع کردیا اور جانے کی اجازت بھی دی تو تنہا۔ اس لئے ابوسلمہ کے مخصوصین دروازے پر روکدئے گئے اور ابوسلمہ تن تنہا خلیفہ عصر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ابوسلمہ بھی بہت بڑا تجربہ کار اور ہوشیار مدبر تھا موقع وقت اور مصلحت زمانہ کو فوراً پہچان گیا اور اپنی جان و مال کے استحفاظ کو اپنے تمام امور سے مقدم سمجھکر اُن کا رروائیوں پر کچھ تعرض نہ کرسکا خلیفہ کی خدمت میں گیا۔ اور خلیفہ کو خلافت کی تہنیت دی۔ ابوحمید طوسی جو اہل خراسان

کا سردار تھا تعریضاً اُسکی تہنیت کے جواب میں کہنے لگا علی رغم انفك (تمہاری ناک رگڑے جانے کے بعد) ابو حمید کے اس طعن کا اشارہ ابو سلمہ کے اُن مراسلات کی طرف تھا جو اُسنے بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کے ساتھ جاری کی تھی۔ السفاح نے ابو حمید کی اس تعریض کو خلاف مصلحت سمجھا اور اُس سے کہا کہ ابو سلمہ کے ساتھ اس قسم کی تعریض مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کے بہت سے حقوق ہمارے ذمہ ہیں۔

یہ کہکر ابو سلمہ سے سفاح نے کہا کہ آپ اس وقت اپنے دولت خانہ پر تشریف لیجائیں اور کل صبح کو مردم کوفہ کے ہمراہ مسجد جامع میں تجدید بیعت کرنیکے لئے بار دگر زحمت گوارا فرمائیں۔

مسجد کوفہ میں بنی عباس کا پہلا خطبہ

دوسرے دن علی الصباح ابو العباس السفاح دار الامارہ سے نکلا اور مسجد جامع میں نہایت شان و تجمل سے داخل ہوکر بخلاف عادت بنی امیہ منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا۔ پہلے خدا کی حمد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت بیان فرمائی۔ پھر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ منبر پر گیا۔ نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ مگر چونکہ دو تین روز پہلے سے بیمار تھا اس لئے ضعف و نقاہت نے منبر پر زیادہ کھڑے رہنے سے مجبور کردیا۔ آخر الامر بیٹھ گیا۔ اُس کے بھائی داؤد ابن محمد نے کھڑے ہوکر حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ایہا الناس۔ آپ تمام حضرات کو معلوم ہے کہ اس منبر پر بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی خلیفہ نے پاؤں نہیں رکھا۔ سوائے جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام یا موجودہ امام کے جو اس وقت تمہارے پیش نظر ہے۔ اب آپ حضرات واقف ہوں کہ امر خلافت اب ہمارے خانوادے میں آیا ہے۔ یہ امر ہمیشہ اُس وقت تک ہمارے گھر سے باہر نہ جائیگا جب تک کہ جناب عیسےٰ مریم علے نبینا و علیہ السلام آسمان سے زمین کی طرف نزول نہ فرمائیں گے۔

داؤد کی اس تقریر سے کیا غرض تھی اور خصوصاً اس فقرہ سے کہ "از میان ما بیروں نرود تا آں زمان کہ عیسےٰ از آسمان نزول فرماید" اُسکا کیا مقصود تھا۔ اُسکی غرض ظاہر اور مدعا روشن ہے۔ وہ اپنی امارت اُس حقانی اور روحانی ولایت و امامت سے تعبیر کراتا ہے جس کے استقرار اور قیام کے لئے جناب مخبر صادق صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیام قیامت اور نزول عیسےٰ تک کی میعاد کی سچی اور صحیح بشارت پہنچائی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس نے آل محمد کی امامت سے اپنی امارت مراد لیکر دنیا کو ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت کی آڑ میں اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہا تھا۔ اور رضائے آل محمد کے مجمل کلمہ سے یہی عالم فریبی مراد تھی۔ ورنہ بنی عباس گر بہت ہونگے تو بنو ہاشم یا آل عبد المطلب۔ بنی فاطمہ یا آل محمد تو کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ آل محمد کے مقدس طبقہ میں سوائے بنی فاطمہ کے کوئی دوسرا قبیلہ

یا عشیرہ عقلاً یا نقلاً داخل نہیں ہوسکتا۔
بنی عباس نے انہیں حضرات کے ساتھ شامل رہنے میں اپنی کامیابی کی صورت نکلتی دیکھی کیونکہ اگر
وہ تفریق کرتے اور اپنے کو ان بزرگواروں سے جدا کرتے تو سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہوجاتا۔ اس لئے
آل محمد کے مجمل کلمہ سے اپنا کام نکالا گیا اور اہل اسلام کے عام دلوں کو اپنی جانب مائل کیا گیا۔ اور تمام لوگوں
نے عام طور سے آل محمد کی حمایت اور اعانت کا اعتبار کرکے انکا ساتھ دیا اور انکی اطاعت کرلی۔
اس وقت بھی اگرچہ انکے امور مرتب اور درست ہوگئے تھے اور انکے دست مدعا شاہد تمنا تک پہنچ چکے تھے۔
السفاح کی عام بیعت ہوگئی۔ مسجد جامع میں خطبہ بھی انہیں کے نام کا پڑھا گیا۔ غرض ہر طرح سے انتظامی حالت
درست ہوگئی تھی۔ مگر تاہم یہ اپنے راز کے افشاء کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اور جن عالم فریبیوں سے یہ کامل بیس
برس سے کام لے رہے تھے انکو اٹھا کر اپنی قوت اور اقتدار کے ذریعہ سے کسی نئے اور جدید طریقہ سے کام
لینا نہیں چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ابھی ہماری قوت و اقتدار اور ثروت و اختیار کی ابتدا ہی ابتدا ہے
جسکا اثر کامل طور سے عام قلوب پر نہیں ہوا ہے۔ اگر وہ فوراً اس طریقہ کو ہٹا کر کسی جدید طریقہ پر چلائے
جائینگے اور وہ اصول جس پر اُن کی دعوت کی گئی ہے کسی تازہ اصول کے مقابلہ میں غلط ٹھہرایا جائیگا تو عموماً
ملک میں غدر اور فساد کا کامل یقین ہوجائیگا۔
انہیں امور پر غور کرکے داؤد ابھی تک اپنی قدیم پولیسی پر قائم رہا اور دنیا کو اس وقت تک یہی بتلاتا رہا کہ ہم
اور آل محمدؐ ایک ہیں جیسا کہ اسکے اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسنے اپنی امارت کو جناب امیر المومنین علی
علیہ السلام کی امامت کا مساوی اور مماثل ٹھہرایا۔ اور اپنے دعوے میں اپنی خلافت کو بھی اُسی طرح حق
ثابت کیا جس طرح آپ کی خلافت۔ اور آخر تقریر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق اپنی
امارت کو امامت حقہ سے تعبیر کرکے قیام قیامت اور نزول عیسیٰ تک قائم رہنا ثابت کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ
داؤد کی اس تقریر کا تمام و کمال مقصود یہ تھا کہ جس خلافت حقہ اور امامت مخصوصہ کی خبریں احکام متواترہ
اور ارشاد متکاثرہ سے ثابت ہیں وہ ہماری ہی خلافت ہے۔ عوام کالانعام کو شبہہ میں ڈالنے اور فریب میں
لانے کی غرض سے سب سے سہل ذریعہ جو انہیں ہاتھ آیا وہ آل محمد کا مجمل لفظ تھا۔ جس میں وہ خواہ مخواہ اپنے آپ
کو داخل کئے دیتے تھے۔ مگر یہ عالم فریبی انہیں لوگوں تک محدود تھی جو آل محمد علیہم السلام کے اصلی اور
حقیقی بزرگواروں کی معرفت کلی نہیں رکھتے تھے۔ اور اُن کے خلاف جو صاحبان بصیرت اور واقفان
حقیقت تھے۔ جو ان بزرگواروں کی پوری معرفت رکھتے تھے۔ وہ اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے نہایت خموشی
سے انکی حق فراموشی اور گندم نما جو فروشی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انکی ابلہ فریبیوں میں نہ آنیوالے تھے۔ نہ آئے
اور انکے ثروت و اقتدار کو ناقابل اعتبار سمجھکر حسب الامر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تتفرقوا اُنہیں
ذوات مقدسہ کی خدمات میں اپنی عقیدت کے سر جھکائے رہے۔ جو حجۃ اللہ علے اہل الدنیا و عروۃ الوثقے

کے اصلی اور حقیقی مفہوم تھے۔

ابوسلمہ سے بنی عباسیوں کی مخالفت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ آل محمد کے ساتھ بنی عباس کا یہ تمسک انکے حصول مدعا تک منحصر تھا اور انکا اس لقب مبارک کے ساتھ خلوص نسبتی صرف انکی خود غرضی کی بدولت تھا۔ جب تک وہ اپنے مدعا پر فائز نہیں ہوئے تھے وہ اس مبارک نسبت کے ساتھ اپنے خلوص اور یکجہتی کا دم بھرتے تھے۔ مگر ادھر وہ شاہد تمنا سے ہمکنار ہوئے ادھر اس تمام خلوص و اتحاد کو الفراق کہکر رخصت کیا۔ اور پھر کبھی جھوٹوں بھی ان تعلقات کا نام نہ لیا بلکہ برعکس اسکے ان حضرات اور انکے متابعین و ذریات کے ساتھ وہ مخالفت دکھلائی اور ان کو ایسی ایسی شدید مصیبتوں میں مبتلا کیا اور ایسی ایسی بیرحمیوں سے انہیں قتل کیا کہ بارہ سو برسوں کے بعد بھی آج ان مظالم کو سنتے ہوئے یا بیان کرتے ہوئے انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے مظالم تمام تاریخوں میں لکھے ہیں۔ اور ہمارے سلسلۂ بیان میں تو اس جلد سے لیکر انشاءاللہ بارھویں جلد تک اپنے اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کئے جائینگے۔

غرضکہ آل محمد کے ساتھ بنی عباس کے مظالم اور شدائد انکو اقارب کالعقارب فدواذاھا کا پورا پورا مصداق ثابت کرتے ہیں۔ اور انکی ظالمانہ حرکات کے اعتبار سے انکو سلاطین امویہ کا پورا قائم مقام اور جانشین ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ ان واقعات کو پڑھکر ایک انصاف دوست اور منصف مزاج محقق شرط عدالت پر قائم رہکر ان بیگانوں کے مقابلہ میں ان یگانوں کے مظالم کو زیادہ حیرت اور استعجاب کی نگاہوں سے دیکھیگا۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ بنی عباس نے تخت امارت پر بیٹھتے ہی اپنی حفظ سلطنت کے لئے وہی اصول قائم رکھے جو سلاطین بنی امیہ نے اپنے استحکام سلطنت کے واسطے تجویز کئے تھے۔ ان امور میں وہ بنی امیہ کے پورے مقلد نکلے۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جاوے تو یہ بھی ثابت ہو جاویگا کہ یہ مقلدین ان امور میں اپنے مقتداؤں سے اٹکل دو اٹکل کیا ہاتھ دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔

تخت امارت پر قدم جماتے ہی ان حضرات نے خاص طور پر ایسے لوگوں کا استیصال کرنا شروع کر دیا جو حقوق اہلبیت کے مؤید تھے۔ یا آل محمد کے خیرخواہ۔ یا کم سے کم وہ لوگ تباہ۔ برباد اور قتل کئے گئے جن پر ان حضرات کے خلوص و محبت کا شبہہ ہوتا تھا جیسا کہ ابوسلمہ اور ابومسلم کے واقعات سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے۔

جب سفاح کو عراق کے انتظام سے فراغت ہو گئی تو اسنے مروان حمار پر چڑھائی کر دی۔

مروان الحمار کی شکست

مروان عباسیوں کے مقابلہ سے غافل نہیں تھا۔ اس نے ایک لاکھ جرار فوج سے مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مقام زاب

پر واقع ہوئی۔ جانبین کے مقابلہ کے بعد فوراً مروان کی فوج میں انتشار پیدا ہوگیا۔ اتنی بڑی فوج میں اتنا جلدی شکست کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اس کی کیا وجہ۔ سوائے بداقبالی اور ادبار کے اسکا اور کیا باعث بتلایا جاسکتا ہے۔

صاحب روضۃ الصفا اپنے اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب جانبین کے لشکر آراستہ ہوکر مقابلہ پر آگئے تو مروان لشکر سے علٰحدہ ہوکر استنجہ کی ضرورت سے ایک گوشہ میں چلا گیا۔ گھوڑے کو کھڑا کردیا۔ اتفاق وقت سے گھوڑا بھاگ نکلا۔ گھوڑے کا خالی زین پاکر فوج نے سمجھا کہ سردار فوج مارا گیا۔ پھر کیا تھا یہ چل وہ چل دم کے دم میں سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ چنانچہ مروان کی نسبت اُسی وقت سے عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی ذھب اللہ ولہ ببولہ اُسکی دولت پیشاب کے ساتھ نکل گئی۔

غنیم کو بھاگتا دیکھا بنی عباس کے لشکر نے اُنپر خوب ہاتھ صاف کئے۔ اور جی بھر بھر کر اُنکے مال و متاع کو لوٹا۔ قوم بنی امیہ کو بہت بُرا دن دیکھنا ہوا۔ اور بڑی سخت بلا سے سامنا ہوا۔ جو مارے گئے وہ مارے گئے جو بچ گئے وہ بھاگے۔ مگر بھاگنے سے بھی اُنکی جانیں نہ بچیں۔ ان فراریوں نے اپنے اضطراب کے عالم میں یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم کدھر بھاگے ہیں۔ بھاگتے چلے تو گئے۔ مگر تھوڑی دور آگے جاکر دریائے فرات یکایک اُن کے سد راہ ہوگیا۔ اور پیچھے سے غنیم تعاقب کرتا ہوا سر پر آدھمکا۔ اس گھبراہٹ میں وہ مضطرب الاحوال دریا میں کود پڑے اور اُنکے ہزاروں آدمی دریا میں اُسی طرح غرق ہوگئے۔ اُنہیں ڈوبنے والوں میں ابراہیم ابن ولید ابن عبدالملک بھی تھا۔ جو چھ مہینہ تک خلیفہ بن چکا تھا۔ عبداللہ ابن علی جو اُس وقت اُنکے تعاقب میں سرگرم تھا اُن کو ڈوبتا ہوا دیکھکر یہ آیہ وافی ہدایہ تلاوت کرنے لگا واذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون ۝

مارے جانے والوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ مگر تمام تاریخوں میں اتنا ضرور لکھا ہے کہ مروان کی ایک لاکھ فوج میں بہت کم آدمی ایسے تھے جو جانبر ہوسکے۔ اس لڑائی میں عباسیوں کو بنی امیہ پر فتح کامل حاصل ہوئی۔ اور کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا۔ جب سفاح کو اپنی فتحیابی کا مژدہ ملا تو وہ یہ آیہ وافی ہدایہ پڑھتا ہوا سجدۂ شکر میں خم ہوگیا وقتل داؤد جالوت واتاہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔

مروان کی اخیر داستان

اب مروان کی اخیر داستان یہ ہے کہ مقام زاب سے بھاگ کر شہر موصل میں آیا۔ بداقبالی تو سر پر ناچ رہی تھی۔ عامل موصل نے شہر میں آنے بھی نہ دیا۔ مروان مجبور ہوکر شہر حرّان کی طرف چلا گیا اور وہاں سے ممالک افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔

سفاح نے ابوعون کو مروان کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ بھی اسکے نشان قدم پر برابر سراغ لگاتا ہوا چلا ہی گیا۔

جب حرّان میں مروان کے افریقہ چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو یہ بھی بعجلت تمام بحر عرب کے ساحل تک پہنچا۔ اتفاق وقت سے مروان اُسی وقت کشتی پر سوار ہو رہا تھا۔ عامر ابن اسمٰعیل جو اُس کے مخصوصین میں تھا اس امر کی خبر پاکر مروان کے ساتھ اُسی کشتی پر بیٹھ گیا۔ کشتی کھُل گئی۔ جب مروان ممالک افریقہ میں پہنچکر دریائے نیل سے پار اُترا تو اسمٰعیل بھی ساتھ تھا۔ صعوبت سفر سے خستہ ہوکر مروان ایک مقام پر سو گیا۔ اسمٰعیل نے فرصت پاکر اُسکا سر کاٹ لیا اور سلاطین بنی امیہ کے آخر بادشاہ کا خاتمہ کر دیا۔ عباسیوں کو سلطنت کے ساتھ ہی بنی امیہ کی تمام مال و دولت بھی ملی جسے وہ برسوں سے جمع کر رہے تھے۔ خصوصًا محمد ابن عبد الملک ابن مروان و عمر ابن یزید ابن عبد الملک اور عبد الواحد ابن سلیمان ابن عبد الملک کا تمام اندوختہ جو قوم بنی امیہ میں سب سے زیادہ صاحب پایہ و مایہ تھے ان کے قبضہ میں آگیا۔

بنی اُمیّہ کا قتل عام

اس کے بعد السفاح نے بنی امیّہ کے قتل کئے جانے کا حکم عام دیدیا۔ قبیلہ کے قبیلے اور عشیرہ کے عشیرے تباہ و برباد کر دئے گئے۔ اُسکے صرف ایک عامل سلیمان ابن علی نے تنہا کوفہ میں تمام بنی امیّہ کی آبادی کو غارت کر دیا اور اُن میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا۔ ان میں سے بعض سخت جان بنی امیّہ اپنی جان بچانے کی غرض سے السفاح کے ساتھ رہکر ہر وقت و ہر لحظہ اُسکی خوشامد اور چاپلوسی میں بسر کرنے لگے۔ یہ اُس وقت تک بچے چلے آتے تھے مگر پھر کچھ دنوں آگے چل کر وہ بھی عباسیوں کے انتقام سے نہ بچے نہ بچے۔ ان لوگوں کے مارے جانے کی کیفیت یہ ہوئی کہ یہ لوگ حسب معمول السفاح کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ شبل ابن عبد اللہ جو بنی ہاشم کے غلاموں میں تھا۔ حاضر تھا۔ اُسنے یہ شعر نظم کرکے پڑھا جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ بنی عباس بنی امیّہ کے ملک و مال پر متصرف ہوکر بھی اب تک غافل بیٹھے ہیں۔ نہایت تعجب ہے۔ جن بنی امیہ نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ سفّاح یہ شعر سنکر مارے غیظ و غضب کے اپنے آپ میں نہ رہا۔ اُسنے حکم دیا کہ تمام بنی امیّہ کے ہاتھ پیروں میں لکڑیاں باندھکر لٹا دئے جائیں اور اُنہیں پر فرش کرکے بیٹھیں اور کھانا کھائیں۔ تاریخوں کا بیان ہے کہ حاضرین بنی امیّہ کی تعداد ستّر آدمی تھے۔ وہ سب کے سب حسب الحکم شکنجۂ سیاست میں کھینچے گئے اور باندھکر ڈالدئے گئے۔ اُن پر فرش کیا گیا اور سفاح نے اپنے رفقا کے ساتھ اُنکی چھاتیوں پر چڑھ چڑھ کر باطمینان تمام کھانا کھایا۔ زیر فرش اُن کے کراہنے اور پھڑکنے اور درد و شدت سے تڑپنے کی جانکاہ آوازیں برابر آتی تھیں۔ مگر وہ اُن کی دردناک آواز کی طرف مطلق شنوا نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جماعت کی جماعت اُسی دم خفگی کی حالت میں فنا ہو گئی۔ اِسکے ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہ تو زندوں کی کیفیت تھی۔ مُردوں کی یہ حالت کی گئی کہ السفاح نے

عبد اللہ ابن علی کو حکم دیا کہ سلاطین بنی امیہ کے مقبرے کھود ڈالے جائیں اور اُن میں جو کچھ پاؤ اُسکو برباد کردو۔ عبد اللہ نے حسب الہدایت سارے مقبرے کھود ڈالے۔ معاویہ ابن ابو سفیان اور یزید ابن معویہ کی قبروں میں سوائے خاک کے کچھ بھی نہ پایا گیا۔ ہشام ابن عبد الملک کی لاش صحیح پائی گئی کیونکہ اُسکو روغن زیت میں مل کر مدفون کیا تھا ہشام کی لاش کو منظر عام میں لٹکا کر اس کثرت سے دُرّے لگائے گئے کہ اُسکے تمام اعضا اپنے جوڑ سے ٹوٹ ٹوٹ کر ٹپک پڑے۔ پھر ان ٹپکے ہوئے اعضا کو ایک جگہ جمع کر کے جلادیا اور اُنکی راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا۔ ان لوگوں میں صرف عمر ابن عبد العزیز کی لاش کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اُسکے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ مقتولین بنی امیہ کی آخر نوبت مؤرخ ابو الفدا کے مطابق یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اُنکی لاشیں گلی۔ کوچوں۔ مزبلوں اور بیرون شہر مقاموں پر نا پرساں پڑی ہوئی تھیں اور کتے اور دیگر مردم خوار جانور اُنہیں نوچتے پھرتے تھے۔ اور گھسیٹتے پھرتے تھے۔ غرضکہ کوئی شخص اکابر وعمائد بنی امیہ سے ایسا نہ بچا۔ مگر چند دودھ پیتے ہوئے بچّے یا وہ لوگ جو ممالک اندلس (اسپین) کی طرف پہلے نکل گئے تھے۔

بنی امیہ کی معافی

عرصہ تک بنی امیہ اسی حالت میں پریشاں حال رہے۔ آخر کار عمر ابن معویہ ابن عمر ابن سفیان سلیمان ابن عبد اللہ ابن عباس کے پیروں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ اب تو ہماری پریشاں حالی اور پائمالی کی یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ اطراف عالم میں امن وامان کہاں۔ ہمکو تو اب چھپنے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔ عمر کی یہ روداد سنکر سلیمان کا دل پسیج گیا اور اُسنے سفاح سے سفارش کر کے بنی امیہ کی قتل و غارت کا حکم منسوخ کرا دیا۔

ابو سلمہ کی بد اقبالی کے آخر نتیجے

عباسیوں کی خلافت قائم ہونے اور اُنکے خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کئے جانے کے متعلق جہاں تک ضروری حالات تھے وہ تمام وکمال لکھدئے گئے۔ ان احوال کو پڑھکر ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ بنی عباس نے اپنے حصول مقاصد کی ابتدائی کوششوں میں اولاد علی و فاطمہ علیہما السلام سے اپنا پورا خلوص و اتحاد ظاہر کیا۔ مقام ابوا کے شروع مشورے سے لیکر ابو سلمہ اور ابو مسلم کے مراسلات تک ان لوگوں نے تمام اہل اسلام کے سامنے اسی یکجہتی اور اتفاق کا دعوے کیا تھا۔ اور عوام کو رضائے آل محمدؐ کی مجموعی صورت دکھلا کر اپنے حقوق کا مؤید اور شریک بنایا تھا۔ اور عامۃ المسلمین کے قلوب کو یہ تبلا تبلا کر تسخیر کر لیا تھا کہ ہم موجودہ سلاطین جبار اور مخالفین اہلبیت اطہار سلام اللہ علیہم من رب الکبار سے جو کسی طرح امر خلافت وامامت کے قابل نہیں ہیں۔ یہ امور منتزع کر کے پھر اُنہیں اصلی حقداروں کی طرف منتقل کر دینگے جو

بسن جانب اللہ اسکے لئے منصوب ہو چکے ہیں۔
یہی مخفی ترکیبیں تھیں جن کی وجہ سے عباسیوں کو آنًا فانًا اتنی بڑی سلطنت مل گئی۔ اور تمام اسلامی دنیا اُنکی طرف ہو گئی۔ ورنہ قبل اس کے انکے ابتدائی حالات میں ہم دکھلا آئے ہیں کہ انکی پریشان حالی تنگدستی اور غیر اطمینانی کی بھی وہی حالت تھی جو اور بنی ہاشم کی۔ یہ بھی حقیقت میں انہیں خاصان خدا کا ایک فیض تھا جس نے اپنے طفیل میں انکے مقاصد ومطالب کی ڈگمگاتی کشتی کو عام خونریزی اور جنگ و جدال کے طوفان خیز دریا سے نکال کر ساحل مقصود تک پہنچا دیا۔ ہم نے جہاں تک عباسیوں کے اس خلوص واتحاد کی نسبت غور کیا ہے ہمکو یہ ثابت ہوا ہے کہ حضرات بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ انکے اتفاق واختصاص جو انہوں نے دنیا کو دکھلایا وہ صرف ضرورت وقتی۔ خود غرضی اور اپنے کام نکالنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھے۔
تحقیق کی نظر سے دیکھا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ ابتدا ہی سے بنی عباس مدعائے اہلبیت علیہم السلام کے مخالف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہماری حکومت میں ہمارا کوئی گھروالا شریک ہو۔ مثال کے لئے دیکھو عبداللہ ابن معویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کے واقعات۔ باوجودیکہ عبداللہ نے عباسیوں کے ساتھ ایران میں کیسے کیسے محاسن سلوک کئے اور قرابتداری۔ صلہ رحم اور عزیزداری کی رعایتوں سے انکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر کیا۔ جب اُنکی بداقبالی کا زمانہ آگیا تو یہ فورًا دامن جھاڑ کر علٰحدہ ہو گئے۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ یہ غریب سادات ابومسلم کے حکم سے قتل کئے گئے جو عباسیوں کا اُس وقت ساعد یمین بنا ہوا تھا۔ اگر عباسیوں کو کچھ بھی اپنے ان وطن آوارہ بھائیوں سے ہمدردی ہوتی تو وہ کبھی اس غربت اور تنہائی کی حالت میں خصوصًا ابومسلم اپنے مدارالمہام اور دستور معظم کے ہاتھوں انکا خون ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ضرور تھا کہ ابومسلم کو اُنکے قتل سے باز رکھتے۔ مگر ابومسلم تو صرف عباسیوں کے حقوق کا موید تھا اُسکی طمع حکومت نے ان حضرات کے وجود کو عباسیوں کے حصول مقاصد کے لئے سراسر خلاف سمجھا اور اُنکو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔
عباسیوں کی خودغرضی اور نفسانیت کے آئندہ حالات پر غور فرما کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابتدا ہی سے بنی ہاشم کو ان امور سے علٰحدہ رکھنا چاہا تھا۔ اور بنی حسن کے مُنھہ پر صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ امر امارت بنی امیہ کے بعد آل عباس کا حصّہ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی کوشش محض فضول اور بیکار ہے۔ مگر عبداللہ محض نے ابوجعفر منصور کی ظاہری اور زبانی تائید کرنے اور اُنکے صاحبزادے محمد نفس زکیہ کے ساتھ دست بیع ہو جانے سے یقین کر لیا تھا کہ آل عباس ہمارے مطیع۔ جان نثار بنکر بنی امیہ سے ہمارے لئے ملک خالی کرا لینگے۔ اور ہمکو مسند حکومت پر بٹھلا کر اور خود دست یمین بنکر کاروبار ملکی انجام دیتے رہینگے۔ انہیں خیالوں سے عبداللہ محض امام جعفر صادق علیہ السلام کے

کلام کی طرف شنوا نہیں ہوئے۔ مگر آگے چل کر اُنکو معلوم ہوگیا کہ عباسیوں کا خلوص اور اُنکی عقیدت حیلۃ الوقتی کے سوا کچھ بھی نہیں تھی اور آخر کار وہ وقت بد اور خوفناک منظر اُن کی خونبار آنکھوں کے سامنے آہی گیا جس کی خبر امام علیہ السلام نے دو چار برس پیشتر اُنکو پہنچا دی تھی۔ ہم یہ تمام و کمال کیفیت بہت جلد بنی عباس اور آل حسن کے حالات میں پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند کرینگے۔

کچھ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان حضرات کو انکی غلط فہمیوں سے روکنا چاہا۔ مگر یہ نہ سمجھے اور نہ مانے۔ اسی طرح ابو سلمہ خلال اور ابو مسلم کے خطوط طلب آنے کے وقت بھی آپ نے عبداللہ محض کو پھر ہدایت فرمائی۔ اور پھر انکے اصرار کرنے پر صاف صاف لفظوں میں کھُل کھُل کر کہدیا کہ میں اپنے موجودہ منصب امامت کی رو سے جو مجھے حق سبحانہ و تعالےٰ کی طرف سے تفویض ہوا ہے عامۃ المسلمین کی نصیحت سے اُنکے غلطی کرنے کے وقت چشم پوشی اور تغافل نہیں کرسکتا۔ بلکہ اُنکو ٹوک دینا۔ بتلا دینا اور سمجھا دینا ہمارا عین فرض ہے۔ تو ایسی حالت میں کہ آپ میرے چچا ہیں۔ رشتہ میں مجھ سے اتنا قریب ہیں تو پھر آپکو غلطی کرتے ہوئے۔ سیدھی راہ بتلانا اور طریقہ صواب پر لانا میرے لئے بدرجۂ اولےٰ واجب اور لازم ہے۔

ابو سلمہ خلال کی عبرتناک سرگزشت اور بنی عباس کی بدسلوکی

اوپر کے بیان سے معلوم ہوگیا کہ عباسیوں کا بنی ہاشم یا بنی امیہ کے ساتھ اتحاد و اتفاق ناقابل اعتبار تھا۔ اُن کے ارادوں کی بدی اور نیتوں کے فساد کچھ اپنے ہی قبیلہ اور عشیرہ تک منحصر نہیں تھے بلکہ تمام متوسلین اور متعلقین کے ساتھ اُن کی چالیں اور ترکیبیں یکساں تھیں۔ اس کے ثبوت میں ابو سلمہ اور ابو مسلم کے واقعات کافی ہیں۔ ہم ابو سلمہ کے حالات سے شروع کرتے ہیں۔ اسکے احوال کا خلاصہ یہ ہے کہ السفاح نے جب تمام ممالک پر اپنا قبضہ کرلیا اور چاروں طرف سے اُسکو اطمینان حاصل ہوگیا اور کسی طرف کا کوئی شبہہ باقی نہیں رہا تو السفاح نے اپنے خفیہ ارادوں کو عملی صورتوں میں لانیکا پورا ارادہ کرلیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ ابو سلمہ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اور اس کے باعث وہی مراسلات تھے جو ابو سلمہ نے آل عباس کی موجودگی میں عبداللہ محض اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمات میں لکھے تھے اور اُنکے جواب کے انتظار میں السفاح کے امر خلافت کو خواہ مخواہ تاخیر میں ڈال رکھا تھا۔ ابو سفاح ابو سلمہ سے فوراً مشتبہ ہوگیا۔ مگر چونکہ ہر امر کو غایت عاقبت اندیشی سے انجام دیتا تھا اس لئے اُسنے کسی فوری مخالفت کو اس کے ساتھ مصلحت نہ سمجھا۔ اور تھوڑے دنوں تک خموش رہا۔ مگر اب وقت آگیا تو ابو سلمہ کی سیاست کی طرف متوجہ ہوا۔ السفاح نے سوچا تو اُسے معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا دار و مدار بالکلیہ ابو سلمہ خلال اور ابو مسلم مروزی پر ہے اور میرا تمام عروج

اقتدار انہیں کے قوت و اقتدار سے وابستہ ہے اور مجھ کو فی الحال انکی قوت اور جبروت کے مقابلہ میں فروغ پانا قطعی دشوار ہے۔ انکی موجودگی میں میرے وجود کی مثال حضرت عثمان اور مروان کی مماثلت سے بالکل مساوی ہے۔ مدینہ اور بنی فاطمہ کے ساتھ مراسلات انکی ذی اختیاری اور خود مختاری کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو انکو ہمارے معاملات میں حاصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے حدود سے باہر نکل کر اب اتنا اور بڑھ چلے کہ بجائے اسکے کہ بذات خاص ہمارے امر حکومت میں ہمارے شریک ہوں۔ ہمارے دوسرے ہم پہلو اور ہموزن حضرات کو ہمارا شریک بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور صرف شرکت ہی نہیں بلکہ ان امور میں وہ ان بزرگواروں کو ہم پر صاف صاف ترجیح دے رہے ہیں۔

اب یہ سارے امور السفاح کے پیش نظر ہوئے مگر ابوسلمہ یا ابومسلم کا استیصال ایسا کچھ آسان اور سہل نہیں تھا کہ اُسکی خیالی صورت کو فوراً عملی پیکر پہنا دیا جاتا۔ اس لئے السفاح نے ابو جعفر کو ابومسلم کے پاس خراسان میں اُسکے استمزاج لینے کی غرض سے بھیجا۔ اُسکی مدبرانہ تجویزوں نے اپنے اظہار مخالفت سے پہلے ان دونوں اختیار یافتہ اور قوی امرا میں باہمی نفاق اور اختلاف پیدا کرنے کی فکر کی۔ ایسے مقاموں میں اکثر مدبران ملکی کو ایسی ہی کارروائیاں کرنی ہوتی ہیں۔ سفاح نے کچھ تو اس غرض سے اور زیادہ تر اس سبب سے اپنے اس راز دلی کو ابومسلم پر ظاہر کر دیا تھا کہ اگر ابوسلمہ کے معاملات میں دشواریوں سے سامنا ہوگا تو ابومسلم کی شرکت اور رفاقت اُس کے دفعیہ کے لئے کافی ہوگی۔ کیونکہ ابوسلمہ کے ہٹا دینے میں اہل عراق کے بگڑ اُٹھنے کا خاص طور پر شبہہ کیا جاتا تھا۔

السفاح کی یہ تجویزیں اُس کے حصول مقاصد کے لئے بالکل مفید ثابت ہوئیں حقیقت میں اگر وہ ایک بار دونوں کی قوتوں کو توڑنا چاہتا تو اُسکی ابتدائی حالت ہرگز اُسپر قادر نہیں ہو سکتی تھی مصلحت وقت یہی تھی کہ ایک کو اپنا شریک بنا کر دوسرے کی قوت توڑی جاوے اور جب دونوں میں سے ایک کا خاتمہ ہو جاوے تو بچے ہوئے دوسرے کا استیصال کیا جاوے۔

ابوسلمہ کے معاملات میں ابومسلم کی رائے

بہرحال ابوجعفر اپنے مخصوص رفقا کے ساتھ کوفہ سے خراسان پہنچا اور حسن اتفاق سے اسکی مشن (رسالت) کا نتیجہ بھی حسب دلخواہ نکلا۔ ابومسلم نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ ہم اور ابوسلمہ دونوں حضرت اعلےٰ اور خدمت والا کے خدمتگزاروں میں ہیں۔ اگر طبع ہمایوں ہم دونوں میں ایک کی طرف سے مطمئن نہیں ہے تو آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں۔

ابوجعفر کو کیا دنیا کو اسکی امید نہ تھی کہ ابومسلم ابوسلمہ کے خلاف ایسی صاف تقریر کریگا۔ ابوجعفر وہاں سے ابومسلم کے محاسن خدمات کی ظاہری طور پر دل خوش کن تعریفیں کرتا ہوا کوفہ کو واپس ہوا۔ ابھی وہ

راستہ ہی میں تھا کہ السفاح کے نیرنگ تدبیروں نے خارجیوں کے ہاتھوں ابو سلمہ کا خاتمہ اس آسانی سے کردیا کہ اسکے دلی راز اور پوشیدہ ترکیبوں کی کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں پہنچی۔ غرضکہ ابو سلمہ کے عزت و اقتدار کا تو یوں خاتمہ کیا گیا۔ پھر اسکے مقابلہ میں ابو سلمہ کے اُن بیش بہا خدمات کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا جو اُس نے اُس کے استقرار خلافت اور استحکام امارت کے متعلق ظاہر کی تھیں۔

ابو مسلم کا حسرتناک واقعہ

اب ابو سلمہ کے بعد ابو مسلم کی نوبت آئی۔ اسکے اختیارات و قوت کا جس طرح استیصال کیا گیا اُسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ابو سلمہ کے خاتمہ کے بعد ابو جعفر نے سفاح کو فوراً ابو مسلم کی سیاست کی طرف توجہ دلانا چاہا۔ مگر السفاح کچھ تو مصلحت وقت اور کچھ بلحاظ خدمات سابق ابو مسلم کی فوری سیاست کی طرف جلدی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے یہ امر زیر تجویز رہا۔ یہانتک کہ ۱۳۶ھ ہجری میں ابو عبداللہ السفاح نے چیچک میں مبتلا ہو کر بمقام رے انتقال کیا۔

ابو مسلم سے منصور کی وجہ مخالفت

سفاح کے انتقال سے چند مہینہ پیشتر ابو مسلم آٹھ ہزار خراسانیوں کے ساتھ حج کرنے چلا جب عراق میں پہنچا تو خلیفہ عصر سے ملا۔ السفاح بھی نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ ابو مسلم سفاح کے ساتھ بیٹھا ہوا کسی ملکی معاملات میں کچھ گفتگو کر رہا تھا کہ منصور آیا۔ ابو مسلم اُس کی تعظیم کو نہ اٹھا اور نہ اُس کی طرف کوئی اعتنا کی۔ یہاں تک کہ سفاح نے اُس سے کہا کہ میرے بھائی منصور آئے ہیں۔ اُسنے نہایت آزادی سے جواب دیا ھذا مجلس امیر المؤمنین لا یقضی الا حقه یہ امیر المؤمنین کا دربار ہے۔ یہاں امیر کے سوا اور کسی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر منصور پر نہایت گراں گزرا۔

السفاح سے ابو مسلم کی کبیدگی

اسکے بعد ابو مسلم نے سفاح سے اپنے امیر حج ہونیکا معاملہ پیش کیا۔ اُسنے کہا کہ اس سال میں نے اپنے بھائی منصور کو امارت حج تفویض کی ہے اگر وہ مجھ سے خود اس منصب کو نہ مانگے ہوتا تو میں یہ عہدہ ضرور ابو مسلم کے سپرد کرتا۔ اب ابو مسلم کو اپنا امیر حج مقرر نہ ہونا گراں گزرا۔ بہرحال یہ کاوشیں دلوں میں آہستہ آہستہ روز بڑھتی ہی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ ابو مسلم اور ابو جعفر اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ مگر علٰحدہ علٰحدہ بیت اللہ مقدس کی طرف روانہ ہوئے۔

ابو مسلم اگرچہ امیر حج نہیں تھا مگر اس سفر میں اُسکی شان و شوکت اور جاہ و تجمل منصور کے ساز و سامان سے

کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا اور جو راہ میں آتا تھا اور اس عظیم الشان قافلہ سے ملتا تھا وہ ابوجعفر کا نہیں بلکہ ابومسلم کا مہمان ہوتا تھا۔ اسکی مہمان نوازی۔ کشادہ دلی اور عالی حوصلگی کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ ان مہمانوں میں چند مہمان بیمار تھے۔ چونکہ بیماروں کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں تھا اس لئے وہی کھانے اُنکو بھی کھانے ہوتے تھے جو عام طور سے پکائے جاتے تھے۔ ابومسلم کو اسکی خبر لگی تو اُس نے مطبخ کے مہتمم کو بلا کر تاکید کر دی کہ ان لوگوں کے لئے جدا پرہیزی کھانا پکایا جایا کرے۔ بیمار صحیح اور تندرست لوگوں کی غذا کھانے کے لئے مجبور نہ کئے جاویں۔ اس سے ہمارا نام اور تمہارا اہتمام دونوں بدنام ہوتے ہیں۔ اُس دن سے بیماروں کے لئے کھانے کا خاص اور علیحدہ اہتمام ہونے لگا۔

ابومسلم کے برخلاف منصور کی طرف یہ کوئی سامان بھی نہیں تھے۔ گنی بوٹی اور پتلا شوربے کا معاملہ تھا اس لئے ابومسلم کی جمعیت تو مکہ شریف پہنچتے پہنچتے دونی۔ سہ گونی۔ ہو گئی۔ اور منصور کی جمعیت پہلے سے بھی کم ہو گئی۔ منصور تو حج کر کے واپس آیا۔

السفاح کے مرنے کی خبر اور منصور کا ابومسلم سے وقتی ملاپ

منصور مکہ سے چل کر جب ذات العرق کی منزل پر پہنچا تو اُسکو سفاح کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی اُسنے ابومسلم کے انتظار میں وہیں قیام کیا۔ ابومسلم پہنچا تو اُس سے روئداد بیان کر کے کہا کہ تم اپنی جمعیت کے ساتھ فوراً شہر رے کی طرف چلے جاؤ اور سفاح کے مال و اموال پر تصرف کر کے وہاں کی رعایا کو میرا مطیع اور فرمانبردار بناؤ۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ آج سے ایک دن پہلے منصور کے خیالات ابومسلم کی طرف سے کیسے تھے۔ مگر اب ضرورت پڑی اور وقت آیا تو منصور نے وہ تمام و کمال باتیں اُس وقت نسیاً منسیاً کر دیں۔ اور ابومسلم کو تھوڑے دنوں تک پھر اپنا بنا لیا۔ اگرچہ اُسکے اتحاد و اخلاص وقتی اور صرف کام نکالنے کی ضرورت سے تھے۔ اور ابومسلم اسکو سمجھتا بھی تھا مگر تاہم اُسنے اپنے انکار کو مصلحت وقت نہ سمجھا اور فوراً سمعناً و اطعناً کہتا ہوا اپنی جمعیت کے ساتھ شہر رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو منصور کی خود غرضی اور مردم فریبی کی حقیقت اسی ایک واقعہ سے معلوم کر لینا چاہیئے

ملک رے میں عیسے ابن علی کی تنبیہ

ملک رے عیسے ابن علی ابن عبد العزیز کی سپردگی میں تھا۔ اُس نے سفاح کے بعد منصور کی جگہ اپنی رعایا سے اپنی بیعت لینی شروع کر دی۔ جب اُس کو ابومسلم کے پہنچ جانے کی خبر مل گئی تو وہ اُسکی ہیبت و جلالت سے ڈر گیا اور ابومسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اب تک جو کچھ امر خلافت کے متعلق کیا وہ صرف حفاظت مال و اموال و اطمینان رعایا اور لشکر کے خیال سے تھا۔ اس کے سوا اور میری

نیت میں کوئی فساد نہیں تھا۔ ابو مسلم نے اُسکی خطا معاف کردی۔ ابو مسلم نے پھر اس علاقہ کا خاطر خواہ انتظام کرلیا۔ اُسکی یہ پہلی خدمت تھی جسے وہ منصور کی ترتیب و تجمیع امور میں بجا لایا باوجودیکہ وہ منصور کو ہمیشہ اپنی طرف سے مشکوک اور مخدوش سمجھتا تھا۔

شام میں عبداللہ ابن علی کی مخالفت

منصور کے سر سے عیسے کی بلا ٹلی تھی کہ عبداللہ ابن علی کی مصیبت سے سامنا ہوا۔ خانہ جنگی کے اس خوفناک منظر اور طائف الملوکی کے اس دہشت خیز عالم کو دیکھکر ہر شخص سمجھتا تھا کہ عباسیوں کی سلطنت کا پودا زمین سے نکلتے ہی مرجھا جائیگا اور اُنکی ابتدا کبھی انتہا تک نہ پہنچیگی۔ کیفیت یوں ہے کہ مروان حمار کے ہزیمت پانے کے بعد شام کا تمام ملک عبداللہ ابن علی کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب سفاح کی وفات شام میں مشہور ہوئی تو عبداللہ کی نیت میں فرق آگیا اور اُسنے اہل شام میں یہ مشہور کردیا کہ السفاح کے ولیعہد ہم ہیں اور دو آدمیوں کو اپنی سازش میں لاکر تمام اہل شام کے مجمع عام میں شہادت دلوادی۔ اہل شام تو ان سازشوں کے ہمیشہ سے عادی ہورہے تھے۔ صورت حال معلوم کرکے فوراً عبداللہ کی طرف ہوگئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابن علی ملک شام میں خود مختار ہو بیٹھا۔

یہ حال دریافت کرکے منصور کو سخت انتشار اور تردد لاحق حال ہوا۔ اُسنے ابو مسلم کو مقام رے سے خاصکر اسی مہم کی انجام دہی کے لئے طلب کیا۔ ابو مسلم نے اپنی صعوبت اور ماندگی کا بھی خیال نہیں کیا اور اپنی موجودہ فوج کے ساتھ عبداللہ کے سر پر جا پہنچا۔ ابو مسلم کے پہنچتے ہی عبداللہ کی طرف ضعف کے آثار معلوم ہونے لگے۔ عبداللہ کی کج فہمی اور سوء اندیشی اسکی ناکامیابی اور ہزیمت کی اصلی باعث ہوئی۔ اُس نے سب سے پہلے جو غلطی کی وہ یہ تھی کہ اُسنے اپنے سترہ ہزار خراسانیوں کو جو اُس کی فوج میں بھرتی تھے محض اس شبہ پر قتل کرڈالا کہ وہ مقابلہ کے وقت ابو مسلم سے مل جائینگے۔ اس خون ناحق کے اقدام نے غیروں کو کیا اُسکے خاص سپاہیوں کو بھی اُسکی طرف سے خائف اور بیدل کردیا۔

ابو مسلم کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اس سفاک کی مجنونانہ شقاوت پر دانت پیسکر رہگیا۔ الغرض پانچ مہینہ تک ابو مسلم محاصرہ کئے پڑا رہا۔ اور عبداللہ بھی اُسی کے سامنے اپنے لشکر کے پرے جمائے رہا۔ آخر کار ابو مسلم کی اعلےٰ تدبیروں نے اہل شام کو پسپا کردیا اور حسن ابن قحطبہ کو ابو مسلم نے بلا کر کہا کہ تم اہل شام سے مقابلہ کرکے عمداً شکست کھا جاؤ۔ جب وہ تمہارا تعاقب کرینگے تو ہم پیچھے سے پہنچکر اُن کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حسن ابن قحطبہ حسب الہدایت شکست کھا کر بھاگا۔

اہل شام اُسکے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ادھر ابومسلم تو تاک میں تھا ہی موقع پاکر اپنی تمام جمعیت کے ساتھ نکلا اور اہل شام پر یکایک جا پڑا۔ ادھر سے حسن بھی ابومسلم کو آتا دیکھکر کہاں تو بھاگا جا رہا تھا کہاں پھر لوٹ پڑا۔ اب ادھر حسن ہو گیا اُدھر ابومسلم۔ بیچ میں اہل شام۔ پھر تو وہ گھمسان ہوا کہ الامان الامان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابن علی کے تمام ہمراہی بھاگ گئے۔ عبداللہ خود بھی ہر طرف سے مایوس ہوکر فرار ہو گیا۔ اور کسی نہ کسی طرح بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان کے پاس پہنچکر پناہ گزیں ہوا سلیمان نے بھائی کو چھپا لیا مگر منصور کو خبر ہو ہی گئی۔ اُسنے سلیمان کو نہایت سختی سے لکھا کہ عبداللہ کو فوراً بھیجدے سلیمان نے اپنی جان کے خوف سے عبداللہ کو حوالہ کر دیا۔ منصور کی شقاوت کے آگے نہ اپنے کی تمیز تھی نہ پرائے کی۔ اُسکے غیظ و غضب کے وقت نہ یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ وہ تو ضرورت تک سب کا ساتھی تھا پھر کسی کا بھی نہیں۔ عبداللہ کے حاضر ہوتے ہی اُسنے انکو ایک ٹوٹی لگے ہوئے مکان میں مقید کر دیا اور اسکے بعد اُسکی بنیادوں میں چاروں طرف پانی بھروا دیا۔ یہ نمک خوردہ دیواریں پانی سے شرابور ہوکر ایکبار اوپر سے نیچے آتی رہیں۔ تمام مکان بیٹھ گیا اور عبداللہ اُسی کے نیچے دب کر مر گیا۔ یہ واقعہ ۱۳۶ھ کے اخیر میں واقع ہوا۔

یہ تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہوا کہ ان دونوں مصیبتوں کو منصور کے سر سے ٹالنے والا اور اُسکو خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کے طوفان خیز دریا سے نکالنے والا ابومسلم ہی تھا۔ رے اور شام کی گزشتہ مہمات میں منصور کو جو کامیابی ہوئی وہ ابومسلم کی بدولت۔ مگر ان محاسن خدمات کی مکافات اور ان بھی خواہیوں کے صلے میں ابومسلم کو منصور کی طرف سے کیا ملا۔ زجر۔ توبیخ۔ ضبط اموال۔ گرفتاری اور آخر میں اُس کا قتل۔ ان واقعات کو جو ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں پڑھکر ساری دنیا کو منصور کی محسن کشی عہد شکنی بے وفائی۔ اور خود غرضی پورے طور سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے کہ وہ محسن کش تھا تو بہت بڑا۔ بیوفا تھا تو بہت بھاری۔ عہد شکن تھا تو پلّے سرے کا۔ بیوفا تھا تو اُس درجہ کا اور خود غرض تھا تو انتہا کا۔

ابومسلم سے منصور کا بگاڑ

منصور کو جو ہیں اپنے چچا علی ابن عبداللہ کی ہزیمت کی خبر ملی تو اُسنے اپنی تنگدلی اور کنجوسی کے تقاضوں سے جسکی وجہ سے وہ اطراف عالم میں دوانق کے نام سے مشہور ہوا۔ ابوالحصیب کو ابومسلم کے لشکر میں یہ حکم دیکر بھیجا کہ وہ مال غنیمت کی خوب دیکھ بھال کرے اور ابومسلم سے کوڑی کوڑی وصول کر لائے۔ ابوالحصیب لشکر میں پہنچا اور ابومسلم کو خلیفہ کا فرمان دکھلایا۔ ابومسلم حکمنامہ دیکھتے ہی اپنے آپ میں نہ رہا۔ اور کہنے لگا کہ منصور نے ہزاروں بندگان خدا کی جانیں لینے میں تو مجھے پورا امین سمجھ لیا مگر اس دنیا کے

ناپایدار کے اموال مستعار کے لئے مجھے خائن اور ناقابل اعتبار سمجھا کہ اُسکی نگرانی اور حساب گیری کی غرض سے مجھپر محافظ اور محاسب مقرر کئے گئے۔ کہ وہ مجھ سے کوڑی کوڑی وصول کرکے اُسکے خزانوں کے منہ اور اُس کے لالچ کا پیٹ بھر دیں۔ اُسی وقت سے ابو مسلم تمام امور سے دست بردار ہو کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خراسان کی طرف چلتا ہوا۔ اور اُسی وقت سے اُس کے اور منصور کے درمیان مخاصمت اور مخالفت ذاتی کے شعلہ اور سختی سے بھڑک گئے۔

بعض مورخین نے غنیمت کے معاملہ کے علاوہ اس واقعہ کو بھی جانبین کے ازدیاد خصومت کا باعث بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ اس جنگ میں ابو مسلم کو حضرت عباس ابن عبد المطلب کی تلوار ہاتھ لگی اُسنے اُسکو ایک بزرگ کی قابل قدر یادگار سمجھکر اپنے پاس احتیاط سے تبرکاً رکھ لیا۔ منصور کو اسکی خبر لگی تو اُسنے منگا بھیجی۔ ابو مسلم نے نہ دی۔ نہ دی۔ اور یہی منصور کی زیادہ تر رنجش اور کبیدگی خاطر کا باعث ہوا۔ بہرحال اُسی وقت سے منصور کو ابو مسلم کے استیصال کی فکر لگی۔

منصور اور ابو مسلم کا استیصال

چونکہ یہ معاملہ بذات خود ایک بہت بڑی مہم اور امر عظیم تھا جسکا انفصال بغیر صلاح و مشورہ ممکن نہیں تھا۔ اس لئے منصور نے دو چار دن سکوت اختیار کیا۔ ایک دن حمید ابن قحطبہ نے ابو مسلم کی طرف سے منصور کے خوب خوب کان بھرے اور صاف صاف لفظوں میں اُس سے کہدیا کہ جو جن تیرے چچا عبد اللہ ابن علی کے سر سوار ہوا تھا وہی اب ابو مسلم پر بھی مسلط ہوا چاہتا ہے۔ حمید کی تقریر سنکر اور دوسرے ارکین سلطنت کو بھی ہمکلام اور ہمخیال بنا کر منصور نے ابو مسلم کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

ابو مسلم کے نام خط مجھ کو تمہارے خراسان چلے جانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تم ملک شام میں مستقل رہو کیونکہ وہ ملک بھی آبادی اور زرخیزی میں مملکت ایران سے کم نہیں ہے۔ اور ملک شام کی ولایت کا عہدہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی مصر بھی تمہاری ہی امارت میں دیا جاتا ہے۔ تمکو لازم ہے کہ یہ خط پا کر جہاں تک پہنچے ہو وہاں سے لوٹو اور اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف چلے جاؤ۔ والسلام۔

ابو مسلم کا جواب مقام زاب سے ابو مسلم کچھ تھوڑی دور آگے بڑھا تھا کہ اُسکو یہ خط ملا۔ اُسنے اُسکے جواب میں لکھا کہ ملک مصر و شام کے عطیہ سے مجھپر کوئی احسان نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ دونوں مقام تو وہ ہیں جنہیں میں نے اپنے دست قوی اور شمشیر برق تاثیر سے حاصل کیا ہے۔ والسلام۔

منصور کا دوسرا خط

منصور نے ابو مسلم کا جواب پڑھا تو سخت انتشار میں مبتلا ہوا۔ اُس نے اپنے مخصوصین میں سے ایک معتمد علیہ اور معتبر آدمی کو ابو مسلم کے پاس بھیجا اور اپنے خاص شقہ میں ابو مسلم کو اپنے مراحم خسروانی کا مستوثق بنا کر اُس سے استدعا کی کہ وہ خط کے دیکھتے ہی اُسکے پاس چلا آوے۔ ابو مسلم شہر انبار کے قریب پہنچا تھا کہ اُسکو منصور کا خط ملا۔ اُس نے پڑھکر ذیل کا جواب لکھا۔

ابو مسلم کا جواب

خدا کے فضل و کرم سے اب امیر المومنین کا کوئی دشمن روئے زمین پر باقی نہیں رہا۔ اب امیر کو میری حاجت ہی کیا ہے۔ لیکن میں اُسکی غلامی اور خدمت کے لئے حاضر ہوں اور اُسکی اطاعت پر راسخ ہوں۔ مگر چونکہ اب مجھے امیر کی ذات سے چند اندیشوں اور خدشوں کا شبہ ہے اور اپنی جان کا خوف لگا ہے اس لئے آستان والا کی حضوری سے مجبوری ہے مگر تاہم خادمان والا کو اس امر کا پورا الیقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی دوری اور غیبت کے زمانہ میں حضور کی فرمانبرداری اور جاں نثاری پر برابر مستقیم العقیدہ رہونگا والسلام۔

منصور کی دوسری ترکیبیں

اس خط کو بھی پڑھکر جس کے حرف حرف سے اقرار عقیدت اور لفظ لفظ سے اظہار ارادت ہو رہا تھا منصور کی تسکین و تشفی نہیں ہوئی۔ اور ہوتی تو کیسے۔ وہ تو کسی نہ کسی طرح ابو مسلم کو کوفہ بلا کر اپنے پنجۂ سیاست اور شکنجۂ عقوبت میں دبانا چاہتا تھا۔ اور ابو مسلم بھی اُسکے مرکوز خاطر کو اچھی طرح سمجھکر برابر پہلو بچا رہا تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ کا چھڑکا پھر رہا تھا۔

بہر حال منصور نے اب کی بار اپنے چچا عیسےٰ ابن موسےٰ کو ایک بڑے طول و طویل محبت استمالت نامہ کے ساتھ ابو مسلم کے پاس روانہ کیا۔ اور پھر اُس میں اُسے اپنے مراحم و مکارم خسروانہ کی لمبی لمبی امیدیں دلائیں مگر ابو مسلم نے اُسکے وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں کیا اور منصور کی یہ رسالت بھی بیکار گئی۔

ابو مسلم اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ حلوان کی راہ پکڑ کر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اب منصور نے ابو حمید مروزی کو جو اُسکا ہموطن اور عزیز تھا ایک پوری جمعیت کے ساتھ ابو مسلم کے پاس بھیجا۔ اور اُسکو حکم دیا کہ پہلے وہ اُسے خاطر اور دلجوئی سے سمجھاوے اور میرے پاس بُلا لاوے۔ اور اگر وہ کوفہ آنے سے ڈرتا ہو تو مدائن تک آوے میں اُس سے وہیں آکر ملونگا۔ اگر وہ ان امور پر راضی نہو تو اُسکو آگاہ کر دے کہ منصور نے قسم کھا کر کہا ہے کہ میں امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرزندانِ عباس سے نہ ہوں اگر اپنی تمام فوج سے خود تیرے اوپر چڑھائی نہ کروں اور بذات خاص خراسان پہنچکر تیرے استیصال کا بندوبست نہ کروں۔

بہر حال ابو حمید اپنی جمعیت کے ساتھ ابو مسلم سے ملا اور بہت کچھ کہا سُنا مگر اُسنے ایک نہ مانی آخر

ابومسلم اس پر راضی ہوگیا کہ میں شہر رے میں مقیم ہوتا ہوں - امیر کو جو کچھ مجھ سے کہنا سننا ہے وہیں آکر کہلیں اور سن لیں۔

منصور کی ایک نئی چال

ہنوز یہ امر پورے طور سے طے نہیں ہوا تھا کہ ابو داؤد کا خط جسے ابومسلم نے اپنی طرف سے خراسان میں نائب چھوڑا تھا اس مضمون کا اُسکے پاس پہنچا کہ یہ تمامی امور جو ہمنے انجام دئے کئے ہیں وہ سب رضائے آل محمد کی بنا پر مبنی ہیں۔ اب تم کو لازم ہے کہ بغیر اُنکے استحزاج اور اجازت کے خراسان کی طرف رخ نہ کرو۔

ابومسلم تو یہ خط پڑھتے ہی دم بخود ہوگیا اور اسی وقت سے اُسکو اپنے تنزل اور ادبار کا یقین ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ منصور کی ایک یہ بھی چال تھی۔ اُسنے ابوحمید کو روانہ کرکے ابو داؤد کو ایک خط لکھا جسکا یہ مضمون تھا کہ میں نے تجھ کو خراسان کا مستقل گورنر بنایا۔ ابومسلم کے پائے عقیدت جادۂ اعتدال سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ بغیر ہماری اجازت کے خراسان میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے تجھے لکھتا ہوں کہ تو اُسکو خراسان میں نہ آنے دے۔ ابو داؤد یہ خط پڑھکر اور امارت خراسان کی بشارت پاکر پھولوں نہ سمایا اور پورے طور سے منصور کا مطیع ہوکر ابومسلم کو وہ خط لکھا جو اوپر لکھا گیا۔

ابومسلم نے ابوحمید سے اس خط کے مضمون کو پوشیدہ رکھا مگر اُسنے خراسان جانیکا ارادہ فسخ کردیا اور ابوحمید سے باتیں بناکر کہنے لگا کہ تمہاری اتنی منت وسماجت پر اپنے قطعی انکار کو مروت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اسلئے قصد کرتا ہوں کہ میں اپنے معتمد علیہ کو امیر کے پاس بھیجکر اپنا اطمینان پہلے کرلوں۔ اگر میرا معتمد علیہ امین مجھکو اُسکی طرف سے اطمینان کامل دلادے تو میں البتہ اُس کی خدمت میں شرف قدمبوسی حاصل کرسکتا ہوں ورنہ میں مجبور ہوں۔ ابوحمید نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ قرار پایا کہ ابومسلم مدائن میں جاکر منصور سے ملاقات کرے۔

ابواسحاق اور منصور کا دربار

اس گفتگو کے دوسرے دن ابواسحق کو ایک معتدبہ جمعیت کے ساتھ ابومسلم نے منصور کے پاس بھیجا۔ ابواسحق منصور سے مدائن میں ملا۔ منصور نے اپنا کام نکالنے کی غرض سے اُسکی اتنی خاطر ومدارات کی کہ کبھی اُسکے خواب وخیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اور ابومسلم کے اوصاف واخلاق کی تعریفیں ایسے پرزور اور خوش کن الفاظ میں بیان کیں اور ابومسلم کی طرف سے اُسکو ایسا اطمینان اور ایسی تشفی دلائی کہ ابواسحق فریفتہ اور از خود رفتہ ہوگیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابواسحق مدائن سے واپس آیا۔

ابومسلم اور منصور کا دربار

ابواسحق نے واپس آکر امیر ابومسلم سے منصور کی ملاقات کی تمام وکمال روئداد بیان کردی اور منصور

کی طرف سے اسکو پورا اطمینان اور تشفی ولادی۔ ابو مسلم بھی ابو اسحق کی باتوں پر اعتبار کر کے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ مگر قصر شاہی سے دور ہٹکر اپنی جمعیت کے پڑاؤ ڈالدئے۔ منصور ابو مسلم کے داخلہ کی خبر سنکر بیچین ہوگیا۔ اُس دن دن بھر اُسکا انتظار کیا۔ وہ نہ آیا۔ تو دوسرے دن علے الصباح جریر ابن یزید کو جو نہایت فرزانہ اور دانشمند زمانہ تھا۔ اُس کے پاس بھیجا۔ جریر نے ابو مسلم کے پاس پہنچکر کچھ تو اپنے سابق ارتباط اور کچھ اپنی چرب زبانی اور سحر بیانی سے ابو مسلم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ابو مسلم نے آخر کار چلنے اور امیر سے ملنے کا پورا وعدہ کرلیا مگر اس شرط پر کہ عیسے ابن موسےٰ امیر کا چچا جو اُس کا مدت تک رفیق اور بہی خواہ رہچکا ہے آئے اور اُس کے حفظ جان و مال کی ضمانت کر جائے۔

جریر نے اسکو بھی مان لیا اور منصور سے کہکر عیسے ابن موسےٰ کو اُسکے پاس بھجوا بھی دیا۔ عیسےٰ گیا اور اُسنے ابو مسلم کے جان و مال کے محفوظ رہنے کی ضمانت کرلی۔ اور فیما بین عہد و پیمان استوار اور محکم ہوگئے۔ اور آخر کار اُسکو شاہی دربار میں پہنچا ہی دیا۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ منصور نے تین روز تک ابو مسلم سے ملاقات نہیں کی مگر اسکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں کے اہتمام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ یہ امر منصور کی فہم و فراست کے خلاف ہے حقیقت امر یہ ہے کہ آنے جانے اور ابو مسلم کے راضی کرنے اور اطمینان دلانے میں تین دن کا عرصہ لگ گیا۔ جسکو مورخین نے تین دن تک ملاقات نہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

ابو مسلم کی دور اندیشی

ابو مسلم بھی حسن تدبیر میں منصور سے کم نہیں تھا۔ بلکہ اُس سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ ابو مسلم کی تدبیریں وسعت دلی اور علو ہمتی کے ساتھ ہوتی تھیں اور منصور کی تجویزیں تنگدلی اور کوتاہ بینی کے ساتھ۔ منصور کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اُسنے مالک ابن ہیثم کو بلایا اور اپنا تمام مال و متاع اُسکے سپرد کیا۔ اور اپنی مہر اُسے دیکر تاکید کر دی کہ اگر تم کو میرا ایسا خط پہنچے جسپر پوری انگوٹھی کا نشان بنا ہو تو سمجھ لینا کہ یہ خط جعلی اور مصنوعی ہے اور اگر ایسا خط تجھے ملے جس پر میری نصف مُہر لگی ہو تو سمجھ لینا کہ وہ خط حقیقتاً میرا ہی لکھا ہوا ہے۔

ابو مسلم اور منصور کی ملاقات

سمجھتا ہوں دل چھین لینے کے ڈھب ہیں ٭ گلے میں وہ کیوں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں

ابو مسلم کو آتا دیکھتے ہی منصور تخت امارت سے اُٹھا اور نہایت خلوص سے ہم آغوش ہوا۔ اپنے پہلو میں مسند پر بٹھلایا اور محبت و الفت کی باتیں کرنے لگا منصور نے ایسی باتیں کیں کہ ابو مسلم پر کیا منحصر ہے کسی کو بھی اُسکی طرف سے خلاف ورزی اور عہد شکنی اور بے مروتی کی امید نہیں تھی۔ بہر حال ایسی

محبت انگیز اور الفت خیز باتیں کر کے منصور نے قصر شاہی کے اُس حصہ میں آرام کرنے کے لئے رخصت کر دیا جو پہلے ہی سے اُسکے قیام کے لئے شاہی انتظام سے خاص طور پر آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ امیر سے رخصت ہو کر ابومسلم اپنے موجودہ رفیقوں کے ساتھ اُس قصر میں اُتر پڑا۔ تین روز تک ابومسلم منصور کے دربار میں برابر آتا جاتا رہا۔ اور منصور اُسی طرح ہمیشہ اُسکی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ تین دن کی آمد و رفت میں ابومسلم کو منصور کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہو گیا۔ اور وہ سابق کے خدشے اور اندیشے بالکل جاتے رہے۔

ابومسلم کا قتل

منصور نے چوتھے دن عثمان ابن نہیک کو تین سپاہیوں کے ہمراہ ایک کوٹھری میں یہ حکم دیکر پوشیدہ کر دیا کہ آج ابومسلم جس وقت میری ملاقات کو آئے اور میں اپنا تین بار ہاتھ سر پر لیجاؤں تو اُس وقت تم کوٹھری سے باہر نکل کر اپنی تلواروں سے ابومسلم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا اور اپنے حاجب کو بلا کر حکم کر دیا کہ جب وقت ابومسلم آج میری ملاقات کو آئے تم کسی حیلہ سے اُس کی تلوار لے لینا۔

القصہ یہ تمام انتظام درست کر کے ابوجعفر منصور ابومسلم کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ابومسلم دروازے سے خشم آلود اور عتاب انگیز تقریریں کرتا ہوا دکھلائی دیا۔ منصور نے اُسکو اس حالت میں آتا ہوا دیکھکر سمجھ لیا کہ دروازے پر اسکی تلوار چھین گئی۔ ابومسلم آیا اور اُس سے حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُسنے اُسکی دلجوئی اور خاطر داری کر کے اسکو پھر مطمئن کر دیا۔ الغرض ابومسلم پھر بیخوف ہو کر منصور سے باتیں کرنے لگا۔ اثنائے گفتگو میں منصور نے ابومسلم سے پوچھا کہ میرے پاس آنے میں تمہیں اسقدر ردّ و کد کیوں تھی۔ اور تمہارا خراسان کی طرف بغیر میری اجازت کے چلا جانا کس باعث سے تھا۔ ابومسلم نے جواب دیا۔ ایہا الامیر اس امر کی ابتدا تو آپ ہی کی طرف سے ہوئی آپ نے غنیمت کے ایسی بے حقیقت اور معمولی امر میں مجھ کو خائن اور غیر معتمد سمجھا۔ اور میری نگرانی اور حفاظت کے لئے ایک غیر شخص کو امین مقرر کر کے میرے لشکر میں بھیجدیا۔

ابومسلم کا یہ جواب سنکر منصور نے ایکبارگی سخت کلامی شروع کر دی۔ ابومسلم نے رنگ بیرنگ ہوتا ہوا دیکھکر کہا کہ اے امیر۔ میری وہ مساعی جمیلہ اور کوششہائے بلیغہ جو میں نے تیری سلطنت کے استقرار و استحکام کے متعلق صرف کی ہیں فراموش نہونی چاہئیں۔ اب منصور کہاں اور یہ باتیں کہاں۔ وقت نکل گیا اور اُسکے ساتھ اُس کی سب باتیں نکل گئیں۔ کام نکل گیا اور انہیں کاموں کے ساتھ منصور بھی نکل گیا۔ اب منصور کہاں ہاتھ آنیوالا ہے۔

ابومسلم کی اس تقریر سے منصور کا دل کیا پسیجتا وہ اور بھی افروختہ ہوگیا اور ابومسلم سے ڈانٹ کر کہنے لگا کہ اے کنیز حبشی کے جائے تو اپنی محاسن خدمات اور مساعی جمیلہ پر کیا ناز کرتا ہے۔ قسم خدا کی اگر تیری جگہ کوئی عورت زانیہ بھی ہوتی تو اُس سے بھی وہی امور ظاہر ہوتے جو تجھ سے معرض ظہور میں آئے کیونکہ یہ امر عظیم جو تجھ سے ظاہر ہوئے اُن کی خاص وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالےٰ کو ہمارے خاندان کو عزوا قبال کے عرش الکمال تک پہنچانا منظور تھا۔ جو کچھ خدا کی مشیت میں گذرنیوالا تھا گزرا۔ اور جو ہونیوالا تھا ہوا۔ اس میں تیری قدرت کیا تھی اور تیری مجال کیا تھی کہ بغیر مشیت ایزدی کے تو ہماری دولت و ثروت کے ... کا انتظام کرتا۔ اور اے پسر زانیہ یہ تو ہی تھا جسنے میری عمہ آمنہ بنت علی سے عقد کی خواستگاری کی اور یہ دعوےٰ کیا کہ سلیط ابن عبداللہ ابن عباس کے فرزندوں میں سے ہوں۔ تونے اپنے غرور و نخوت کے نشہ میں سرشار ہوکر حد سے باہر پاؤں پھیلادئے۔ اور اپنے حضیض ذاتی کو آسمان تمکنت پر پہنچادیا۔ اتنا کہکر منصور نے یکایک تین مرتبہ اپنا ہاتھ اپنے سر تک پہنچایا۔ منتظرین تو اشارے کی تاک میں سکھے ہی۔ جوہیں منصور کا ہاتھ سر تک جاتے ہوئے دیکھا فوراً ننگی تلواریں لئے ابومسلم کے سر پر آدھمکے۔ یہ خونیں منظر دیکھتے ہی ابومسلم کے تو ہوش اُڑ گئے اور اُس سے اُس فوری اضطراب کے عالم میں اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ اُسنے فوراً اپنا سر منصور کے قدموں پر رکھدیا۔ مگر بیدرد منصور نے اُسکو ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ ڈھلکتا ہوا دور جا پڑا۔ عثمان ابن نہیک اور اُسکے دونوں ہمراہیوں نے بڑھکر اپنی تلواروں سے ابومسلم کا کام تمام کردیا جب وہ ٹھنڈا ہوگیا تو اُسکی لاش کو چٹائی میں لپیٹ کر ایک گوشہ میں کھڑا کردیا۔

ابومسلم کے قتل کے بعد کے حالات

ابومسلم نے دربار جاتے وقت اپنے دوست عیسےٰ بن موسےٰ سے کہدیا تھا کہ میں دربار میں جاتا ہوں تم بھی پیچھے سے آنا جب ابو محمد عیسےٰ آیا تو ابومسلم کو نہ پایا۔ پوچھا تو منصور نے جواب دیا ھاھو ذاک ملفوف فی ذلک البساط وہ دیکھو چٹائی میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔ عیسےٰ نے پوچھا کہ حقیقت میں تم نے ابومسلم کو مار ہی ڈالا۔ اب اُس کے ہمراہیوں کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اُسکی رفاقت میں اُس کے پسینہ پر اپنا خون گرانے کو موجود ہیں۔ منصور نے کہا کہ اُنکا سیدھا کرلینا کونسی بات ہے۔ یہ کہکر اُسنے ایک ہزار تھیلیوں میں تین تین ہزار دینار رکھکر سلوادئے اور عیسےٰ کو حوالے کردئے کہ بالاخانہ پر جاکر غوغائیوں پر تقسیم کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابومسلم کے ہمراہی اپنے رئیس کا تھوڑی دیر تک انتظار کرکے قصر امارت کے نیچے عیسےٰ نے اُس جماعت پر بالاخانہ

سے روپیہ بھری ہوئی تھیلیاں پھینکنی شروع کردیں اور چلا کر کہنے لگا اے سپاہیو ابومسلم بھی بندگان امیر سے ایک امیر تھا جسکا وجود امیر کی طبع کے ناگوار گزرا۔ آخرکار وہ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچ گیا۔ اب یہ عطایائے امیر ہیں جو خاص تمہارے ہی لئے اس وقت تقسیم فرمائے گئے ہیں تم اس وقت انہیں لو اور آئندہ زیادہ کے امیدوار بنے رہو۔ فوج کے سپاہی زمانہ کی انقلاب کو دیکھ رہے تھے۔ اس ایثار شاہی کو غنیمت سمجھ کر اپنے اپنے مقام پر خاموش ہو بیٹھے۔

یہ تھے ابومسلم کے مفصل واقعات اور شرح حالات ہم نے اس بحث کی تفصیل و تشریح میں اس لئے طوالت کو پسند نہیں کیا ہے کہ اسی واقعہ سے منصور کی طبیعت۔ اس کے افعال اور رفتار و کردار کی پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ چونکہ منصور کی افتاد طبیعت اور اصول حکومت نے بلاد اسلامیہ کے تمام معزز اور مقتدر لوگوں سے اپنے مظالم اور شقاوت کے یکساں مسالک قائم رکھے ہیں اسلئے ضرور تھا کہ ہم اسکو پوری توضیح کے ساتھ مندرج کریں۔ ابومسلم کے قتل کا واقعہ ابوالعباس کے زمانہ سلطنت کے متعلق تھا۔ اس لئے ہم نے اسے تشریح کے ساتھ نہیں لکھا۔ مگر ابومسلم کا واقعہ چونکہ خاصکر منصور کے ایام حکومت کے متعلق ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنی آئندہ ضروری مضامین کی توضیح کے اعتبار سے اسکی پوری تشریح کریں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ابومسلم کا واقعہ جو مختلف تاریخی ماخذوں سے منتخب کرکے پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے وہ ہمارے ناظرین کے پیش نظر ہے۔ اس کے ہر پہلو سے ابومسلم کے محاسن خدمات۔ تہذیب اور اخلاق کا اظہار ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے ہر قرینہ سے منصور کی خودغرضی نفسانیت۔ شقاوت اور بیدردی آشکار ہوتی ہے۔ ابومسلم نے کیا ہر ایک وقت اس سے کہا تھا کہ میرے محاسن خدمات کو بھولنا نہ چاہئے۔ ...... اور جب الواقعہ تھا۔ اُسکے خدمات۔ محاسن سلوک۔ استحفاظ حقوق اور وہ اعلیٰ کوششیں اور ہمدردیاں جو اُس نے اسکے امور کی درستی اور ترتیب میں ساری دنیا کے سامنے ظاہر کی تھیں وہ ہرگز فراموش کر دئے جانے کے قابل نہیں تھیں۔

ابومسلم کے اخلاق اور شائستگی کی نسبت بہت بڑی مثال اس واقعہ سے ملتی ہے کہ اُس نے ایسے وقت میں منصور کی اطاعت اور اعانت سے منہ نہیں پھیرا جب جانبین کے دلوں میں رنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُسکے آثار طرفین سے ہویدا اور آشکار ہو گئے تھے۔ مگر ابومسلم کی نظر اُس وقت منصور کی خونخواری اور مردم آزاری پر نہیں تھی بلکہ بنو عباس کی غمخواری اور اپنی وفاداری پر۔ اور یہ وہ سررشتہ تھا جسے وہ قریب قریب ...... رہا۔ ابومسلم نے منصور کے خلاف کبھی کسی قسم کی مالی اور فوجی سازش سے کام نہیں نکالا۔ بالعکس اسکے منصور نے ابومسلم

کے خلاف اُسکے استیصال کی تجویزوں میں ہمیشہ فریب۔ دغا۔ مکر اور حیلہ سے کام لیا۔ ممکن تھا کہ ابومسلم اگر خراسان نہیں تو شام کے تازہ فتح شدہ علاقوں میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتا۔ فوج کی کمی نہیں تھی۔ مال کی قلت نہیں تھی۔ غنیم شکست کھا ہی چکا تھا۔ ملک اور رعایا قبضہ میں آ ہی چکا تھا۔ پھر اُس کے بادشاہ بن بیٹھنے میں کیا باقی تھا۔ مگر اُسنے نظر بر استحقاق بنی عباس ان امور میں سے کسی کی طرف بھی خیال نہیں کیا۔ اُسکی اطاعت و فرمانبرداری کے ثبوت کو تو وہی اُسکی تقریر کافی ہے جو اُسنے منصور سے ابوسلمہ کے معاملہ میں کی تھی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ ابومسلم بھی اپنے نائب ابوداؤد کو منصور کی نسبت بھی ویسا ہی تحریر کرتا جیسا منصور نے اُس کے متعلق لکھا تھا۔ مگر ابومسلم کے دل میں ایک گونہ معمولی رنجش کے علاوہ منصور کی طرف سے غدر و فساد کی باتیں نہیں تھیں۔ ابومسلم نے اپنی حاضری کی ردّ و کد میں جو تاخیر اختیار کی اُسکا باعث بھی زیادہ تر منصور ہی کی ذات ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ منصور ہی کے انداز و روش سے ابومسلم مخوف اور ترساں ہو گیا تھا۔ منصور کی خود غرضی۔ نفسانیت۔ خفیف الحرکاتی۔ جزرسی اور خوردہ گیری اُسکے شبہات کو اور بڑھاتی گئیں۔

ان امور کے علاوہ۔ منصور نے جس صورت اور جس حیثیت سے ابومسلم کو گھر بلا کر قتل کیا وہ صاف صاف مہمان کشی کی تصویر ہے۔ دنیا کے جنگ آزما دلیروں اور معرکۂ کارزار کے شیروں کے شکار کرنے یا اُنکے گرفتار کرنے کی یہ شان نہیں ہوتی۔ اگر منصور بھی مرد میدان ہوتا تو اپنے حریف سے میدان پکڑ کر رو در رو مقابلہ کرتا۔ اور پھر دست بقبضہ ہو کر دونوں آپس میں سمجھ لیتے۔ تو ہم کیا دنیا کے تمام لوگ سمجھ لیتے کہ منصور نے اپنے حریف کے پسپا کرنے اور مار گرانے میں کمال دلیری اور جسارت سے کام لیا ہے۔ گھر بلا کر اور اپنا مہمان بنا کر دعوت کے دھوکے میں عداوت کا مزا چکھانا اور شربت نوشیں کی جگہ کاسۂ مرگ پلانا منصور کی تنگدلی اور کمظرفی کا کامل ثبوت ہے۔ اہل عرب کی حمیت سے عموماً اور بنی ہاشم کے اخلاق و مہمان نوازی سے خصوصاً کوسوں دور ہے۔

بہر حال چونکہ عباسیوں کا ستارہ عروج پر تھا اور مساعدت زمانہ بھی انکی ہمدم اور ہمقدم تھی اس لئے منصور کی یہ سفاکانہ حرکات دنیا پر کہاں تک۔ خود ابومسلم کی ہمراہی جمعیت پر بھی اپنا کوئی اثر پیدا نہ کر سکیں۔ منصور نے اپنی وقتی سخاوت دکھلا کر زر پرستان دنیا کے لبہائے شکایت بند کر دئے اور ملک میں کوئی فتنہ یا کوئی فساد پیدا نہیں ہوا۔

اتنا لکھکر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ ہم نے اس مضمون میں جو ابومسلم کے ذاتی اخلاق و اوصاف سے بحث کی ہے اُس سے میرا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے ان معاملات میں جس راستی سے کام کر گیا اُسی طرح اُسکے تمام معاملات راستی اور حق بینی پر مبنی ہوتے تھے۔ یا وہ

جیسا آل عباس کے ساتھ مستقیم العقیدہ تھا ویسا ہی بنی حسنؑ اور دیگر بنی فاطمہؑ کے ساتھ بھی۔ نہیں نہیں ایسا نہیں۔ اگر وہ دوست تھا تو صرف بنی عباس کا۔ ہمدرد تھا تو انہیں کا۔ جاں نثار تھا تو انہیں کا۔ اور کسی کا بھی نہیں۔ اور انکی خیر خواہیوں کے آگے بنی فاطمہؑ۔ بنی حسنؑ۔ آل جعفرؑ۔ غرض کسی کی کوئی وقعت یا کسی کا لحاظ اُسکو ملحوظ نہیں تھا۔ تو پھر ایسے برگشتہ ایمان اور بگڑے ہوئے مسلمان کو ہم صحت کے ساتھ دائرۂ ایمان میں شمار نہیں کر سکتے۔ ابو مسلم کے مظالم اور مفاسد سے تاریخوں کے ہزاروں صفحے رنگے پڑے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بنی عباس کے حصول مقاصد کی غرض سے اُس نے ہزاروں خون ناحق کا سیلاب زمین پر بہا دیا ہے۔ مثال کے لئے۔ عبد اللہ اُنکے بھائی حسن اور اُنکے رفیق کے کشت و خون موجود ہیں۔ یہ غریب سادات حضرت عبد اللہ ابن جعفرؑ کی اولاد سے تھے جو ابو مسلم کے حکم سے شہر ہرات میں مارے گئے۔

باقی رہے اُن مراسلات کے مضامین جو ابو مسلم نے قبول خلافت کے لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے تھے۔ وہ حقیقت میں اسکی مدبرانہ چالیں تھیں اور کچھ بھی نہیں۔ مگر اُسکے مفہوم کو ابو جعفر منصور تا غایت المرام سمجھ چکا تھا۔ اور منصور سے زیادہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام معلوم کر چکے تھے۔ ابو مسلم کی غرض امر امارت میں ان بزرگواروں کی مشارکت سے عباسیوں کی قوت و اختیار کا توڑنا تھا۔ اور اپنی شان و شوکت کا سکہ دنیا کے دلوں پر بٹھلانا تھا۔ اسی لئے جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے اس کے پہلے خط پر تو کوئی اعتنا ہی نہیں فرمائی۔ دوسری تحریر آنے پر جواب بھی دیا گیا تو ایسا صاف صاف کہ تو نہ ہمارے آدمیوں میں سے ہے اور نہ یہ زمانہ ہماری خلافت کے لئے موزوں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر ایسی حالت میں جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُسکو اپنے متبعین کے دائرہ میں شمار نہ فرمائیں اور اُسکی کوئی معرفت یا تصدیق و توثیق نہ کریں تو میری کیا مجال اور میرا کیا منہ کہ ہم ابو مسلم کو دائرۂ اسلام اور ربقۂ ایمان میں داخل کرنے کی جرأت کریں۔ العیاذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سادات بنی حسن اور منصور

ابو مسلم کے واقعات کو اختتام تک پہنچا کر اور منصور کے ظلم و شقاوت کے حالات دکھلا کر اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں ابنائے حضرت امام حسن علیہ السلام کی دردانگیز اور مصیبتناک داستان قلمبند کرتے ہیں۔ ابو مسلم کے واقعہ سے فراغت کرکے منصور نے سب سے پہلے جسکی طرف نظر دوڑائی وہ امام حسن علیہ السلام کی اولاد تھی۔ اُسکی سادات کشی کے واقعات یہ ہیں۔

یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ بنی عباسیہ نے اپنی دعوت کا سلسلہ بنی حسن کے اتفاق سے شروع

کیا تھا اور مقام ابوا کے مجمع میں سب سے پہلے منصور ہی نے محمد ابن حسن الملقب بہ نفس زکیہ کو امارت و خلافت کے لئے خود منتخب کیا تھا۔ اور اُس مجمع میں علے الاعلان یہ اقرار کیا تھا کہ میری نگاہ میں اُس جوان رعنا سے بہتر کوئی شخص دوسرا امر امارت و خلافت کے قابل نہیں ہے۔ اور دنیا کے لوگ سوائے اسکے کسی دوسرے کی طرف مائل اور راغب نہیں ہونگے۔

منصور نے کچھ اسی تقریر ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس تقریر کے بعد محمد کی بیعت بھی کر لی۔ انکے بیعت کرتے ہی تمام حاضرین نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ مگر جب انکے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام حسب الطلب ان لوگوں کے تشریف لائے اور آپ نے ان لوگوں کی رایوں سے اختلاف فرمایا اور بنی عباس کی خلافت و سلطنت کی صاف صاف لفظوں میں پیشین گوئی بیان فرمادی تو منصور کو اُسی وقت سے محمد نفس زکیہ کے ساتھ بیعت کر لینے پر سخت ندامت آئی۔ اور چہ اکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ہ کے معانی پر غور کر کے اُسی وقت اُس کے دل میں اُلجھن پیدا ہو گئی۔ اگر امام زمانہ کی پوری معرفت اُسے ہوتی تو اُسے زیادہ تفتیش کی ضرورت نہوتی۔ مگر چونکہ قلب اسکا توفیقات یزدانی اور نور ایمانی سے محروم تھا اس لئے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی پیشینگوئیوں کی اُس وقت تک تصدیق نہ کر سکا جب تک کہ در دولت پر حاضر ہو کر بذات خاص اس امر کو پورے طور سے پوچھ نہ لیا جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دوبارہ اسکی تسکین کر دی تب کسی نہ کسی طرح اُس کی دلجمعی ہوئی۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اُسی وقت سے اُسکو اپنی امارت کی فکر لگ گئی۔ اور اگرچہ وہ حصول خلافت کی مدت تک رضائے آل محمدؐ کے خوش کُن فقرے سے اپنا کام چلاتا رہا۔ مگر اپنی تفریق و تخصیص بھی ہمیشہ مدنظر رکھی۔ اسی وجہ سے اپنے امور میں استقرار و استحکام آتے ہی منصور نے السفاح کو ابوسلمہ اور ابومسلم کے فوراً ہٹا دینے کی صلاح دی۔ جنکو وہ اہلبیت علیہم السلام کے حقوق کا مؤید سمجھ کر اپنے خاص فائدوں کا مانع خیال کرتا تھا۔ چنانچہ السفاح نے ابوسلمہ کا خاتمہ تو اپنے ہی زمانہ میں کر دیا۔ باقی رہا ابومسلم۔ وہ منصور کے وقت میں تمام کیا گیا۔ یہ دونوں محبت اہلبیت علیہم السلام کے شبہہ پر قتل کئے گئے۔ مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ یہ شبہہ محض غلط تھا۔ یہ لوگ کبھی منصور کو چھوڑ کر ان بزرگواروں کے بہی خواہ اور مؤید نہیں تھے ان سب کو تمام کر کے دو برس تک منصور سنباد مجوسی اور فرقہ زندیہ کے استیصال میں مصروف رہا۔ ان سے فراغت کر کے وہ باطمینان تمام اولاد حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل و غارت کی طرف متوجہ ہوا شمس العلماء پروفیسر مولوی شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں۔

منصور کی بیرحمیاں۔ اور بے رحمیاں تو تھی ہیں۔ منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی بیخ کنی اور خانہ بربادی شروع کر دی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکار رہے تھے اور ایک لحاظ

سے انکا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کے وقت تک ان سے کوئی سازش ظاہر نہیں ہوئی۔ صرف بدگمانی
پر منصور نے سادات علویین (اور نیز بنی فاطمہؑ) کی بیخ کنی شروع کردی۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے انکے
ساتھ زیادہ بے رحمیاں کی گئیں۔ محمد و ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اسی وجہ سے
دیباج کہلاتے تھے زندہ دیواروں میں چنوا دیئے گئے۔ ان بیرحمیوں کی ایک داستان ہے جس کے
بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیئے۔ آخر ان ظلموں سے تنگ آکر سنہ ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات
سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں خروج کیا" سیرۃ النعمان
بہرحال۔ ہمارے فاضل معاصر کی تحریر سے اتنا تو ضرور ثابت ہوگیا کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کرنے کی
وجہ منصور ہی کی بے رحمیاں تھیں۔ اگر وہ انکے ساتھ رفق و مدارا کے سلوک قائم رکھتا تو غریب سادات
باوجود ایک گونہ استحقاق خلافت رکھنے کے بھی اپنے مقام پر خموش بیٹھے کے بیٹھے رہجاتے۔ مگر بقول فاضل
محقق جب وہ منصور کی بیرحمیوں سے عاجز آگئے تو مرتا کیا نہ کرتا۔ اُن کی غیرت اور شجاعت کا خون بھی
جوش میں آگیا اور انکی رگ ہاشمی میں بھی ایک غیر متحمل حرکت پیدا ہوگئی۔ ہمارے قابل مؤرخ نے یہ
واقعات بالکل مجمل۔ وہ بھی محض اختصار اور خلاصہ کے ساتھ لکھے ہیں۔ ہم انکو پوری تفصیل کے
ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ منصور نے اور اسکے قائم مقام سلاطین عباسیہ نے ابتدا سے لیکر انتہا تک سادات کشی
کو اپنے استحکام سلطنت اور بقائے حکومت کا ویسا ہی ذریعہ سمجھ لیا تھا جیسا معاویہ اور اسکے بعد اس کے
قائم مقام سلاطین امویہ نے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اس تدبیر و تجویز میں دونوں قوموں کے سلاطین
ہمقدم اور ہمخیال تھے۔ مقام ابوا کے باہمی مشورہ اور محمد نفس زکیہ سے منصور کی ارادتمندانہ بیعت نے
منصور کو سخت مخوف اور منتشر بنا رکھا تھا۔ اسپر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانا سونے میں سہاگہ
کا کام دے گیا۔ منصور نے سمجھا کہ ہم نے تو اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی ماری کہ محمد سے بیعت کرکے اُسکو
اپنا سردار و حکمران یا کم سے کم اپنا شریک و سہیم بنالیا۔

منصور ان امور پر غور کرکے اپنی نادانی اور عجلت پر برابر دانت پیسا کرتا تھا۔ مگر خود کردہ را درمانے نیست کا
مضمون تھا۔ اب وہ کیا کرسکتا تھا۔ اسی اضطراب کے غیر متحمل عالم میں اُسنے سادات عظام کی بیخ کنی
اور استیصال پر اپنے ظلم و شقاوت کی کمرہمت چست باندھ لی۔ اسی منصوبہ میں کوفہ سے اٹھا اور سنہ ۱۴۲ھ
میں مکہ پہنچا۔

سادات بنی حسن کی تدبیریں

یہ تو منصور کے خاص حالات تھے۔ اب سادات کے احوال یہ ہیں کہ سفاح کے ایام حکومت تک تو

یہ بالکل خموش بیٹھے رہے۔ اور بنی عباس کی طرف سے ایفائے وعدہ کی امیدیں لگائے رہے۔ اگرچہ سفاح کے وقت ہی سے عباسیوں کے رخ بدل گئے تھے اور اُنکی پیشانیوں سے بیوفائی اور عہد شکنی کے آثار ہویدا اور آشکار ہو چلے تھے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی مخالفانہ اور مخاصمانہ کارروائیوں کی ابتدا نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے یہ اپنی طرف سے اُنکے وعدوں کی یاددہانی کے سوا کسی تحریک یا تقاضہ شدید سے کام لینا بھی نہیں چاہتے تھے۔ سادات کا سکوت۔ انکی خموشی۔ انکے اعلے اخلاق و آداب کی مثال ثابت کر رہا تھا۔ وہاں امتداد ایام حریت کے امور میں انتظام اور استحکام پیدا کر رہا تھا۔ منصور کا زمانہ شروع ہوا تو اُسکو سب سے پہلے اپنی سلطنت کے استحکام ہی کی فکر ہوئی۔ اور اس میں نمبر اول اُسنے سادات کشی ہی کو اس استحکام کا کامل ذریعہ قرار دے لیا۔ اور اسی اصول پر اُسنے اپنا کام شروع کیا۔ اور پہلے ان بزرگواروں کے مؤیدین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھکر قتل کیا۔ اور آس پاس کی سادات کو جن میں زیادہ تر حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی اولاد تھی۔ جو ہشام کے وقت سے سکونت مدینہ کو ترک کرکے شہر واسط میں آباد تھی۔ اُنکو قتل کیا۔ اور پھر ایسی ایذا اور تکلیفوں کے ساتھ کہ الامان والحفیظ جب منصور کے مظالم و شدائد کی خبریں سادات بنی حسنؑ کو پہنچیں تو انکو بھی منصور کی طرف سے سخت ہراس پیدا ہوا اور انہوں نے اُسی وقت سے یقین کرلیا کہ یہ ہمارے ساتھ بھی انہیں بیرحمیوں سے ضرور پیش آئیگا۔ یہ خیال کرکے تمام سادات بنی حسنؑ ایک باری چونک پڑے اور انہوں نے اپنے جان ومال کی حفاظت کے لحاظ اور منصور کے ظالمانہ حملات کے خیال سے اپنی حفاظت خود اختیاری کے سامان شروع کردئے اور جب ان لوگوں کو اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ منصور اپنے اُن معاہد پر ہرگز قائم نہ رہیگا جو اُسنے پہلے ان امور کی نسبت ہم سے کئے تھے بلکہ ان خلوص واتحاد کے عوض وہ ہم سے عداوت و خصومت کے سلوک قائم رکھیگا۔ ہمکو قتل کریگا۔ ہمارے گھروں کو غارت کریگا۔ ہمارے مال واسباب کو لوٹیگا ضبط کریگا۔ جیساکہ اُسکے موجودہ مظالم ومفاسد سے ظاہر ہوتا ہے، تو سادات نے مجبور ہو کر اُس کے خلاف میں کوششیں کرنی شروع کردیں۔

ہمکو اس مقام پر اپنے فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کا وہ قول بھی لکھدینا ضروری ہے جس کو جناب ممدوح الیہ نے اپنے سلسلۂ ہیروز آف اسلام کے پہلے نمبر المامون میں درج فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ۔

"عباسیوں پر سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں میں بیٹھکر اعتراض کرتے ہیں معذور ہیں۔ مگر پولیٹکل ضرورتوں کا اندازہ دان اسکو مشکل سے تسلیم کریگا۔" المامون

مولوی صاحب ممدوح کی یہ عبارت لکھکر ہم جناب موصوف الیہ کی اُس عبارت سے ملاتے ہیں جسکو ہمنے آپ کی دوسری کتاب سیرۃ النعمان سے ابھی ابھی لکھا ہے تو آسمان زمین کا فرق پاتے ہیں ہمیں

ابھی تک نہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے فاضل محقق کے کس قول پر اعتبار کریں اور کس تحقیق پر اعتماد۔
المامون کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سادات قصور وار تھے۔ اُنہوں نے بادشاہ وقت سے بغاوت کی قتل کیئے گئے۔ باغی کی سزا کے لئے کوئی شخص کسی گورنمنٹ کو ملزم قرار دے نہیں سکتا۔
سیرۃ النعمان کی ترمیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب سادات منصور کی بیرحمیوں سے عاجز آگئے اور اُسکے ناقابل برداشت مظالم کی زیادہ برداشت نہ کرسکے تو محمد نفس زکیہ نے منصور پر خروج کیا۔ لیجئے اس قول سے محمد بے قصور ثابت ہوئے اور منصور ارتکاب جرائم اور مظالم کی سولی پر لٹکا دیا گیا۔
تو اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ ایسی حالت میں سادات پر خروج۔ فوج کشی یا بغاوت کا الزام لگانا سراسر خلاف ہے یا نہیں۔ اب ان غریبوں پر بغاوت کا الزام لگا کر دنیا میں وہ کون ہے جو نہیں واجب القتل ٹھہراسکتا ہے۔
المامون کی عبارت سے اگر وہ سادات مراد لئے جاویں جو مامون کے عہد حکومت میں خروج پر آمادہ ہوئے تو یہ بھی شبہہ صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ہمارے فاضل محقق نے اپنی عبارت میں جو لفظ رکھا ہے وہ مجرد بنی عباس کا ہے۔ جس سے کوئی تفریق یا تخصیص معلوم نہیں ہوتی۔ جس میں السفاح سے لیکر بنی عباس کے آخر خلیفہ المستعصم باللہ تک شمار ہوسکتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں سادات عہد مامون کی تخصیص محض بیکار ہے اور یہ شبہہ بھی باد رہوا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہر قرینہ سے المامون کی تعریض کو سیرۃ النعمان کی تسلیم نے غیر معتمد اور ساقط الاعتبار ثابت کردیا۔ ایک کتاب میں غریب سادات مجرم قرار دئے گئے اور دوسری کتاب میں اُن الزامات سے بری کردئے گئے۔ ہم تمام سادات کرام کی طرف سے اپنے فاضل ممدوح کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنے قدیم سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اولاد حسن علیہ السلام سے خصومت کی ضرورت

اُن خصومتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے جنہوں نے منصور کو ان کے خلاف کوشش کرنے پر مجبور کردیا۔
اوّل تو یہ بزرگوار وہی تھے جو بقول فاضل معاصر ایک لحاظ سے خلافت کے حقدار بھی تھے۔ دوسرے مقام ابوا میں سب سے پہلے منصور نے بعد اُس کے تمام حاضرین نے (سوائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے) محمد ابن حسن الملقب بہ نفس زکیہ سے بیعت بھی کرلی تھی اور اس امر پر طرفین سے ہر قسم کے معاہد مستحکم ہوچکے تھے۔ پھر اتنے حقوق رکھنے کے بعد منصور نے ان حضرات سے عہد کیا ان کے ساتھ اتحاد و اخلاص کے مراسم کو توڑ کر خصومت و عداوت کے طریقے اختیار کیئے۔ ان کے عمائد اور اکابر خاندان کو صرف اس شبہہ پر کہ یہ ہمارے خلاف میں بغاوت اختیار کرینگے۔ قید کرلیا۔

ان کے علاوہ اور بہت سے بیگناہ اور محض بے سروکار سادات کو انکی تائید اور سازش کے شبہہ میں سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اور بڑی بیرحمیوں سے اُنکو قتل کیا۔ دیواروں میں چُنوا دیا۔ بہتے دریا میں غرق کر دیا۔ جلتی آگ میں جلوا دیا۔

ایسی حالت میں جب انکے ایسے قوی دشمن کے مظالم کی تمام آنکھیں خاصکر انہیں کی طرف لگی تھیں اور اُنکی خصومت و عداوت کے تیز قدم نہایت عجلت سے انہیں کی طرف بڑھتے ہی چلے آرہے تھے۔ روز بروز انکا زمانہ نازک اور اُنکی حالتیں شکستہ ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک تو نوبت پہنچ چکی تھی کہ انکا رئیس قبیلہ اپنے اُن خوشرو جوانوں کے ساتھ مقید کر لئے جانے کے بعد کوفہ بھیجدیا گیا جن سردار نوجوانوں کی شجاعت تمام عرب کے لئے مایۂ ناز ہو رہی تھی۔

ان خاص حالتوں میں یہ غریب ان خوفناک اور خونیں منظروں کو نگاہ یاس سے دیکھ دیکھ کر اپنی حفاظت اور گورنمنٹ کے موجودہ مظالم کی مدافعت کا اب بھی سامان نہ کریں تو کیا کریں۔ ایسی حالت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے عدالت پسند اور راست باز مدبّران ملکی سادات پر بغاوت کا کیسے الزام لگا سکتے ہیں۔ منصور کی سادات کشی کو ایک پولٹیکل ضرورت بتلانیوالے حضرات کا دعوے ان معنیوں میں البتہ صحیح مانا جا سکتا ہے کہ منصور کا استحکام سلطنت بغیر ان غریب سادات کی بیخ کنی اور استیصال کے ممکن نہیں تھا۔ اس لئے اُنھوں نے استحکام حکومت اور بقائے دولت کی کوششوں میں آخرکار اُنہیں اصول کی پابندی کو اختیار کیا جن کو ان سے پہلے سلاطین امویّہ اپنے حفظان حکومت کے لئے جاری کر چکے تھے۔

بنی عباس ان تدبیروں میں بنی امیہ کے پورے مقلّد تھے۔ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ منصور بنی امیہ سے زیادہ سادات کشی کے لئے مجبور تھا۔ کیونکہ کسی وقت میں بنی امیہ کا سادات سے بیعت کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ مگر بخلاف انکے منصور تو ان سے بیعت کر چکا تھا۔ اطاعت و متابعت کے عہد و میثاق مستحکم کر چکا تھا۔ خلوص و اتحاد کے قائم رکھنے کے لئے حلف لے چکا تھا اور ہر طرح سے اپنے عمائد و اکابر کے مجمع عام میں انکے فضل و شرافت کو تسلیم کر چکا تھا۔ پھر ایسی حالت میں ان حضرات کا دفعیہ تو اُسکے لئے بدرجۂ اولے ضروری اور لازمی تھا۔ بات یہ تھی کہ منصور نے بنی امیہ کی عداوت اور زیادہ تر اپنے حصول مقاصد کی تمناؤں میں پہلے ان حضرات کی شرکت یا مداخلت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر ہاں۔ سلطنت ملجانے پر آنکھ کھلی اور اپنی غلطی آپ نظر آئی۔ تو پھر ان پولیٹکل اغراض کو ان حضرات کے استیصال کی نسبت بنی امیہ سے زیادہ ضروری اور مفید سمجھا۔ اور اُسی وقت سے ان کے پیچھے پڑ گیا۔ اب یہ امور چاہے کیسے ہی ملکی اور مالی اغراض سے مفید ہوں اور چاہے انکا نام پولیٹیکل رکھے جائیں یا سوشیل رفارم Social Reform جو ہوں۔ مگر جب ان پر دنیا کا کوئی راست باز

اور متدین مدبر نظر ڈالیگا۔ تو وہ انکو ضرور منصور کی غایت درجہ کی بدعہدی۔ خود غرضی اور مردم کشی قرار دیگا۔ اور اگر انہیں اخلاقی کمزوریوں کا نام پولیٹکل اغراض رکھا جائیگا تو شاید پھر پولیٹکل دنیا سے صداقت اور دیانت کا نام بھی اُٹھ جائیگا۔

منصور کی سادات کشی

منصور کی سادات کشی کا سلسلہ ۱۴۲ھ سے شروع ہوکر اُسکے مرتے دم تک قائم رہا۔ اور پھر اُسکے بعد اُسکی یہ یادگار اُس وقت تک برابر قائم رہی جب تک اُسکی اولاد شہر بغداد میں حکمرانی کرتی رہی منصور نے اس امر کو ایسا ہی ضروری سمجھا کہ شہر بغداد کی تعمیر کو عمدًا چھوڑ کر ۱۴۲ھ میں وہ کوفہ سے ہوتا ہوا مکہ میں آیا۔ مگر اپنی ظالمانہ حرکات کو پوشیدہ رکھنے کے لحاظ سے اُسنے اپنے مکہ آنے کے قصد کو حج بیت اللہ کی نیت سے ظاہر کیا۔ مگر اسکی جو اصلی غرض تھی وہ آخرکار چھپ نہ سکی۔

منصور مکہ سے ہوتا ہوا مدینہ منورہ میں پہنچا اور یہاں پہنچکر اُسنے تمام ذریات حضرت ابیطالب علیہ السلام کے حاضر ہونیکا حکم دیا۔ اُس کی نیت تو یہیں سے معلوم ہوگئی اور اُس کی پوشیدہ عداوت و خصومت اُسکے اسی ایک حکم سے ظاہر ہوگئی۔ اگر اُسکا یہ حکم اُسی اتحاد و یکجہتی کے اصول پر قائم ہوتا جس پر وہ اپنے ابتدائی دعوت کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک ظاہری طور پر کاربند رہنے کا زبانی اقرار کیا کرتا تھا تو پھر آل محمدؐ یا بنی ہاشم سے آل ابیطالب علیہ السلام کی تخصیص و تفریق کی کیا ضرورت تھی۔ اس تخصیص و تفریق سے معلوم ہو گیا کہ انکی حاضری میں شبہہ ہے اور خدشہ۔

آل ابیطالب یا بنی حسن کی گرفتاری

سوائے نفس زکیہ محمد ابن حسن اور اُن کے بھائی ابراہیم کے تمام آل ابیطالب یا بنی حسنؑ حاضر ہوئے۔ منصور نے ان بزرگواروں کو دیکھکر عام حکم دیا کہ عبداللہ محض ابن الحسن (نفس زکیہ کے باپ) تمام بنی حسن کے ساتھ قید کرلئے جائیں۔ حکم کی دیر تھی۔ عامل مدینہ نے سب کو اپنی حراست میں لے لیا۔ اور پابجولاں کرکے سب کو کوفہ کی طرف روانہ کردیا۔ بنی حسنؑ کی گرفتاری کی کیا ضرورت تھی۔ اب شاید اس سوال کے جواب لکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ناظرین خود سمجھ گئے ہونگے کہ اس گرفتاری کا اصلی باعث کیا تھا۔

منصور کو سادات میں سب سے زیادہ خدشا تو بنی حسنؑ ہی کی طرف سے تھا۔ کیونکہ انہیں کو وہ اپنی جماعت میں امر امارت کے لئے منتخب کرچکا تھا۔ اور عبداللہ محض ہی وہ شخص تھے جنہوں نے مشورے والے دن اپنے بیٹے کی امارت کے لئے سب سے پہلے تقریر کی تھی۔ اور منصور نے انہیں کی تقریر کی تائید

کی تھی۔ اور کچھ تائید ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ اس مجمع عام میں سب سے پہلے محمد ہی کی بیعت کر لی تھی۔ منصور کو پورا یقین تھا کہ میری اس بیعت سے عبد اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے معاملات میں قوت و استحکام آگیا ہے اور سادات کے تمام قبیلہ میں جو امور میرے خلاف ہونگے وہ انہیں سے۔ اس لئے ان سب سے پہلے انہیں کی مجموعی قوتوں کو توڑنا اور انکی جماعت کو پریشان کرنا اور تباہی و بربادی کے حدود تک پہنچا دینا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہیں تھیں جنہوں نے سب سے پہلے عبد اللہ محض اور تمام بنی حسنؑ کی گرفتاری کا بندوبست کر دیا اور غریب سادات کو قید خانہ کا منہ دکھلایا۔

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی سرگزشت

منصور ان غریب سادات کو قید کر کے اور عامل مدینہ کے حوالہ کر کے چلتا ہوا۔ اور یہ حکم دیا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس ربذہ بھیجدے کہ میں انکو اپنی ہمراہی میں خود کوفہ تک لیجاؤں۔ ان غریبوں کے احوال کو یہاں تک لکھکر ہم اب محمد اور ابراہیم کے حالات لکھتے ہیں۔

محمد اور ابراہیم نے اپنے قبیلہ کی گرفتاری دیکھکر جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی۔ اور منصور کے خوف سے ان مصیبت زدوں اور وطن آواروں نے پورے چار برس تک جن جانکاہ مصیبتوں اور دلخراش آفتوں میں بسر کی وہ طول طویل آفتوں کی داستانیں اور حسرت و عبرت کے تفصیلوار فسانے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے حجاز کے پہاڑوں۔ خوفناک جنگلوں۔ وحشت خیز ریگستانوں اور دہشت انگیز ویرانوں میں ٹھوکریں کھاتے رہتے۔ دن بھر شاہی جاسوسوں کے خوف سے مجال نہیں تھی کہ اپنی ہیبتناک پوشیدگاہوں سے اپنے قدم باہر نکال سکیں۔ وہ پوشیدگاہیں بھی ایسی مہیب اور خطرناک تھیں کہ انسانی بود و باش کا خیال بھی کبھی اُن تک نہ پہنچا ہوگا۔ وہ مقامات ان وطن آواروں کے لئے جائے امن تو ضرور تھے مگر وہ بذات خاص ایسی دہشت اور خوف کے مقام تھے جہاں ہر دم و ہر لحظہ انکی غریب جانوں کے جانے کا پورا یقین ہوتا تھا۔

بہر حال حجاز سے پھرتا پھراتا یہ قافلہ ساحل عرب پر پہنچا۔ اور چندے شہر عدن میں قیام پذیر ہوا جب وہاں بھی اپنے اطمینان کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو آخر جزیرہ نمائے عرب کو الوداع کہکر یہ مظلوم قافلہ کا قافلہ بحر عرب سے ہوکر ہندوستان کے مغربی ساحل پر آ ترپڑا۔ اور ملک سندھ میں مقیم ہوا۔ قریب قریب دو برس تک یہ لوگ وہیں مقیم رہے۔ مگر یہاں بھی اپنے آرام و آسائش کی کوئی صورت نہیں دیکھی۔ تو آخر کار پھر کوفہ کی طرف لوٹے۔ اور جان کے خوف سے اطراف و جوانب میں چھپتے چھپاتے پھر مدینہ منورہ میں چلے آئے۔

کیا منصور کو انکی خبر نہیں تھی اور کیا وہ انکے تجسس و تلاش سے غافل تھا۔ نہیں ایسا نہیں تھا۔ وہ انکے احوال کو خوب جانتا تھا۔ اور ہمیشہ اُنکی سراغ رسانیوں میں اپنے جاسوس لگا رکھے تھے۔ مگر یہ غریب سادات بھی پورے حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور اس طرح اور ایسے غیر معروف اور ویران مقاموں میں پوشیدہ ہوتے تھے کہ اُنکی بود و باش کا سوتے جاگتے بھی کبھی کسی کو خیال نہیں گزرتا تھا۔

منصور کو ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ اور ان میں بھی محمد کی سب سے زیادہ۔ کیونکہ وہ محمد ہی کو امارت کے لئے منتخب کرکے خود اُسکی بیعت کرچکا تھا۔ اس لئے محمد کا موجود رہنا اور ملک و قوم سے یہ اظہار کرنا کہ منصور وہ شخص ہے جو سب سے پہلے میری بیعت کرچکا ہے اُسکی کوششوں کے لئے کسقدر مضر تھا۔ اس لئے منصور کو اور جلدی تھی کہ کسی نہ کسی طرح محمد کو گرفتار کرکے قتل کردے کہ اس شبہہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔

مگر یہ تو معلوم ہے کہ چار برس سے منصور اُنکو ڈھونڈھ رہا تھا۔ اور یہ کسی طرح نہیں ملتے تھے۔ انکے نہ ملنے سے اُس کے غصہ کی آگ اور بھڑکتی چلی جاتی تھی۔ جب اُسکو سادات کے مدینہ لوٹ آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔

سادات کی روانگی

بغداد کی عمارت جو قریب الاختتام تھی اُسکو چھوڑ کر مکہ پہنچکر غیرت کے مارے مدینہ تو نہ جاسکا۔ مگر راہ میں۔ بغداد سے لیکر مکہ تک جنگلوں میں۔ ویرانوں میں۔ پہاڑوں میں۔ پتا پتا ڈھونڈھا اور تمام سراغ لگایا مگر سادات کا کہیں پتہ نہ پایا۔ آخرکار مکہ سے مدینہ کے عامل کو لکھ بھیجا کہ بنی حسنؑ جو مقید کرکے تیری حراست میں دئیے گئے ہیں اُنکو لیکر مجھ سے راہ میں مل جاؤ۔ تاکہ میں اُنکو اپنے ہمراہ لیکر کوفہ سے ہوتا ہوا بغداد میں قید کردوں۔

بہرحال جس وقت یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا اُنکی عبرت۔ مجبوری اور بیقصوری پر خیال کرکے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر اشکبار اور بیقرار تھا۔ اُنکی عبرتناک روانگی کا منظر ایسا دلخراش اور جانگزا تھا کہ دوست تو دوست دشمن تک اُن کے نظارے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ وہ شرافت و نجابت کی مجسم صورتیں۔ وہ فضیلت و کمال کی بولتی تصویریں جن کے حسن و صورت کی مثالیں دنیا کے مرقع میں مشکل کسے پائی جاتی تھیں۔ اُنکا ایک ایک جوان رعنا اپنی ہمت و دلیری میں تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہو رہا تھا گلے میں طوق پہنے۔ ہاتھ میں دوہری دوہری زنجیریں ڈالے شرم و حجاب سے گردنیں ڈالے۔ سر نہوڑائے۔ لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قافلہ اُن اسیروں کا ہے جو ترک و دیلم یا دیگر مقامات مخالف اسلام سے قید کرکے عبرتِ عام

کی غرض سے شہر کی گلیوں اور کوچوں میں کشاں کشاں پھرائے جاتے ہیں۔

سادات اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب انکی روانگی کا حال جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے گوش زد ہوا تو آپ کے اشفاق و اخلاق میں تحمل باقی نہیں رہا۔ اور اُس وقت آپ نے عبداللہ محض کی اُن غلط فہمیوں کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جو انہوں نے آپ کی موعظت کی نسبت خیال کی تھیں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل کر ایک مکان کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ جہاں سے آپ اُن لوگوں کو دیکھ سکتے تھے مگر وہ لوگ آپ کو نہیں۔ یہ آپ کے اخلاق کریمانہ کے خاص تقاضے تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ ہمیں دیکھکر شرمائیں اور اپنی غلط فہمیوں کے نتیجے معلوم کر کے پہلے سے زیادہ پشیمان و پریشان ہوں۔ بہر حال۔ آپ اس مقام پر تنہا خاموش کھڑے تھے۔ کہ مظلوم سادات کا قافلہ اُسی بیکسی اور مایوسی کی حالت میں جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے اُدھر سے نکلا صلۂ رحم و قرابت کے لحاظ سے آپ سادات کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھکر جن میں کوئی تو پا بزنجیر ہے اور کسی کے طوق گلوگیر ہے۔ کسی کی مشکیں کسی ہیں۔ کسی کے پاؤں اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہیں۔ بیساختہ رونے لگے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ آپ روتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اب شہر مکہ و مدینہ دارالامن نہیں رہے۔ ایسے امور کے سرزد ہونے کے بعد خدائے سبحانہ و تعالےٰ پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے ان دونوں حرموں کی حفاظت کا ذمہ دار بنا رہے۔
اور امام ابوالفرج اصفہانی کے اسناد سے۔ ملا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ کلمات بھی اُسی وقت ارشاد فرمائے تھے کہ خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت خدا محفوظ نہیں رہیگی۔ خدا کی قسم قوم انصار نے جو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد وپیمان کئے تھے اُنکو پورا نہیں کیا۔ یہ امر تحقیق ہو چکا ہے کہ بیعت عقبہ والے دن قوم انصار نے اس امر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ آپ کی اور آپکی ذریت طاہرہ کی اُسی طرح حفاظت و حمایت کرینگے جس طرح اپنے اہل وعیال اور جان و اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے اپنا قول پورا نہ کیا حتےٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ مگر انصار کی اولاد ابھی باقی ہے اور آج اُن میں سے کسی کا ہاتھ آپ کی ذریت کی حفاظت و حمایت میں نہ اُٹھا۔ پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلَی الْاَنْصَارِ۔ پروردگار تو انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔
کتاب کافی میں بھی ایسے ہی کلمات آپ سے منقول ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب اسیروں کا قافلہ مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس دروازے کی طرف سے ہو کر گزرا جسے باب جبرئیل کہتے ہیں تو حضرت

ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہو کر ان مصیبت کے ماروں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہجوم غم والم آپ کے قلب پر مستولی تھا۔ ردا دوش مبارک سے گر گئی تھی۔ اسی حالت میں تین بار آپ نے فرمایا کہ اے معاشر انصار۔ رحمت خدا کبھی تم تک نہ پہنچے۔ آیا اسی اقرار کے ساتھ تم نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ پھر فرمایا کہ میں ان غریبوں کی نصرت پر نہایت حریص تھا۔ مگر قضائے قدر سے چارہ نہیں۔ یہ فرما کر آپ دولتسرا کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن تاہم آپ کی یہ کیفیت ہوئی کہ بند نعلین ٹوٹ گئے اور آپ اُسی طرح ایک نعلین پہنے اور دوسری ہاتھ میں اُٹھائے۔ ردائے مطہر زمین پر گھسٹتی ہوئی۔ مکان تک پہنچ گئے۔ آپ کے اس اضطرار و انتشار کا یہ نتیجہ ہوا کہ طبع ہمایوں ناساز ہو گئی۔ آخر کار ایسی سخت تپ آئی کہ بیس روز تک آپ کو دست و پا کی مطلق خبر نہ رہی اور مرض کی ایسی شدت بڑھی کہ دشمنوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔

کتاب کافی کی ایک دوسری روایت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جب ان اسیروں کا قافلہ اور ان غریب سادات کی محملیں مسجد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچیں تو آپ مسجد سے باہر نکلے اور آپ نے اُس محمل کی طرف جانا چاہا جس پر آپ کے چچا عبداللہ محض حضرت حسن مثنےٰ کے صاحبزادے بیٹھے تھے۔ آپ کا یہ مقصود تھا کہ ان سے کچھ تسکین و تشفی کی باتیں کیجائیں۔ مگر ایک سنگدل سپاہی نے آپ کو اُن تک جانے نہ دیا۔ اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو تمہارا ابھی وہی حال کر دیا جائیگا جو تم ان اسیروں کا دیکھ رہے ہو۔ آپ اُس شقی کی سنگدلی اور بیرحمی دیکھکر واپس آئے۔

راوی حدیث سے مروی ہے کہ یہ قافلہ جنت البقیع تک نہ پہنچا تھا کہ وہ اپنی کردار ناہنجار کی پاداش تک پہنچ گیا۔ قافلہ کے اونٹوں سے ایک اونٹ بھڑکا اور اس زور سے اُس کے لات ماری کہ وہ ایک ہی ضرب میں زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

غیرتمند باپ کی سعادتمند بیٹوں کو نصیحت

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمد اور ابراہیم یہ دونوں صاحب اُس وقت مدینہ میں نہیں تھے۔ بخوف جان ادھر اُدھر پوشیدہ ہو گئے تھے۔ تبدیل لباس کر کے صحرائی عرب کے بھیس میں عباسیوں کی اُس فوج میں آتے تھے جس میں اسیران سادات مقید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار عبداللہ محض سے برابر ملتے تھے۔ باتیں کرتے تھے اور اُن کی تسکین و تشفی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن عبداللہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جوش انتقام میں بیتاب و بیقرار پا کر کہا کہ میں تو اسیر ہو کر چلا۔ تم میں ابھی اتنی قوت کہاں کہ تم بادشاہ وقت سے میری مخلصی کی کوئی فکر کرو نہیں معلوم کہ میری اس گرفتاری کا کیا نتیجہ ہونیوالا ہے۔ اس لئے میں آخری نصیحت تم سے کئے جاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اگر منصور عباسی تمکو عزت سے دنیا

میں زندگی بسر کرنے نہیں دیتا تو عزت سے مرجانے کے لئے تو نہیں روکتا۔ مایوس باپ کے ان حسرت آمیز کلمات نے اپنے دونوں فرزندوں کے دلوں میں غیرت اور حیاداری کے وہ جوش پیدا کر دئے کہ پھر وہ سعادتمند دلیر اور غیرتمند نوجوان مطلق تاب نہ لا سکے۔

عبداللہ اور منصور سے دو دو باتیں

بہرحال ان اسیروں کا قافلہ مقام ربذہ میں آکر منصور کی شاہی فوج سے مل گیا اور وہاں سے منصور کے ہمراہ عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ایک روز اسی حالت سفر میں منصور عباسی نہایت تزک و احتشام سے اسپ دورکابہ پر سوار عبداللہ کی محمل کی طرف سے نکلا۔ انکی یہ حالت تھی کہ اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے اُن زخموں اور رگڑوں کی شدت سے نہایت اضطراب اور بے چینی میں تھے۔ جو اونٹ کی ننگی پیٹھ ہونے کی وجہ سے انکے جسم پر نمودار ہو گئے تھے۔ عبداللہ نے منصور کو اس شان و تجمل سے جاتا ہوا دیکھ اُسے اپنی طرف مخاطب کرکے کہا یا ابوجعفر اھکذا فعلنا بکم یوم بدر وکان مرادہ اسر العباس فی جل لا۔ اے ابوجعفر۔ کیا بدر کی لڑائی والے دن ہمنے تمہارے اسیروں کے ساتھ یہی فعل کیا تھا جو آج تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ اور اس سے حضرت عباس کی اسیری مراد تھی۔ اور یہ دکھلاتا تھا کہ ہمارے جدّ بزرگوار نے تمہارے جدّ بزرگوار کے ساتھ جنگ بدر کے دن کیا ایسے ہی سلوک قائم رکھے تھے۔ بہرحال منصور کو تو یہی منظور تھا۔ اُس نے عبداللہ کی باتوں کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور وہاں سے آگے بڑھتا ہوا چلا گیا۔

سادات کا حبس دوام

سادات کی یہ مقید جماعت کوفہ میں پہنچی۔ منصور نے اُن کو ایسے تیرہ و تاریک قیدخانہ میں بند کیا۔ جہاں مشکل سے دن رات کی تمیز ہو سکتی تھی۔ یہ مصیبت زدہ جماعت اتنے دنوں تک وہاں قید رکھی گئی کہ سب کے سب وہیں فنا ہو گئے۔ اور باستثنائے بعض مقیدین کے کوئی متنفس کوفہ کے بلیک ہول Black Hole سے زندہ نہ نکلا۔ ان کے مارنے اور فنا کرنے کی ترکیبیں بھی نئی نئی تھیں۔ کسی مصیبت زدہ پہ مکان کی چھت گرائی گئی اور وہ اُسکے نیچے دب کر مر گیا۔ کسی بدقسمت پر دیواریں ڈھا دی گئیں اور وہ غریب پس گیا۔ بعض آفت رسیدوں پر دیواریں چُن دی گئیں اور بعضوں پر مینارے۔ بعض مصیبت دیدہ کنوؤں میں گرا دئے گئے اور اُن کو مٹی سے بھر دیا گیا۔ اور بعض غریب بے موت سے اس طرح مرے کہ اُس قیدخانہ میں جو مرتا تھا اُسکا مردہ وہاں سے نکالا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ میت وہیں پڑی سڑا کرتی تھی۔ اور اُس تنگ اور بند سرداب میں سخت اور ناقابل برداشت تعفن پیدا ہو کر وہاں کی ہوا کو سم قاتل

بنا دیتی تھی۔ اُس میں جو زندہ رہتے تھے اُن میں بھی ہوا کی سمیت اثر کر جاتی تھی۔ اُنکے پاؤں پھول جاتے تھے اور ورم بڑھتے بڑھتے تمام اعضائے رئیسہ کے نظام کو خراب کر ڈالتے تھے۔ اور وہ غریب گھُل گھُل کر آخر کار مرجاتے تھے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سادات کُشی میں منصور کیا۔ تمام بنی عباس بنی امیہ کے پورے قائم مقام اور جانشین تھے۔ ہمارے دعوے کے ثبوت میں سادات کے حبس دوام کا تنہا واقعہ پورے طور سے کافی ہے کیا ان واقعات کو پڑھکر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بنی عباس نے سادات پر بنی امیہ سے کم ظلم کیا۔ بنی امیہ کے مظالم سنکر کبھی کسی کو حیرت یا تعجب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ہمیشہ کے دشمن جانی تھے ہاں عباسیوں کے شدائد کو ہر شخص انگشت بہ دنداں ہو کر ضرور دیکھیگا۔ کیونکہ یہ اپنے تھے اور ہمیشہ یگانگت اور قرابت کا دم بھرتے تھے اور ساری دنیا سے رضائے آل محمد اور ولائے اہلبیت علیہم السلام کے دعوے کرتے تھے۔

بہر حال۔ اب یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ قیدخانہ میں ان شریف النسل اور کریم النفس قیدیوں کے کیا مشاغل رہا کرتے تھے۔ اور وہ کن مشغلوں میں اپنی مصیبت کے دن کاٹا کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان حضرات نے تلاوت قرآن مجید کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور اسی ذکر میں اُن کے رات دن بسر ہوتے تھے۔ قیدخانہ میں ایسی تیرگی تھی کہ دن رات میں مطلق فرق نہیں معلوم ہوتا تھا اس لئے ان غریبوں نے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ اور تلاوت ہی کے مقرر کردہ حصوں سے طاعات الٰہی کے معینہ اوقات کا اندازہ لگاتے تھے۔ اور اسی حساب سے اپنی وقت وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں محمد نفس زکیہ کی امارت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی حسن اور تمام آل ابیطالب علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت محمد الملقب بہ نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم پسران عبد اللہ محض روپوش ہو گئے تھے۔ منصور نے ہر چند اُنکی تلاش کی مگر نہ ملے۔ اور اسی طرح گرد و نواح میں سرگردان و پریشان پھرتے رہے۔ علامہ ابن اثیر تو اُنکی جرأت و دلیری میں یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ باوجود اس پر آشوبی اور عام جاسوسی کے محمد و ابراہیم شاہی فوج میں بے دھڑک چلے آتے تھے۔ اور اپنے معتقدین اعزا کے ساتھ ملاقات کرتے تھے۔ اُنکی خاطر و دلجوئی کرتے تھے۔ اور اپنے معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ اور اُنکی راحت و آرام تمام سامان فراہم کر دیتے تھے۔ اور منصور کی فوج میں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

بعض مورخین نے تو اُنکے اظہار جرأت و ہمت میں یہاں تک اضافہ کیا ہے کہ یہ حضرات اپنے اعزا

کے پاس سے ہو کر اکثر منصور کی صحبت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور وہاں کے ذکر و اذکار کو پورے طور سے سنتے تھے۔ اور معلوم کرتے تھے۔ اور اکثر اُسکے ساتھ ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔
بہر حال ایک ایک کرکے ان سادات کے مارے جانے کی کیفیت محمد نفس زکیہ کو معلوم ہوئی۔ اور یہ بھی خبر پہنچی کہ اُنکے تمام اعزا طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر قید خانہ میں مارے جاتے ہیں۔ تو اب محمد کے دل میں ضبط کی قوت باقی نہیں رہی۔ اور وہ ان غریبوں کے نتیجوں کے ساتھ اپنے آئندہ واقعات پر غور کرنے لگے کسی طرف سے اپنی جان بچنے کی صورت نہیں دیکھی تو حفاظت خود اختیاری کے اعتبار سے منصور کے ایسے لاگو دشمن کے حملات کی مدافعت کا پورے طور سے قصد کیا۔ مدینہ کے تمام باشندے ان کے پر حسرت واقعات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ منصور کے ہاتھوں جو ان پر گزرا یا گزر رہا تھا وہ سب ان لوگوں پر ظاہر اور ہویدا تھا۔ محمد نے انہیں لوگوں سے اپنے امر کی استدعا کی اور انکی ذرا سی تحریک پر مدینہ کے تمام باشندے۔ مہاجر و انصار کے یادگار ان کی طرف ہو گئے۔ اور باتفاق خود ہا تمام لوگوں نے ان کی بیعت کرلی۔ محمد نے رفتہ رفتہ مدینہ اور اُسکے اطراف و جوانب میں اپنی حکومت کا رنگ جما لیا۔ اور یہاں کے املاک و رعایا پر انکا کامل تصرف ہو گیا۔ محمد کے اختیار یہیں تک محدود نہیں تھے بلکہ مکہ اور یمن تک اُنکی حکومت اور امارت کا اثر پہنچ گیا تھا۔ محمد نے اپنے دو عامل مقرر کرکے مکہ اور یمن میں بھیجدئے تھے۔ اور یہاں کی رعایا کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ غرض حجاز میں محمد کے تمام کام تھوڑے دنوں میں بخوبی انتظام پا گئے۔

بصرہ میں ابراہیم کی حکومت

ابراہیم کی کارروائیاں یہ ہیں۔ ابراہیم بصرہ میں چلے گئے اور وہاں اُنہوں نے اپنی حکومت کا رنگ جما لیا۔ کوفہ اور بصرہ کے کثیر التعداد لوگوں نے ابراہیم کی بیعت کرلی اور بیرونجات کی بہت سی قومیں انکی مطیع ہوگئیں۔ رفتہ رفتہ ابراہیم کی قوت محمد کے برابر ہوگئی۔ بلکہ ابراہیم کے پاس آدمیوں کی جمعیت محمد سے زیادہ تھی۔ اس لئے اُس کی فوجی قوت محمد کی فوجی طاقت سے بڑھی ہوئی تھی۔
جب ان دونوں بھائیوں کے امور میں ترتیب اور نظام آچلا تو دونوں بھائیوں نے باتفاق خود یہ تجویز کی کہ اسی متفقہ قوت سے ایک بارگی منصور پر خروج کیا جاوے اور جن جن مقامات پر حریف کے مقابلہ کی ضرورت ہو اپنی مجموعی فوج سے کام لیا جاوے۔ مگر انسان تو سوچنے ہی تک کا مالک ہے کرنے نہ کرنے کا خدا مختار ہے۔
سادات بنی حسن اگر تجویز کردہ امور کی تعمیل پر بھی قادر ہو جاتے تو اُنکی ہمت و دلیری اور اُنکی تیاری و مستعدی سے تمام دنیا کو انکی کامیابیوں کا یقین ہو چلا تھا۔ مگر مشیت ایزدی تو عباسیوں کے ہاتھ میں زمام سلطنت

دیگر انکے نفوس کا امتحان اور انکی نیتوں کی آزمائش لینے والی تھی۔ سادات کو فروغ ہوتا تو کیسے اور اُن کا کام بنتا تو کیونکر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد و ابراہیم اپنی تجویز کے مطابق اپنے ارادوں کی تعمیل نہ کر سکے اور ابراہیم کے دفعۃً علیل ہو جانے سے بصرے کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کر سکے۔

منصور سے محمد کا مقابلہ

بصرے کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کر سکے۔ یہاں محمد کے سر پر منصور کی فوج آدھمکی اور محمد کو ابراہیم کے انتظار کی مہلت نہیں ملی۔ آخر کار اُس کو اپنے موجودہ رفقا کے ساتھ منصور کی فوج سے مقابلہ کرنیکی ضرورت ہوئی۔ اس تفرقہ کے واقع ہو جانے سے سادات کے امور میں بہت بڑا نقصان پڑ گیا اگر سابق کی صلاح کے مطابق یہ دونوں بھائی اپنے حریف کے مقابلہ میں اپنی باہمی قوت سے کام لیتے تو اُن کے دست تمنا ضرور شاہد مدعا تک پہنچتے۔ اور وہ اپنے حریف کے مقابل میں ضرور کامیاب ہوتے مگر ایسا نہوا۔

بہرحال جب سادات کے امور مرتب ہو گئے تو منصور کو اسکی خبر لگی۔ اُسنے عیسے ابن موسے کے ہمراہ چار ہزار جرار فوج مدینہ کی طرف روانہ کی۔ یہ لوگ ربیع الثانی ۱۴۵ھ ہجری میں مقام فید پر جو مدینۂ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے جمع ہوئے۔ اور محمد نفس زکیہ اور اُن کے اعوان و انصار کا سراغ لگانے لگے مگر وہ اس میں مطلق کامیاب نہوئے۔

محمد نفس زکیہ نے بھی اپنی جمعیت کو تیار کر لیا۔ اور عیسے کی طرف سے سبقت کا انتظار کرنے لگا۔ عیسے نے حملہ کرنے سے پہلے غنیم کے توڑنے کی ایک دوسری ترکیب نکالی اور وہ مفید ثابت ہوئی جیسا کہ عموماً تاریخوں میں درج ہے کہ عیسے نے ایسے لوگوں کو جو محمد کے مطیع ہو چکے تھے خط لکھے۔ اور اُن سب میں منصور کی طرف سے محمد کی ترک بیعت پر بہت بڑے بڑے گرانمایہ انعام و جاگیرات دینے کے وعدۂ واثق کئے۔ ان مراسلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کی فوج سے نصف لوگ کے قریب بھاگ نکلے۔ ان میں سے کچھ تو عیسے سے جا ملے اور کچھ اپنے مقام پر خاموش بیٹھکر طرفین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔ جب ان ترکیبوں سے عیسے نے محمد کی نصف قوت توڑ ڈالی تو ایکبار ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ ہجری کو اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ محمد نے بھی اپنی ہمراہی جمعیت سے انکا مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مدینہ میں مقام احجار الزیت پر واقع ہوئی۔ محمد نے اس معرکہ میں اپنی شجاعت آبائی کے جوہر دکھلا کر حریف کے بہت سے دلیر اور نبرد آزما جوانوں کو پسپا کر دیا۔ اسی گیرو دار میں حمید ابن قحطبہ نے اپنی نوک نیزہ سے انکا کام تمام کر دیا۔ اور ان کے تمام ہوتے ہی انکی تمام جمعیت منتشر ہو گئی۔

اموال سادات کی ضبطی

عیسےٰ بذاتِ خود منصور ہوکر مدینہ میں آیا اور اولادِ جناب حسنین علیہما السلام کی تمام جائدادیں ایک ایک کر کے ضبط کرلیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغات اور اراضیات بھی اسی عیسےٰ گردی میں نکل گئیں۔ حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہیں امور کے لحاظ سے ان ایام میں سکونت مدینہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور اپنے علاقۂ فرع کو تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں سے اُس وقت تک حرکت نہ فرمائی جب تک کہ شہر میں پھر امن قائم نہ ہو لیا۔ آپ نے اپنی براءت کے ثبوت ہرچند دکھلائے مگر عیسے نے ایک نہ سُنی اور آپ کی جائداد بھی بشمول دیگر مقبوضات سادات ضبط ہی کرلی۔

بوڑھے باپ کے آگے جوان بیٹے کا سر

عیسےٰ نے محمد نفس زکیہ کا سر فتحنامہ کے ساتھ منصور کے پاس بھیجدیا۔ منصور کو محمد کی شکست کی خبر تو مل گئی تھی مگر قتل ہونیکا حال ابھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ اسی عرصہ میں کسی نے اُس سے یہ کہا کہ محمد میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ منصور نے کہا کہ میں اس کو ہرگز باور نہیں کرسکتا کیونکہ میدان جنگ سے بھاگ جانا بنی ہاشم کی عادت اور شان نہیں ہے۔ یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ عیسے کا قاصد محمد کا سر لیکر دربار میں حاضر ہوا۔ ظالم منصور نے سر لیکر یہ قیامت کی کہ محمد کا خون آلود سر اُنکے باپ عبداللہ محض کے پاس قید خانہ میں بھیجدیا جو اُس وقت تک محبس میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ غریب اُس وقت تک نماز میں مصروف تھے۔ اُنکی نظر تو اس شاہی تحفہ پر نہ پڑی مگر اُنکے بھائی ادریس نے یہ خونیں منظر دیکھکر کہا کہ اے ابو محمد نماز کو طول نہ دو۔ یہ دیکھو بادشاہ نے تمہیں تحفہ میں کیا بھیجا ہے۔ غریب عبداللہ نے سلام پھیر کر جو دیکھا تو محمد کا فرق بریدہ پہلو میں رکھا تھا۔ بے اختیار ہو کر اُٹھایا اور اپنے تڑپتے ہوئے دل سے لگا کر کہنے لگے اھلاً وسھلاً یا ابا القاسم۔ اے میرے پارۂ جگر تم بے شک وشبہ اس آیۂ وافی ھدایہ کے مصداق ہو۔ الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق وہ لوگ جو خدا کے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کو قضا نہیں کرتے۔

ربیع نے تعریضاً پوچھا کہ آپ محمد کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں کیا کہونگا۔ مجھ سے پہلے ایک شاعر ان کے متعلق لکھ گیا ہے ؎

فتی کان یحمیہ من الذل سیفہ ؎ ویکفیہ ان یاتی الذنوب اجتنابھا

یعنی وہ ایک ایسا جوانمرد تھا کہ اسکی تلوار ذلیل وخوار ہونے سے اُسکی حمایت کرتی ہے۔ اسکی پرہیزگاری اُسکو

ارتکاب گناہاں سے بچاتی ہے۔
پھر ربیع سے کہا کہ منصور سے جاکر کہہ دیجیو کہ ہم تو مقتول ہو چکے۔ اب ہمارے بعد تمہاری باری ہے۔ قیامت میں ہماری تمہاری ملاقات ہونیوالی ہے۔
تاریخوں کا بالاتفاق یہ بیان ہے کہ یہ کہکر اُس ستم رسیدہ اور غمدیدہ باپ کے ضعیف قلب پر جوان بیٹے کے مرنے کا ایسا دھکا پہنچا کہ اُسکی روح پرواز کرگئی اور ایک آہ کے ساتھ دم نکل گیا۔

منصور سے ابراہیم کا مقابلہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ محمد سے زیادہ ابراہیم کے امور میں نظام اور درستی آگئی تھی۔ ابراہیم نے اپنے موجودہ اعوان و انصار کے زور سے پہلے ہی بصرہ اور وہاں کے بیت المال پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور منصور کے عامل ابوسفیان ابن معویہ کو وہاں سے نکالدیا تھا۔ بصرہ پر اپنا قبضہ مستحکم کرکے ابراہیم نے اہواز۔ واسط اور فارس میں بھی اپنے عمال بھیجدیئے تھے۔ ان لوگوں نے ان مقامات پر پہنچکو بنی حسن کی حکومت کا اثر ضرور پہنچادیا تھا اور وہاں کی رعایا کو سادات کا مطیع و منقاد بنادیا تھا۔
ابراہیم کے امور روز بروز مستحکم ہوتے جاتے تھے۔ اور اُسکی قوت یوماً فیوماً ترقی کرتی جاتی تھی منصور اسکے حالات سُنسنکر نہایت متردد ہو رہا تھا۔ دن کی غذا رات کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ غایت درجہ کے انتشار اور نہایت درجہ کے اضطرار میں گرفتار تھا۔ تعمیر بغداد کا کام چھوڑ چھاڑ کر کوفہ میں مقیم تھا۔ اور ہزاروں ترکیبیں کر رہا تھا۔ اور سیکڑوں چالیں چل رہا تھا۔ مگر کوئی تدبیر مفید کار نہیں ہوتی تھی۔ برابر وحشتناک اور دہشت خیز خبریں آرہی تھیں کہ آج اہواز ہاتھ سے نکل گیا۔ کل واسط گیا گذرا ہوا۔ فارس پر غنیم نے قبضہ کرلیا۔ بصرہ کی مسجد۔ بیت المال اور دارالامارہ پر وہ متصرف ہوگیا۔
ان کے علاوہ اُسکو سواد کوفہ کی طرف سے بھی سخت اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اور خاص شہر کوفہ کی رعایا کی جانب سے علٰحدہ مشکوک اور مشتبہ تھا کیونکہ شہر میں ایک لاکھ آدمیوں کی ایسی مخصوص جماعت تھی جو ذرا سے اِدھر اُدھر ہونے پر بگڑ جاتی۔ اور انکے ہتھے سے اُکھڑ جاتی۔ غرضکہ منصور اُس وقت چاروں طرف سے انتشار و اضطرار کے سخت پنجوں میں گرفتار تھا۔ اُسکے انتشار و اضطرار کی موجودہ کیفیتوں میں اسلامی مورخین لکھتے ہیں کہ۔
منصور نے ان ایام میں بستر نرم پر لیٹنا چھوڑ دیا تھا۔ دن بھر مصلّے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور رات دن اُسی پر پڑا رہتا تھا۔ ایک میلا سا کُرتا بدن میں ڈالے تھا جس کے گریبان پر میل جما ہوا صاف دکھلائی دیتا تھا۔ باہر آکر دربار میں بیٹھتا تو اُس کرتے پر ایک سیاہ عبا اوڑھ لیتا۔ پھر اندر جاتا تو اُس سیاہ عبا کو اُتار دیتا۔ منصور نے پچاس روز اسی حِلّہ میں کاٹے۔
جب منصور نے کسی طرح سے کشود کار نہیں دیکھی تو آخرکار عیسےٰ کو مدینہ سے بلوایا۔ عیسےٰ بغیر حج و عمرہ کے مکہ

سے منصور کا خط پاتے ہی اُس کے پاس چلا آیا۔ ادھر منصور کا قاصد عیسےٰ کے پاس گیا اُدھر ابراہیم اپنی جمعیت کے ساتھ کوفہ پہنچا۔ منصور کے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔ الغرض ابراہیم مقام الحمراء میں خیمہ زن تھا کہ اُسے عیسےٰ کا وہ لشکر ملا جو منصور کی کمک میں مدینہ سے آرہا تھا۔ مقام الحمراء پر جانبین سے مقابلہ کی ٹھہر گئی۔ اور شدت سے موت کا بازار گرم ہوا۔ لوہے پر لوہا اور لاش پر لاش گرنے لگی۔ ابھی تک ابراہیم کو عباسیوں کی فوج پر پورا غلبہ حاصل تھا۔
میدان جنگ کی ہر گھڑی کی خبر منصور کو پہنچا کرتی تھی۔ وہ ابراہیم کے غلبہ کی کیفیت سنکر پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو گیا۔ اور وہ بدعقیدت حالت اضطراب میں اپنے لبہائے حیرت کاٹ کر کہنے لگا کہ کہاں ہیں آج اُن کے صادق (معاذ اللہ) اور اُنکی وہ خبر کہ سلطنت عباسیوں کی ہوگی۔ اور انکے لڑکے اس سے اسطرح کھیلینگے جس طرح بچے معمولی گیند سے کھیلتے ہیں۔ کتاب کے ناظرین منصور کے دلی اضطرار اور قلبی انتشار کا اندازہ صرف اسی ایک واقعہ سے پورے طور پر کرسکتے ہیں۔ کہ وہ اُس وقت کیسے تردد میں مبتلا تھا۔ پہلے اس کے ہم علامہ ابو الفرج اصفہانی کے اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی بنی عباس کی سلطنت کی بشارت سنکر منصور کو اپنے بادشاہ ہو جانیکا اُسی دن سے یقین کامل ہو چکا تھا۔ مگر اگر حقیقتاً منصور راسخ العقیدہ اور مستقیم الارادہ ہوتا تو چاہیے جو ہوتا وہ اپنے یقین پر قائم رہتا۔ مگر اُس کے دل میں امام علیہ السلام کی طرف سے خلوص تو تھا ہی نہیں۔ ایک ذرا سے انتشار پر اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔ اور جس مقدس بزرگوار کو وہ راست گو اور صادق القول اور معتبر البیان یقین کرچکا تھا اُنہیں کو اُس وقت (معاذ اللہ) دروغگو سمجھنے لگا۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ حالانکہ محمد کے قتل سے اُس کو آپ کی بشارتوں کی نصف تصدیق ہو گئی تھی۔ مگر تاہم اُس کے خبیث نفس کا کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تھا۔
بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ ابراہیم کی فوج نے عباسیوں کے مقابلہ میں ایسی جرأت و ہمت دکھلائی کہ عیسےٰ کی ہمراہی فوج پسپا ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہونے لگی۔ عباسیوں کو شکست ہوئی تو ابراہیم کی فوج نے حسب دستور انکا تعاقب شروع کیا۔ مگر جنگ دو سر دارد۔ اسی کو کہتے ہیں۔ اور ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد + انہیں مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فوج کو حریف کا تعاقب کرتا ہوا دیکھکر ابراہیم نے اپنی رحمدلی اور اخلاق کے تقاضہ سے تمام لشکر میں منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جاوے۔ افسوس ابراہیم کے یہ محاسن سلوک حریف کے لئے تو ہر قرینہ سے مفید نکلے۔ مگر خود اُن کے مقاصد کے واسطے از حد مضر ثابت ہوئے۔
ابراہیم کا لشکر اپنے امیر کا یہ حکم سنکر تو پیچھے پاؤں لوٹا اُدھر اس موقع کو غنیمت سمجھکر عیسےٰ نے بھی اپنے برخاستہ خاطر لشکر کو فوراً سنبھالا۔ اور پھر تازہ دم کر کے اُنہیں لوٹنے والوں پر یکایک ٹوٹ پڑا۔ ابراہیم

کی فوج تو اپنی لڑائی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرکے منصور و مسرور واپس ہو رہی تھی۔ اُن کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ ان حملات میں یکایک ایسا گرفتار ہو گئے اور ایسے سراسیمہ اور حیران کہ اب اُنکے بنائے کچھ نہ بنی۔ کہاں تو وہ خود فتحمند و منصور تھے۔ کہاں خود مجبور و محصور ہو گئے۔ الغرض ابراہیم کی تمام جمعیت منتشر ہو گئی۔ ابراہیم نے اسی حالت میں بچکر نکل جانے کو اپنے لئے مصلحت نہ جانا۔ اور تلوار بلند کر حریف کا رو در رو مقابلہ کیا۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی اُس آخری وصیت کو کہ "اگر منصور تمہیں دنیا میں حضیت سے رہنے نہیں دیتا تو خوداری سے مرجانے کے لئے بھی تو نہیں روکتا" پورا کر دکھلایا۔ ایک عباسی کی ضرب شمشیر نے ابراہیم کا کام تمام کر دیا۔ ابراہیم کی شہادت ۲۵ ذیقعدہ دوشنبہ کے دن ۱۴۵ھ میں واقع ہوئی۔ ابراہیم وہ بزرگ تھے جو پورے پانچ برس تک منصور سے روپوش رہے اور وہ انکی گرفتاری اور سراغ رسانی میں باوجود اتنی قدرت و قوت رکھنے کے کامیاب نہ ہو سکا۔ ابراہیم فہم و فراست اور عقل و کیاست میں یگانہ اور محسود زمانہ ہو رہے تھے۔

منصور کی آئندہ سادات کشی

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم ابنائے عبداللہ ابن حسن تو ختم ہو چکے۔ مگر منصور کی سادات کشی کا سلسلہ تمام نہیں ہوا۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اُسکی عداوت سے اگر کوئی شخص خاص مقصود ہوتا تو وہ البتہ اُس کو تمام کرکے اپنی خصومت اور مخالفت کو بھی ختم کر دیتا۔ اور محمد و ابراہیم کو ختم کرکے جو اُسکی خصومت کے اصلی باعث تھے۔ بقیہ سادات کے خون ناحق سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اُس کے مظالم کسی شخص خاص کے لئے محدود نہیں تھے بلکہ وہ عام طور سے تمام سادات کو قابل عقوبت اور واجب القتل سمجھتا تھا۔ اسی لئے اُسنے سادات کشی کو عموماً اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اور جس وقت یا جس مقام پر اُسکو سادات ملے اُنکو جس حیلہ اور جس تدبیر سے ہوا قتل کرایا۔ اپنے ممالک محروسہ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جہاں کہیں سادات کا وجود ثابت ہوا منصور نے اُنکے قتل و استیصال کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ اور آخر کار اُنکو باہی چھوڑا۔ اُس کے ان مظالم و شدائد کے واقعات اس وقت اس کثرت سے ہمارے پیش نظر ہیں کہ اگر ہم اُنکو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرنا چاہیں تو ہماری تالیف کا موجودہ حصہ سادات کے مصائب کا ایک مرتب اور مکمل دفتر ہو جائیگا۔ اور غالباً ہم کو اپنے مدعائے تالیف سے علحدہ ہو جانا پڑیگا۔ جو ہماری موجودہ تالیفی ضرورتوں کے لئے ناموزوں اور نامناسب خیال کیا جائیگا۔

اس لئے ہم اُن حالات کی تفصیل سے قطع نظر کرکے صرف بقیہ سادات بنی حسن کی عبرتناک سرگذشت بیان کرتے ہیں۔ جن کے احوال کا تفصیلی سلسلہ ہمارے موجودہ حصہ تالیف کا اصلی مقصود قرار پا چکا ہے۔

مگر قبل اسکے کہ ہم ان غریب سادات کی مصیبتوں کے دفتر کھولیں۔ ہم منصور کے مظالم و شدائد کی حالت کا صحیح اور سچا فوٹو ناظرین کتاب کے آگے پیش کرتے ہیں۔

مظالم منصور کا سچا فوٹو

تمام تاریخوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ منصور کو جب کسی شخص کا قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اپنے محل شاہی کے اس ایوان میں آبیٹھتا تھا جسکا نام قصر الحمراء تھا۔ اور حکم خون کی رعایت سے اُسکی دیواریں۔ چھت اور کواڑے وغیرہ۔ غرض تمام چیزیں سرخ رنگی ہوئی تھیں۔ اُس دن منصور بھی سرخ لباس میں آتا تھا۔ بعض مورخین نے اس عمارت کا نام مذبح بھی لکھا ہے۔ بہرحال منصور قصر الحمرا یا ایوان مذبح میں حکم قتل جاری کرنے کے لئے اس وضع اور لباس سے آتا تھا کہ اُسکا چہرہ آتش غیظ و غضب سے لال بھبھوکا بنا رہتا تھا۔ اُسکی دونوں آنکھیں دو خون کے بھرے پیالوں کی طرح سرخ دکھائی دیتی تھیں۔ اُسکے تمام بدن کے بال جو پوشش کی وجہ سے چھپ نہیں سکتے تھے اُسکی جلد پر کانٹوں کی طرح ظاہر اور نمودار ہوتے تھے۔ اُسکی لمبی ناک کے دونوں نتھنے اور اُس کے ہونٹھوں کے بالائی حصوں میں برابر حرکت معلوم ہوتی تھی۔ اور اُس کے تمام جسم میں ایک گونہ حرکت محسوس ہوا کرتی تھی۔

وہ اس شان و صورت سے برآمد ہو کر تخت حکومت پر بیٹھتا تھا۔ اور بغیر کسی پرسش یا کہے سُنے قتل کے حکم دیا کرتا تھا۔ مقتولین کو کچھ عرض کرنے یا اپنی برارت پیش کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ ایسے مجرمین کو ایسے عرض و معروض کی مہلت یا اجازت دی جاتی تھی۔ اُسکا فوری حکم بجلی تھا۔ نکلا اور ختم کیا۔ اُس کے ساتھ کے خاص خاص بیٹھنے والے اُس سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ اے امیر آپ تو رعایا کے ساتھ ایسی سختی سے پیش آتے ہیں گویا عفو و بخشش کا لفظ کبھی آپ کے کانوں تک نہ آیا ہوگا منصور انکے جواب میں کہا کرتا تھا کہ کل کی بات ہے کہ ہم انہیں لوگوں کے ساتھ عام رعایا کی طرح بسر کرتے تھے ہمارا رعب اب ان میں اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ان کو سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اور عفو و بخشش کا نام ہی بھول جائیں۔

بہرحال جس شخص کے مظالم۔ شدائد اور مفاسد اس درجہ تک پہنچ گئے ہوں اور جس کی طبیعت بے دردی اور بیرحمی کی اسقدر خوگر اور عادی ہوگئی ہو جو عفو و بخشش کو بالکل بھول گیا ہو پھر اُسکی عداوت۔ شقاوت اور خونخواریوں کا کیا ٹھکانا۔

سادات بنی حسنؑ کے بقیہ لوگوں کی تباہی و بربادی

علی ابن محمد ابن حسن دیباج کا قتل۔ بہرحال اتنی تمہید لکھکر ہم منصور کے اُن مظالم کو

لکھتے ہیں جو اُسنے سادات بنی حسن کی غریب جانوں پر ڈھائے۔ ان میں سب سے پہلے علی ابن محمد ابن حسن دیباج کے پر درد حالات قلم بند کرتے ہیں۔ یہ غریب مدینہ سے مقید کرکے کوفہ میں جب منصور کے سامنے لائے گئے تو اس بیدرد نے انکے ساتھ پہلے سخت کلامی شروع کی۔ جب اس میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور اس بزرگ شریف النسل اور عظیم الخلق کی طرف سے اسکا جواب کچھ نہ ملا تو انکو چار سو تازیانے لگائے گئے۔ جن کی ضرب سے آپ کے تمام جسم کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ جس وقت انکے بدن سے کرتا اُتارنے لگے تو کرتے کے ساتھ جلد بدن بھی اُتر آئی۔ چنانچہ امام ابو الفرج اصبہانی تحریر فرماتے ہیں۔ القی علیہ قمیصا غلیظا ثم نزعہ فخرج جلدہ معہ یہ اُس دن موٹا کپڑا اپہنے ہوئے تھے۔ جب وہ اُتارا گیا تو اس کے ساتھ جلد بدن بھی اُتاری گئی۔
ضرب تازیانہ میں سے ایک ضرب انکی آنکھ پر بھی بیٹھی تھی کہ انکی آنکھ کو بیکار کرگئی۔ ان سفاکیوں پر بھی منصور نے بس نہیں کی۔ اُسنے پھر انکو انہیں زخمہائے تازہ کے ساتھ اپنے قصر کی اُس دیوار میں کھڑا چنوا دیا جو اُس زمانے میں زیر تعمیر تھا۔

عباس ابن حسن کا قتل

عبداللہ ابن حسن کے ایک بھائی کا نام عباس تھا۔ یہ اپنے تمام بھائیوں میں کمسن تھے۔ لیکن بڑے قبول صورت انکی ماں عائشہ نامی طلحہ کی بیٹی تھیں۔ منصور کے سپاہیوں نے جب انکو گرفتار کیا تو بیقرار ہو کر ماں نکل آئی۔ اور اُن بیرحموں سے ہزار منت و سماجت کی کہ عباس کو چھوڑ دو۔ مگر وہ ایسے کیا تھے جو کسی کی فریاد سُننے۔ آخرکار مصیبت زدہ ماں نے اُن ظالموں سے کہا باللہ دعونی اشمہ مجھ کو اتنی اجازت دو کہ میں صرف اسکی بو سونگھ لوں۔ مگر اُن سنگدلوں نے اسکی فریاد و فغاں کو نہ سُنا اور عباس کو نہایت سختی سے کھینچتے لیگئے۔ منصور نے پہلے تو انکو قید کیا۔ پھر بعد چندے قید سے نکالکر قتل کرا دیا۔
عمر ابن حسن المثنےٰ۔ عبداللہ ابن حسن کے بھائی اور محمد نفس زکیہ کے چچا تھے۔ انکو بھی منصور نے قتل کیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی السفاح بہت قدر و منزلت کرتا تھا اور یہ اُس کے مخصوصین میں شمار ہوتے تھے۔ مگر منصور کے مظالم نے انکے اوصاف و درجات کی کوئی قدر و لحاظ نہیں کیا۔ محمد نفس زکیہ کے قتل کے بعد انکو بھی فوراً قتل کرا دیا۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی بربادی

محمد نفس زکیہ نے اپنے تسلط کے زمانہ میں اپنے کئی بیٹوں اور بھائیوں کو دیگر مقامات میں اپنے امور کے استحکام کے لئے بھیجا تھا۔ انکے ایک لڑکے کا نام علی ابن محمد تھا۔ دوسرے کا عبداللہ۔

علی اور عبداللہ فرزندان نفس زکیہ کی سرگزشت

علی ابن محمد مصر میں گرفتار کئے گئے اور منصور کے حکم سے وہیں قتل کئے گئے۔
ان کے دوسرے بیٹے عبداللہ تھے جو خراسان میں جاکر روپوش ہوئے جب انکی تلاش وہاں ہوئی تو یہ سندھ کی طرف نکل گئے۔ اور پھر انکا پتہ نہ ملا۔ مگر بعض تاریخیں یہ بتلاتی ہیں کہ کشمیر کی لڑائی میں عبداللہ مارے گئے سندھ ہو یا کشمیر۔ اس میں کلام نہیں کہ انکی شہادت ہندوستان کی سرزمین پر واقع ہوئی۔ اور بنی فاطمہ کا سب سے پہلا خون ہندوستان میں یہی تھا۔ جو گرایا گیا۔ علاقہ سندھ اور عموماً ہندوستان کے مغربی ساحل کے اکثر مقامات عباسیہ خلفاء کے زیر اثر آچکے تھے اس وجہ سے منصور کو عبداللہ کے قتل میں اگر فارس میں دسترس نہ مل سکا تھا تو ہندوستان میں اُسنے انکا خاتمہ کرادیا۔
انکے ساتھ انکے چچا عیسیٰ ابن عبداللہ زید بھی تھے۔ جب عبداللہ مارے گئے تو یہ ہندوستان کے مختلف مقامات میں مدت تک پوشیدہ رہا کئے۔ اور منصور کے خوف سے عرب میں لوٹ آنے کا قصد نہ کرتے تھے جب منصور کے مرنے کی خبر انکو پہنچ گئی تو یہ اُس کے بیٹے مہدی کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں لوٹ آئے۔ ہم انکا حال انشاءاللہ پوری تفصیل کے ساتھ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حال میں لکھیں گے۔ چوتھے بیٹے حسن تھے وہ یمن کے قیدخانہ میں مرے۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی سرگزشت

یہ تو ان کے بیٹوں کی سرگزشت تھی جو لکھی گئی۔ اب بھائیوں کی روئداد یہ ہے کہ محمد کے ایک بھائی کا نام موسیٰ ابن عبداللہ۔ دوسرے کا نام یحییٰ تھا۔ موسیٰ جزیرہ کی طرف اور یحییٰ رے اور طبرستان کی طرف نکل گئے اور بخوف جان ہارون الرشید کے زمانہ تک پوشیدہ رہے۔
انکے تیسرے بھائی ادریس ابن عبداللہ دیار مغرب کی طرف نکل گئے۔ وہاں کے باشندے اُنسے برفق و مدارا پیش آئے اور انکے مطیع و منقاد بھی ہوئے۔ مگر منصور نے اپنے خاص غلام کو بھیجکر ادریس کو کسی حیلہ سے وہیں قتل کرادیا۔

یہ تو وہ سادات تھے جو عبداللہ اور محمد کے خاص اولاد سے تھے۔ انہیں لوگوں پر منصور نے بس نہیں کی اُسنے اپنی تمام عمر سادات کے تجسس و تلاش میں بسر کرڈالی۔ اور جب اُسکو کوئی سید ہاتھ لگ گیا اُسکو قتل کرڈالا۔ یا دیواروں میں چنوادیا۔ چنانچہ صاحب لسان الواعظین کی یہ عبارت جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اسکی شاہد ہے۔ وہو ہذا۔
منصور مسجدے در بغداد ساخت کہ اساس انرا جساد سادات بنی فاطمہ علیہم السلام مستحکم ساخت و در

قلعہ شہر رے نیز بسیارے را در بنیاد نہاد۔
بہر حال سادات کشی منصور کی خاص عادت ہوگئی تھی اور سیدوں کا خون اُسکے مُنہ سے لگ گیا تھا اور اس مادۂ خاص میں اُسکی مثال اُن وحشی اور جنگلی بہائم کے ایسی پائی جاتی ہے جو مردم خوار اور حد سے زیادہ خونخوار ہوجاتے ہیں۔ اس کی خونخواری اور ستمگاری کی ایک پُر درد مثال نمونہ کے طور پہ ذیل میں قلمبند کی جاتی ہے۔

ایک کمسن سید کی سزا

مُلّا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں لکھتے ہیں کہ منصور جس زمانہ میں بغداد کی عمارت بنواتا تھا تو جتنے سادات اولاد امیر المومنین علیہ السلام و ذریات سائر ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے پکڑ آتے تھے وہ اُن سب کو اُس عمارت کی دیواروں اور ستونوں میں چنوا دیتا تھا اور اُن کو مصالح اور چونے سے مستحکم کرا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ بغداد کی ایک مسجد کی پوری بنیاد سادات کی لاشوں سے پاٹ دی گئی اور انہیں لاشوں پہ مسجد کی عمارت قائم کی گئی۔ شہر رے کے قلعہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ اُسکی دیواروں اور ستونوں میں بھی سادات چُنے ہوئے ہیں۔ شہر بغداد کا موجودہ گمرک (مکان دفر چنگی) کے متعلق بھی خاص وہیں کے باشندے ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

انہیں ایام میں ایک دن منصور کے سپاہی اولاد امام حسن علیہ السلام کے ایک قبول صورت لڑکے کو جو ہنوز سن رشد تک نہیں پہنچا تھا پکڑ لائے۔ منصور نے حسب دستور معمار کے سپرد کر دیا کہ اسکو بھی کسی ستون میں چُن دے۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ آدمی کو مقرر کر دیا کہ وہ معمار پہ نگراں رہے۔ تاکہ وہ اُسکے سامنے حکم شاہی کی تعمیل کر دے۔

معمار صاحب اولاد تھا۔ اسکا دل اُس فرزند خوش جمال کو دیکھکر بھر آیا۔ اُسنے اُس ستون میں اُس معصوم کو چُن تو دیا مگر ایک سوراخ آمد و رفت ہوا کے لئے چھوڑ دیا تاکہ اُسکی ہلاکت کا باعث نہو۔ اور چپکے سے اُس صاحبزادے کے کان میں کہدیا کہ تم گھبرانا مت۔ ہم شب کے وقت آکر تمکو اس ستون سے نکال لیجائینگے۔ تمہارے زندہ رہنے کے لئے ہم نے اس میں ایک سوراخ رکھ چھوڑا ہے۔ جس سے ہوا کی آمد و رفت برابر جاری رہیگی۔ جو تمہاری بقائے روح کے لئے کافی ہوگی۔

بہر حال دن تمام ہوگیا تو معمار کام چھوڑ کر گھر چلا آیا۔ اور نصف شب کے وقت جب تمام سناٹا ہوگیا تو معمار اپنے گھر سے اُٹھا اور اُس ستون کے پاس پہنچا۔ اُس معصوم سید کو اُس سے نکالا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اب تم اتنی مہربانی کرو کہ ہم اور ہمارے زیر حکم کام کرنیوالے نہ قتل کئے جاویں۔
معمار کا اس سے کیا مطلب تھا۔ اُسکا یہ مدعا تھا کہ تم یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اگر رہوگے تو لوگ دیکھکر

منصور سے کہدینگے۔ اور وہ ہمکو اور ہمارے ماننے والوں کو مار ڈالیگا۔ پھر اُسنے مفصل طور پر اُس معصوم سید کو سمجھادیا کہ بہ تبدیل لباس اس شہر سے کسی طرف نکل جاؤ۔ میں جو اس تیرہ و تاریک شب میں آیا اور اپنے آپکو اس معرض ہلاکت میں ڈالا وہ صرف اسی غرض سے کہ میرے ہاتھ تمہارے خون سے نہ رنگین ہوں جنکے سبب تمہارے جد بزرگوار فردائے قیامت میں مجھ سے تمہارا معاوضہ لینے پر آمادہ ہوں۔

اُس معصوم سید نے معمار کے کلام سنکر اُسکی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر تیری صلاح ہو تو میں اپنی ماں کے پاس چلا جاؤں۔ مگر معمار نے منصور کے جاسوسوں کے خیال سے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور سید کو منع کیا۔ صاحبزادے نے کہا۔ بہتر۔ اگر تو میرے ماں پاس جانے کو مصلحت نہیں سمجھتا تو میں جاؤنگا مگر جہاں تو نے اتنے احسان میرے ساتھ کئے ہیں میرے حال پر اتنا احسان اور فرمادے کہ یہ میرے دونوں گیسو کاٹ لے اور انکو اپنے پاس رکھلے جب کبھی میری آفت رسیدہ اور مصیبت دیدہ ماں سے ملاقات ہو تو میرے زندہ رہنے کی خبر اُس سے کہدیجیو۔ اور یہ دونوں گیسو اُسکو نشانی کے طور پر دیدیجیو کہ انہیں سے وہ اپنے دل بیتاب و بیقرار کی تسلی کریگی۔

اتنا کہکر اُس صاحبزادے نے اپنے دونوں گیسو کاٹے اور معمار کے حوالے کئے۔ اور وہاں سے تبدیل لباس کرکے رات کی تاریکی میں کسی طرف نکل گیا۔ وہ خوش عقیدہ معمار اُس غریب سید کی امانت لیکر گھر واپس آیا اور صبح کو اُسکی ماں کی تلاش میں نکلا۔ اتفاقاً ایک دروازہ پر پہنچا جسکے اندر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اسنے دق الباب کیا۔ ایک ضعیفہ تشریف لائی۔ معمار نے اُس سے حال دریافت کیا تو اُسنے اپنے یوسف گمگشتہ کی ساری داستان کہہ سُنائی۔ معمار نے ساری روئداد سنکر اُسکی تسکین و تشفی کی اور کہا کہ آپکا فرزند بحمدہ تعالیٰ زندہ ہے۔ پھر اُس معصوم کی امانت دیکر سارا ماجرا اُس سے کہدیا۔ اُس ضعیفہ نے خوش ہوکر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور اُس معمار کو ہزاروں دعائیں دیں۔

داؤد ابن حسن مثنےٰ کی سرگذشت

حسن مثنےٰ کے ایک صاحبزادے کا نام داؤد تھا۔ اور یہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ سادات بنی حسنؑ کی گرفتاری کے وقت یہ بھی گرفتار ہوئے اور گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر پہنکر عراق کی طرف روانہ کئے گئے۔

داؤد کی ماں جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رضاعی ماں ہوتی تھیں اپنے فرزند کی مفارقت میں ایسی بیقرار تھیں کہ اُنکی حالت زار دیکھنے والوں سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اور تمام اتقیاء و صلحا کے پاس اُس کی مخلصی کے لئے وہ التجا اور استدعا پیش کرتی تھیں۔

اسی اثناء میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ علیل ہوئے۔ حضرت اُمّ داؤد۔ آپکی عیادت

کے لئے حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ میرے بھائی داؤد کی اسیری کا کیا نتیجہ نکلا۔ اُم داؤد نے عرض کی۔ مجھے کیا معلوم وہ تو منصور کے قید خانہ میں ابھی تک مقید ہے۔ یہ سنکر آپ از حد غمگین وملول ہوئے اور اُمّ داؤد کو اُسیوقت دعائے استفتاح تعلیم فرمائی۔ حضرت اُمّ داؤد نے اس دعا کو پڑھا۔ پڑھنے سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد۔ داؤد قید سے چھوٹ کر اپنی ماں کے پاس مدینہ میں آگئے یہ دعا عمل اُمّ داؤد کے نام سے شیعوں کے تمام اعمال کتب میں مرقوم ہے اور کشود مہمات وانجح مطالب کے لئے تیر بہدف ہے۔

یہ تھے منصور کی سادات کشی اور سفاکیوں کے حالات۔ جو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔ اب سنیے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور حقیقت میں کسی کا دوست اور شریک نہیں تھا۔ اگر وہ شریک تھا تو اپنی ضرورت کے وقت تک۔ کام نکل جانے کے بعد اور ضرورت رفع ہو جانے کے بعد۔ چاہے اُسکا کوئی کیسا ہی عزیز ہو اور قریب نہ ہو۔ وہ کسی کو نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ ذرا سا شبہ ہوا اور قتل کیا گیا اس بیدرد کا خون بالکل سفید ہو گیا تھا۔ وہ اپنی خود غرضی کے آگے کسی عزیز یا قریب کی رعایت نہیں کرتا تھا سادات بنی حسنؑ بھی اگرچہ عزیز تھے۔ مگر تاہم سلسلۂ انساب میں باخود ہا کئی پشتوں سے مفارقت ہو گئی تھی منصور نے اپنے چچا اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ ہی۔ اپنے کام نکال لینے کے بعد ایسے ستم ڈھائے اور اُن کو بھی وہ صدمے پہنچائے کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل ہل گئے۔

عیسےٰ ابن موسیٰ پر سختی

اِس کی ابتدائے حکومت میں جس طرح ابومسلم نے اس کی حکومت کو خانہ جنگی کی مصیبتوں سے بچایا تھا اُسی طرح عیسےٰ ابن موسےٰ نے اپنی تنہا کوششوں سے محمدؑ اور ابراہیمؑ کی مہمات کو سر کر کے مدینہ منورہ اور بصرہ کے اگلے گزرے علاقوں کو پھر اس کے مقبوضات میں ملا دیا۔ ابھی کے دن ہوئے تھے کہ منصور نے ابراہیمؑ کی مہم میں پریشان ہو کر عیسےٰ ابن موسےٰ کو کس خلوص اور محبت سے اپنی کمک میں بلایا تھا مگر جب کام نکل گیا اور ضرورت رفع ہو گئی تو پھر کہاں کے عیسیٰ اور کہاں اُن کی خدمات سب بالائے طاق عیسےٰ کی طرف سے جو اُس کے دل میں خلش لگی ہوئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ابتدائے سلطنت میں منصور نے عیسےٰ کو اپنی ولیعہدی کے لئے نامزد کیا تھا۔ مگر آگے چلکر جب حکومت و امارت اپنے گھر میں قائم رکھنے کا خیال اسے پیدا ہوا تو عیسےٰ کے نکال لینے کی فکر کرنے لگا۔ اسیوجہ سے عیسےٰ کو ہمیشہ معرکہائے جنگ میں بھیجا کرتا تھا کہ اس کا خاتمہ ہو جاوے تو میرے بیٹے مہدی کے لئے رستہ صاف ہو جاوے اِس کا یہ ارادہ اِس کے اُس قول سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ جو اُس نے عیسےٰ کی نسبت اُسوقت کہا تھا جسوقت وہ اُسے محمد نفس زکیہ کی مہم پر بھیج رہا تھا۔ اُس نے اِس موقع پر اپنے مخصوصین سے کہہ سکتا تھا

ایاً ما لی لہما تقبل صاحبہ ان دونوں میں سے جو بار جاوے (محمد یا عیسٰے) تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اس سے یہ مراد تھی کہ اگر عیسٰے کے ہاتھ سے محمد مارے گئے تو مدینہ کے اندیشے رفع ہو جائینگے اور اگر محمد کے ہاتھ سے عیسٰے مارے گئے تو میرے بیٹے مہدی کی حکومت کے لئے راستہ کھل جائیگا منصور کے دل کی بدی اور نیت کا فساد اُس کے اس کلام سے پورے طور پر ثابت ہو گیا۔

مگر مقدور سے کیا زور سخت جان عیسٰے ان معرکہائے امتحان سے بھی صحیح و سالم نکل آیا۔ اور منصور کی تمناؤں کے خلاف اُس کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ تو اب عیسٰے کو منصور نے سخت پکڑا اور اُسکو اتنا تنگ کیا کہ آخر بیچارے نے ولیعہدی سے استعفا دیکر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچائی۔ اور منصور کی ہدایت کے مطابق مہدی کی بیعت بھی کر لی تھی۔

عبداللہ ابن علی کی سزا

عیسٰے کی تو جان بھی بچ گئی۔ مگر عبداللہ تو کسی طرح نہ بچ سکا عبداللہ کا حال تفصیل سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اپنی ضرورت کے مطابق نہایت اختصار کے ساتھ پھر بار دگر بیان کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ عبداللہ السفاح کے مرنے کی خبر پاکر شام میں اپنی خود مختار اور آزادانہ حکومت کا ضرور رنگ جمانا چاہتا تھا۔ مگر ابو مسلم نے عین وقت پر پہنچکر اُسکو ایسی کامل شکست پہنچائی کہ پھر اُس کے قدم حدود شام میں نہ ٹھہرے۔ اور وہ بیک بینی و دو گوش اپنے بھائی سلیمان کے پاس جاکر بصرے میں روپوش ہو رہا۔

حقیقت میں اُس کی حالت ایسی کچھ خراب ہو گئی تھی اور اُس کی قوت ایسی پارہ پارہ ہو گئی کہ اُس سے پھر کسی نقل و حرکت کی کوئی امید نہیں تھی۔ تو پھر ایسی کمزوری اور مجبوری کی موجودہ حالتوں میں اُسکے ہلاک کرنے کی فکر محض بیکار تھی اور منصور کی سفاکی اور خونخواری کی کامل دلیل تھی۔ یہ تو ظاہر تھا کہ اب نہ عبداللہ کے پاس کوئی ملک تھا۔ نہ فوج اور نہ مال جس کے ذریعہ سے وہ منصور سے خلاف ورزی اختیار کرتا۔ مگر منصور کی بیرحمی اور بیدردی میں عفو تقصیر کہاں اور ترک تعذیر کیسی اُسنے عبداللہ کو سلیمان سے زبردستی لیکر ایک ایسے ویران اور کہنہ مکان میں قید رکھا جو امتداد ایام سے غیر آباد اور کہر نونی لگنے کی وجہ سے بالکل نمکسار ہو رہا تھا۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کی۔ اُس کے چاروں طرف پانی بھروا دیا۔ وہ نونی چاٹا ہوا مکان پانی کی طغیانی سے ایکبار مڑمڑا کر بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ اُس میں دبکر مر گئے۔

ہم کو یقین ہے کہ صرف یہی دو واقعات ہمارے دعوے کے ثابت کرنے کو پورے طور سے کافی نہیں۔ عیسٰے اور عبداللہ بنی عباس سے تھے۔ ایک ان میں منصور کا چچا ہوتا تھا اور ایک چچازاد بھائی

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے زیادہ قریب تر اور کون عزیز ہوں گے۔ مگر نہیں۔ منصور کے اصول فطرت کے مطابق۔ جب اپنا کام نکل گیا۔ تو پھر قرابتداری کے حقوق کیسے اور عزیزداری کی رعایتیں کہاں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منصور کی بدسلوکیاں

اب ہم منصور کے اُن مظالم اور خونخواریوں کو۔ جو اُسنے سادات بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ روا رکھیں۔ کامل تفصیل سے لکھکر۔ اب اُس کے وہ ستم و ظلم کی کارروائیاں۔ اور اُس کی وہ مکر ودغا کی ترکیبیں۔ اپنے سلسلۂ بیان میں مندرج کرتے ہیں۔ جو اِس سفاک حجاز اور ضحاک عرب نے خاص طور پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی جان لینے اور اُن کے ہلاک کرنے کے متعلق جاری کیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وجہ خصومت

ہم سلطنت عباسیہ کے آغاز میں لکھ آئے ہیں کہ اِن کی حکومت و امارت کی پیشین گوئی آپ ہی نے ارشاد فرمائی تھی۔ اور منصور نے۔ اپنے مطلب کی پاکر۔ اس کی پوری تصدیق کرلی تھی۔ اور دوبارہ حاضر خدمت ہوکر اس کی صحت کے متعلق آپ سے اپنی تسکین و تشفی کرلی تھی۔ چنانچہ۔ عباسیوں کے پورے تسلط ہو جانے کے بعد۔ جیسا کہ عموماً سوادِ اعظم میں مشہور ہے۔ اسی نے (منصور نے) آپ کو **الصّادق** (علیہ السلام) کا لقب بھی دیا تھا۔ مگر یہ تمامی امور اور یہ اُس کے ظاہری محبت و اخلاص اور نمائشی عقیدت و اتحاد۔ صرف وقتی حیلے تھے اور کچھ بھی نہیں امام علیہ السلام کی صداقت پر جمیع انبیائے مرسلین سلام اللہ علیٰ نبینا و آلہ و علیہم اجمعین اور ملائکہ مقربینؑ اور خود وہ اصدق الصادقین شاہد ہے۔ تو پھر بیمقدار منصور کس شمار او رقطار میں آسکتا ہے۔

بہرحال۔ جب منصور کا تسلط پورے طور سے ملک پر ہو گیا۔ تو اُس نے۔ کچھ سادات بنی حسن علیہ السلام ہی پر منحصر نہیں۔ تمام بنی فاطمہ علیہا السلام کو۔ اور ان حضرات کے وجود کو اپنی اغراض و مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اور اس مبارک سلسلہ کے استیصال و بیخ کنی کی فکریں کرنے لگا۔ اِس کی بائیس ۲۲ برس کی طویل سلطنت انہی فکروں میں تمام ہوئی۔ اِن حضرات میں۔ جن سے وہ زیادہ مشتبہ تھا اُن کو پہلے تباہ و برباد کیا۔ پھر اور حضرات کو بتدریجاً اور رفتہ رفتہ۔ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کی بامیئں ۵۲۴ برس کی سلطنت غریب سادات کے لئے بلائے آسمانی سے ہرگز کم نہیں تھی۔ خاندان سادات میں وہ کونسا گھر تھا جو اس نے بے چراغ نہیں کیا۔ اور وہ کون خانوادہ تھا جو ویران و برباد نہیں کیا۔ یہاں تک تو ان غریبوں کا پیچھا مارا کہ اُنہوں نے اس کے مظالم سے تنگ آکر ممالک غیر کی جلا وطنی اختیار کی۔ مگر وہاں بھی اس کے نتیجۂ عقوبت سے نہ چھوٹے انہی واقعات پر نظر کرکے امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں کھُل کھُل کر لکھدیا ہے۔ کہ منصور پہلا شخص ہے جس نے آل عباسؓ اور آل علی علیہ السلام کے فیمابین آتش بغض وحسد کو روشن کیا۔ ورنہ اسکے آگے دونوں گروہ ایک گنے جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ صاحب تاریخ الخلفاء کا قول صحیح اور فی الواقع ہے۔ منصور سے پہلے ابراہیمؔ اور السفاح کے زمانہ میں بنی ہاشم کی تفریق بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ اور تمام دنیا کے لوگ ان کو باہم متفق اور ایک دوسرے کا شریک سمجھتے تھے۔ اگرچہ بنی عباس کے باطن میں ان حضرات کی طرف سے جو کچھ ہو۔ مگر ظاہر میں کسی تفریق اور مغائرت کے آثار معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اور ہوتے تو کیسے؟ ہم اوپر متعدد اور مختلف مقامات پر لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس اپنی ضرورت کی وجہ سے اس تفریق کو ظاہر کرنا خود نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کو تو اپنا باہمانہ اتفاق دکھلاکر دنیا کو اپنا مطیع ومنقاد بنانا منظور تھا اور بنی فاطمہ علیہا السلام کو اپنا شریک اور معین دکھلاکر تمام اُمت اسلامیہ کو اپنی طرف ملا لینا مقصود تھا۔ اِن وجوہات سے وہ اپنی تفریق کسی طرح ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ اگر یہ امر اُسی وقت کھول دیتے تو اپنا بنا بنایا سونے کا گھر مٹی کردیتے۔ مگر ہاں جب وقت نکل گیا۔ اور ضرورت بھی رفع ہوگئی۔ تو بنی فاطمہ یا سادات علوی۔ جو خاندان ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینکدیئے گئے۔ اگر اس علیحدگی اور تفریق ہی پر بس کردی گئی ہوتی۔ تو ہم اسی کو غنیمت سمجھتے۔

ان غریبوں نے عباسیؓ سے اپنی کس مپرسی اور اُن کی عدم توجہی کی کبھی شکایت بھی نہیں کی۔ اُنکے ہاتھ سے اپنی جان بچنے ہی کو ہزار غنیمت سمجھے۔ مگر نہیں۔ اس علیحدگی اور تفریق کے ساتھ۔ اُن کی بیخ کنی کی گئی۔ اُن کا کامل استیصال کیا گیا۔ وہ قتل کیئے گئے۔ ڈبوئے گئے۔ جلا وطن کیئے گئے اور مدت العمر قید کیئے گئے۔ دیواروں میں چُن دیئے گئے۔ جب اپنے لوگوں کی اپنے ہاتھوں سے اتنی بربادی وتباہی کردی گئی ہو۔ تو ہم کسی طرح اِن کو کسی وقت اپنا نہیں سمجھ سکتے اور اُن کو اپنا شریک اور رفیق نہیں خیال کرسکتے۔

یہ تو دنیا کو معلوم ہے کہ بنی فاطمہ علیہا السلام کی قریب قریب صفائی کردی گئی۔ معدودے چند ایسے بزرگوار رہ گئے تھے جو محض عزلت نشینی کے محدود اور محصور مشاغل میں۔ دنیا کے تمام امور سے کنارہ کش

ہو کر اپنی حیات ستودہ آیات کے ایام صرف کرتے تھے۔ اُن کو نہ ملک سے واسطہ تھا۔ اور نہ مال سے غرض۔ مگر منصور کی خونخوار طبیعت نے اِن کو بھی چین سے اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھنے نہ دیا۔ اور اپنی مقدس حیات کے ایام کو جس عافیت سے وہ تمام کرنا چاہتے تھے۔ بسر کرنے نہ دیا۔

اِن حضرات میں منصور کی بد بیں اور خونی نگاہیں جس مقدس بزرگ کی طرف گئیں۔ وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ سلطنت عباسیہ کے ابتدائی حالات میں ہم جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے ساتھ منصور کے خلوص و عقیدت کی کیفیت دکھلا چکے ہیں۔ اور مقام ابوا کے شورے میں۔ آپ کی پیشین گوئی کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ جو آپ نے۔ تمام سادات بنی حسن علیہ السلام کے مقابلہ میں۔ بنی عباس کے حصول سلطنت کی نسبت ارشاد فرمائی تھی اور عبداللہ محض سے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس میں آپ لوگوں کی کوششیں محض بے سود اور فضول ہیں۔ امر امارت تو بنی عباس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

اِس کے بعد پھر یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ ان ارشادات کو سنکر منصور نے کیسے استحکام اور مضبوطی سے اِس پر یقین کامل کر لیا اور کس عقیدت اور خلوص سے آپ کے ساتھ ساتھ دولت سرا تک حاضر ہوا اور آپ سے اِن پیشین گوئیوں کی بدفعات تصدیق کرا کے اپنی خاطر خواہ تشفی کر لی۔ ان واقعات کو پڑھکر کیا کوئی عقل والا۔ منصور کی جانب سے امام علیہ السلام کی خدمت میں کسی بدعنوانی۔ مظالم اور ایذا رسانی کے کئے جانے کی کبھی سوتے جاگتے بھی امید رکھتا تھا۔ نہیں۔ کبھی نہیں۔ بلکہ بخلاف اِس کے آپ کی پیشین گوئی کو جو بائیس تمیئیں برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ اپنے حسب حال اور مطابق ارشاد پاکر۔ اِس امر کا پورا یقین ہوتا تھا کہ منصور کیا بلکہ تمام بنی عباس آپ کو اور زیادہ قدر و منزلت اور خلوص و محبت کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور ہر امر میں آپ کی اقتدا کو اپنا فخر اور اعزاز سمجھیں گے۔ مگر۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ یہاں تو سلطنت مل گئی۔ رنگ بدل گئے طبیعتیں متغیر ہو گئیں۔ نیتیں اور ہو گئیں۔ قلوب ادھر سے اُدھر ہو گئے۔ خلوص و عقیدت۔ اتحاد و محبت کے تمام امور درہم و برہم ہو گئے۔ اور اپنی شقاوت قلبی اور عداوت دلی کے باعث منصور اُسی فرشتہ خصال بزرگوار کی ہلاکت و استیصال کی فکریں کرنے لگا جس کے کلام ہدایت التیام کو ایکبار نہیں کئی بار معیار صداقت پر کس چکا تھا۔ اور اُن کی ذات بابرکات کو صادق (علیہ السلام) کے معزز لقب سے موسوم اور مشہور کر چکا تھا۔ مگر منصور نے سابق کے تمام مراسم کو تقویم پارینہ سمجھکر پارہ پارہ کر دیا۔ اور اپنے خلوص و عقیدت کے گزشتہ خیالوں کو اجزائے بوسیدہ سمجھکر نسیاً منسیاً کر دیا اور اپنی ضلالت اور شقاوت کی جدید تجویزوں میں کمبخت نے آپکے وجود ذیجود کو بھی اپنے مقصود کے خلاف سمجھا۔ اور اِس انوار ہدایت کے گل کر دینے کو اپنی سلطنت کی روشنی

قایم رکھنے کی ضرورت سے۔ ضروری جانا۔ اور اپنی ان سو تدبیریوں میں اُسنے اپنے مکروحیلہ کے وہ نیرنگ دکھلائے۔ جو کبھی کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آئے ہوں گے۔

بنی فاطمہ سے منصور عقائد میں خلاف تھا

سب سے بڑھکر جو اس نے اپنے زمانہ میں قیامت کی وہ یہ تھی کہ اسنے بنی ہاشم سے عقائد میں بھی اپنا پورا اختلاف ظاہر کیا۔ حالانکہ اسوقت تک تمام بنی ہاشم۔ عام اِس سے کہ بنی فاطمہ ہوں بنی حسنؑ ہوں یا بنی عباسؓ۔ عقائد میں متفق اور متحد سمجھے جاتے تھے اور ان کا مسلک ایک جانا جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً۔ انکے غیر معصوم افراد میں بعضوں کو بعض مسائل شرعیہ میں اگر کوئی شک یا شبہ ہو جاتا ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر اُن کے اصول عقائد میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

منصور کے ایسے ننگ خاندان نے حصول دنیا کے جنون میں۔ جہاں تمام محاسن کو کھو دیا اور اپنی تمام خوبیوں کو ڈبو دیا۔ وہاں اُس کو بھی۔ اسی کے وقت سے بنی عباسؓ اور بنی فاطمہ علیہا السلام میں پوری تفریق ہوگئی۔ بنی فاطمہ علیہا السلام تو اپنے آبائے طاہرینؑ کے مسلک پر قایم رہے۔ مگر منصور نے بنی اُمیہ کی قایم مقامی اور جانشینی کی رعایت سے۔ بحفظ سلطنت والی پوالیسی کو مد نظر رکھکر۔ عقاید میں خلفاء سابقین کی پیروی اختیار کی۔ اور خدا کی شان۔ ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت سے ایسے شخص کو۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلہ میں عالم دہر کا خطاب دیکر تمام بلاد اسلامیہ کا مفتی اور قاضی بنا یا ؎

کسی کا پردۂ عزت جنوں کتان نہ کرے
خدا برہنہ کرے ننگ خانداں نہ کرے

ابو حنیفہ کا مبلغ علم اور مقدار استعداد اسلام کے علمی ارباب پر اچھی طرح روشن ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کو جو کچھ شد بد ہوئی وہ جناب امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق سلام اللہ علیہما کی خدمات میں۔ مناسب تھا کہ ہم اُن کے پوست کندہ احوال تمام وکمال لکھتے۔ مگر اپنے مدعائے تالیف سے زائد سمجھکر مرفوع القلم کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بہر حال۔ ابو حنیفہ کی شاگردی اور ان کے اِس بے جوڑ مقابلہ کو پروفیسر شبلی صاحب نے اپنی دونوں تالیفوں (سیرۃ المامون اور سیرۃ النعمان) میں بالطیب خاطر قبول فرمالیا ہے۔ اِس لئے ہم کو اس مضمون پر زیادہ بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

منصور نے اپنی ان گمراہانہ تجویزوں کے متعلق جو جو کارروائیاں کیں اور جیسی جیسی تکلیفیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچائیں۔ وہ آپ ہی کی ذات بابرکات تک منحصر نہیں تھیں۔ آپ کے

خواص اور متبعین کو بھی ایسے ہی ایسے انواع و اقسام کے آزار پہنچائے۔ وہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔
اب ہم کو یہ لکھنا ہے کہ منصور کے اس ارتداد کی کیا وجہ ہوئی۔ تو اس کی وجہ یہی سلطنت دنیاوی اور سطوت شاہی کا غرور ثابت ہوتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔ جسکے نشہ میں وہ مخمور ہو کر اپنی فرعونیت اور انانیت کا دعوے کرنے لگا۔ منصور کا یہ گمان تھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اگر اور پہلی خلافتوں کو نہیں۔ تو میری خلافت کو تو ضرور۔ بنی ہاشم ہونے کی رعایت سے خلافت حقہ تسلیم کریں گے۔ کیوں کہ اس کی بشارت سب سے پہلے آپ ہی نے دی ہے اور دیگر سادات کے مقابلہ میں۔ اس امر امارت کو ہمارا ہی حصہ بتلایا ہے۔
مگر بخلاف اس کی امیدوں کے۔ بنی عباس کی حکومت کو بھی آپ نے دنیا کی معمولی سلطنتوں سے زیادہ نہ سمجھا۔ جس کے ایسی ہزاروں کیا لاکھوں ہو چکی تھیں۔ بنی عباسیوں نے اپنی سلطنت کو بنی ہاشم میں شامل ہونے کے باعث اس امامت حقہ سے تعبیر کرنے کی کوشش کی تھی جسکے منجانب اللہ ہونے میں نصوص الہی اور احکام رسالت پناہی بہت سے شاہد تھے۔ اور اسی کے ساتھ ہی اپنے آپ کو بنی عباس ہونے کی رعایت سے۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انہیں اوصیائے برحق میں داخل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ جو منجانب اللہ عروۃ الوثقیٰ اور حجۃ اللہ علے اہل الدنیا کے حقیقی مفہوم بتلائے گئے تھے۔
عباسیوں کے ان خیالات کا پتہ اس خطبہ سے لگتا ہے۔ جو السفاح کی بیعت کے وقت داؤد ابن علی ابن عبداللہ نے کوفہ کی مسجد جامع میں تمام اہل اسلام کو سنایا تھا۔ اور اپنی خلافت کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے مساوی بتلایا تھا۔ اور آل محمدؐ کی رعایت سے اپنے امر حکومت کو تا بقیام قیامت مستقر اور مستمر کرنا چاہا تھا۔ جیسا کہ تاریخ روضۃ الصفا کے اسناد سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر آن کی ان ابلہ فریبیوں پر وہی ایمان لاتے اور اعتبار کرتے جو امام زمانہ کی معرفت سے معذور اور حجۃ اللہ کی صفات سے ناواقف تھے۔ اس لئے ان کی یہ تدبیر پیش نہ چلی۔ نہ کسی نے اُن کی امارت کو امامت برحق تسلیم کیا۔ اور نہ اُن کو جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی مطلق۔ دنیا کے اُمرا پرستوں نے جن معنیوں میں اور جن طریقوں سے۔ پہلی حکومتوں کو۔ خلافت حقہ تسلیم کر لیا تھا۔ ویسے ہی لوگوں نے ان کی سلطنت کو بھی۔
ان کی حکومت اور ان سے پہلے کی سلطنتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دین کی آڑ پکڑ کر سب کے سب دنیا کے پیچھے پڑے ستھے ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش کردند۔ کے اصول پر لوگوں کا

دار و مدار تھا۔ غلبہ اور استیلا کے اصول۔ تعین خلیفہ کے متعلق۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والے قانون کے اجزا کو پورے طور سے صحیح ثابت کر رہے تھے۔ نہ کوئی اصول ایسے تھے جن کا ثبوت نصوص و احادیث معتبرہ سے ملتا ہو۔ اور نہ آئین ملکی ہی ایسے تھے جن کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ ہو۔ پھر ایسی معمولی اور دنیادی سلطنت کو جو اتنے مظالم اور مفاسد کا باعث ہو چکی ہو امامت و خلافت حقہ سے تعبیر کرنا کسی عقل والے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی خلافت شریعت سلطنتوں کے برحق تسلیم کرنے کی امام بحق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی ذات بابرکات سے امید کیجاوے۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔

کسی امر کی پیشین گوئی تسلیم کی دلیل نہیں ہو سکتی

اب اس مقام پر ہم اُس شبہ کی اصلاح بھی کئے دیتے ہیں۔ کہ آپ نے بنی عباسیوں کی سلطنت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے بنی عباس کی سلطنت کو خلافت حقہ تسلیم کر لیا۔ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں۔
آپ نے جس صحبت میں اِن کی سلطنت کی خبر دی۔ وہ سادات کا خاص جلسہ تھا۔ عبداللہ محض اُس عام جلسہ میں اس امر کے مدعی تھے کہ ہمارا بیٹا۔ محمد نفس زکیہ۔ اِس اُمت کا مہدی ہے اِس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مہدی آل محمد علیہ السلام کا زمانہ بہت دور ہے تمہارا بیٹا وہ مہدی نہیں ہو سکتا۔" اِس امر خلافت کے حصول میں تم لوگوں کی کوششیں بیکار ہیں۔ یہ امر عباسیوں کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔
آپ کی اِس تقریر سے پورے طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ امامت حقہ جس کا اختتام مہدی آل محمد علیہ السلام پر بتلایا گیا ہے۔ وہ نہ بنی حسن کی امارت ہے اور نہ بنی عباس کی حکومت۔ وہ ایک جداگانہ شے ہے۔ جس کو ان دونوں فریق سے کوئی علاقہ نہیں۔ تو ایسی حالت میں آپ کی مجرد پیشین گوئی فرما دینے سے۔ اِس کی تصدیق کیسے سمجھی جا سکتی ہے۔
حقیقت امر یہ ہے کہ یہ سلطنت وہ خلافت کبھی نہیں ثابت کی جا سکتی ہے جس کی خبر جناب احدیت نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ ابو مسلم کے اُس خط کے جواب میں جو اُس نے بار دیگر۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں قبول خلافت کے لئے لکھا تھا۔ آپ نے کھُل کھُل کر صاف صاف لفظوں میں لکھ دیا تھا۔ کہ یہ زمانہ میرا زمانہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جس خلافت کے قبول کرنے کے لئے تو مجھ سے خواستگار ہو رہا ہے۔ وہ میری خلافت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کسی اور کی۔ جیسا کہ امام یافعی کی اسناد سے اوپر لکھا جا چکا

گیا ہے۔

بہر حال منصور بھی اپنی سلطنت کو وہی امارت حقہ تسلیم کئے جانے کی امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے امید رکھتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ آپ بھی میرے احکام سلطنت کے مطیع و منقاد ہوکر میری بیعت اختیار فرمائیں۔ اور میرے آئین حکومت کو احکام شریعت قرار دیکر چون وچرا نہ کریں یہاں نتیجہ بالعکس ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسکی سلطنت کو انہیں سلطنتوں میں شمار کیا جو اس سے پہلے گزر چکی تھیں۔ اور اُسکے تمام احکام کو بھی دنیاوی سیاست کے مطابق بتلایا۔ نہ آئین شریعت کے موافق۔ اور اسکے ساتھ ہی آپ نے اپنی علٰحدگی اور تفریق کے وہی طریقے اختیار کئے جو اس سے پہلے چھ سات سلطنتوں کے زمانہ میں آپ نے اختیار فرمائے تھے۔ اور اپنے تمام متعلقین اور مومنین خالصین کو بھی اسکی تقلید اور اقتدا سے مخصوصاً امور شریعت میں جُدا رکھا۔ ان وجہوں سے منصور کو اپنے ان ارادوں میں پوری ناکامیابی ہوئی۔ اور وہ تمام سادات کو قتل کرکے آپ کی ہلاکت کے درپئے ہوا۔ اپنے زور سیاست اور قوت حکومت کے ظاہر کرنے میں تو حتے المقدور کوئی ایسی بات اُٹھا نہیں رکھی جس سے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی ہدایت تعلیم دینیات اور احیائے شریعت کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔ مگر وہ مدت العمر اپنی جی توڑ کوششوں میں کبھی کامیاب نہوا۔ وہ زور پر زور لگاتا رہا اور کچھ نہ ہو سکا۔ آپ جس طرح سے رہروان مسلک حقہ کو تعلیم دینیات فرماتے تھے۔ فرماتے رہے۔ اُس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔

بہر حال اتنی تمہید کے بعد اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کی اُن ترکیبوں کو مندرج کرتے ہیں جو اُسنے صرف اس امر کی کوشش میں صرف کیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے منصب امامت کے فرائض پورے اطمینان سے انجام نہ دے سکیں۔

شیعوں کی گرفتاری

یہ تو معلوم ہے کہ اُسکی ہر چیز کی ابتدا اور اُسکی ہر تدبیر کا آغاز انتہا درجہ کے ظلم و شقاوت کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اس لئے اُن تدبیروں کے متعلق بھی منصور نے وہی طریقے قائم رکھے۔ اور جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے ساتھ اپنی خصومت و عداوت کے اظہار ایسی سختی اور بیرحمی سے کئے کہ امام علیہ السلام اور آپ کے شیعوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ وہ ہمہ دم انہیں فکروں میں غرق رہتا تھا اور چالوں پر چالیں نکالتا تھا جس سے آپ کے دامان عصمت پر کوئی دھبہ لگے۔ اور جسکی وجہ سے اُسکو آپ کی ہلاکت کا عذر معقول ہاتھ لگے۔ اسی طرح شیعوں کے لئے بھی طرح طرح کے حیلے ڈھونڈھا کرتا تھا۔ اطراف و جوانب میں ایسے مخبر اور جاسوس چاروں طرف لگا رکھے تھے

جو شہر اور قریہ میں شیعوں کے تفحص احوال کرتے رہتے تھے۔ اور وہ انکے متعلق ذرا ذرا کی خبر اسکو پہنچایا کرتے تھے۔ جہاں کہیں انکا پتہ لگا۔ گرفتار کیا گیا۔ جس کسی سے محبت اہلبیت علیہم السلام کی بو پائی گئی۔ یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام سنا۔ گرفتار کر کے سخت سے سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عوام شیعہ آپ کا اسم مبارک علانیہ نہیں لے سکتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کی حدیث کو کبھی ابو صالح۔ ابو اسمٰعیل اور کبھی صرف الرجل کہکر بیان کرتے تھے۔ حمید ابن قحطبہ اور داؤد ابن علی وغیرہ عام طور سے شیعوں کی گرفتاری پر مامور تھے۔ اور ان کے ماتحت مخبر اور جاسوس بیرونجات اور مفصلات میں ان غریبوں کا سراغ لگاتے پھرتے تھے۔
اس مقام پر ہم ذیل کے واقعہ کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:-

معلّے ابن خنیسؒ کی گرفتاری

داؤد ابن علی ابن عبد اللہ منصور کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اسنے اپنے عہد حکومت میں شیعیان علی علیہ السلام کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا منجملہ اُن مقتولین کے معلّے ابن خنیس مولائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ مدینۂ منورہ میں معلّے بہت بڑے ذی وجاہت اور بااثر بزرگ تھے۔ داؤد کو انکی خبر لگی تو انہیں گرفتار کرایا۔ جب یہ حاضر کئے گئے تو انکو حکم دیا کہ تم مدینہ کے شیعہ باشندوں کے نام بتلاؤ۔ اور اُنکی فہرست لکھوادو۔ معلّے نے کہا اے امیر۔ میں اپنے کاروبار میں لگا رہتا ہوں۔ میں کسی کو کیا جانوں۔ داؤد نے کہا کہ اگر تم نہیں بتلاؤگے تو تمہیں اسی وقت قتل کرڈالونگا۔ معلّے ابن خنیسؒ نہایت مستقیم العقیدہ اور دلیر بزرگ تھے۔ نہایت استقلال سے داؤد کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ان شیعوں میں سے ایک بھی میرے پاؤں کے نیچے چھپا ہوا ہو تو تیرے حکم سے ڈر کر میں اپنا پاؤں نہ اُٹھاؤں اور کبھی نہ دکھلاؤں۔

داؤد معلّے کا جواب سُنکر غصہ سے آگ ہوگیا اور اُنکے قتل کا فوری حکم دیا۔ معلّے نے کہا اے امیر میں تو بہت جلد تیرے حکم سے مارا جاتا ہوں مگر میری آخری وصیت تو سن لے اور اسپر شاہد رہ۔ وہ یہ ہے کہ میں اپنی جائداد اور مقبوضات کی ہبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام نامی سے کرتا رہوں۔ معلّے نے داؤد کے علاوہ اور دیگر حاضرین کو بھی اس امر پر شاہد کیا۔ اس کے بعد معلّے داؤد کے حکم سے قتل کئے گئے۔

ان کے بعد داؤد نے اُن کی تمام جائداد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا۔ اور اُن کے ہبہ کی شرائط قائم نہیں رکھے۔ داؤد کا جو نتیجہ ہوا وہ ہم آپ کے اعجاز امامت کی بحث میں انشاء اللہ تعالے عنقریب لکھیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا رسانیاں اور قتل و ہلاکت کی تدبیریں

اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کے اُن حیلے اور مکاریوں کو مندرج کرتے ہیں۔ جو اُسنے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا رسانی اور قتل کر دینے کی تجویزوں میں ظاہر کیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور آپ کے وجود ذیجود کو اپنے اُن مقاصد کی کامیابیوں کے لیئے ضرور سدِّ راہ سمجھتا تھا جو اُسکو اپنی خلافت حقہ تسلیم کرانے کے متعلق پیش نظر تھیں۔ اُسنے یقین کر لیا تھا کہ جب تک بالنفس النفیس آپ قائم رہینگے ہمارے حقوق کبھی ارادت و عقیدت کے ساتھ نہیں تسلیم کیئے جائینگے۔ اور امور شرعیہ میں اور احکام دینیہ میں ہماری اقتدا نہیں ہوسکتی۔ اسی لیئے وہ اکثر آپ کی نسبت کہا کرتا تھا ھذا الشجی المعترض فی حلقی میرے لیئے آپ کی مثال اُس ہڈی کے ایسی ہے جو گلے میں اٹک جاتی ہے۔ کیونکہ آپکے مقابلہ میں منصور دینی پیشوا ہونے کی نہایت سخت تمنا رکھتا تھا۔ اور اُسکی تقریر سے ان امور کی خواہش اور حسرت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

منصور کی امام حدیث بننے کی تمنا

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں اُسکی ان تمناؤں کے متعلق لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ منصور کے مخصوصین نے اُس سے پوچھا کہ دنیوی لذّتوں سے کوئی ایسی لذت بھی اُٹھ رہی ہے جو تمھیں نہ حاصل ہوئی ہو۔ منصور نے کہا۔ ہاں۔ ایک لذت ابھی ایسی باقی ہے جس سے میں اب تک البتہ محروم ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں محفل درس میں بیٹھا ہوں اور طالبان حدیث میرے گرد جمع ہوں اور پوچھنے والا مجھ سے پوچھتا ہو کہ من ذکرت رحمک اللہ خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے کس کا ذکر کیا۔

اُسکے ہوا خواہوں نے اُس کی حسرت پوری ہو جانے کی غرض سے اپنے بچّوں کو اخذ حدیث کے لیئے اُسکے پاس بھیجدیا اور وہ سب کے سب دوسرے دن ممتحان حدیث کی صورت میں حلقہ باندھے۔ دوات و قلم ہاتھوں میں لیئے اُسکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ منصور انہیں دیکھکر کہنے لگا نہیں تم لوگ وہ نہیں ہو بلکہ وہ اور لوگ ہیں۔ اُن کے کپڑے میلے کچیلے۔ پاؤں کثرت سفر سے پھٹے اور سر کے بال بڑھے ہوتے ہیں۔ وہ تمام جہان میں گردش کرنیوالے اور حدیثوں کے طلب کرنیوالے ہوتے ہیں۔

اس واقعہ سے منصور کی دلی تمناؤں کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی منصور نے اپنی خود غرضی اور خود نمائی کی شان نہ چھوڑی۔ اور اس امر میں بھی اپنی کوتاہی اور کمی کے نقص کا اعتراف نہیں

کیا۔ بلکہ جو کمی یا کوتاہی بتلائی وہ انہیں لوگوں کی۔ مطلب یہ تھا کہ مجھ میں امام حدیث ہونے کے تمام اوصاف موجود ہیں۔ مگر تم البتہ ان اوصاف سے خالی ہو۔ اور حقیقت امر یہ تھی کہ منصور خود ان محامد و اوصاف سے بالکل ہی کورا تھا۔ اور اس منصب کی انجام دہی کی ذرا بھی صلاحیت نہیں رکھتا تھا جسکو وہ خود سمجھتا تھا مگر اس وقت اپنی خودداری اور عیب پوشی کی غرض سے اسکے اظہار کو کھا بدا۔ اور اُن کو اُلٹ کر اُن بچوں کی جماعت پر ڈالدیا۔ جو اُسکی حسرت پوری ہونے کی خوشامد میں اُنکے والدین کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

اسی سے قیاس کرلینا چاہیئے کہ جب عموماً معمولی عالمان حدیث کے ساتھ جو کثرت سے اُس زمانہ میں پائے جاتے تھے۔ منصور کے رشک وحسد کی یہ کیفیت تھی تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ اس کے رشک وحسد اور خصومت وعداوت کے کیا حساب ہونگے۔ جو اسکے مقابلہ میں امام برحق اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی مطلق ہونیکا اعلان فرماتے تھے۔ انہیں وجوہ سے تو وہ آپ کی ایذا رسانی اور قتل وہلاکت کو سب سے زیادہ ضروری اور واجب التعمیل سمجھتا تھا۔ اور ہمیشہ انہیں فکروں میں مستغرق رہا کرتا تھا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا دہی کی تدبیروں میں منصور نے کچھ ایک ہی طرح کی تدبیر سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے اس خونیں ارادے کی تعمیل میں نئی نئی طرح کی چالیں اختیار کیں۔

منصور کی پہلی ایذا دہی

منصور کے ان ارادوں کی ابتدا محمد نفس زکیہ کے قتل کے وقت سے ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلے پہلے منصور نے آپ کو مدینہ سے مقام ربذہ پر بلا بھیجا اور یہ قصد کیا کہ سادات بنی حسن کی طرح آپ کو بھی نظر بند کر کے عراق کی طرف لیجاوے اور مادام الحیات مقید کرلے۔ چنانچہ اُسنے ابراہیم ابن جبلہ کو جو اس وقت اُسکا بہت بڑا معتمد علیہ تھا بلا کر کہا کہ میرے مخصوصین میں وہ کون ایسا ہے جو میرے دل کو حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام کے اندیشوں سے مطمئن کردے۔ وہ محمد نفس زکیہ کے معاملات سے گو بظاہر علیحدہ تھے۔ مگر خفیہ اُنکے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور اُنکا یہ ارادہ تھا کہ اگر محمد نے فتح پائی تو پھر میرے لئے خلافت کا ملنا آسان ہو جائیگا۔ کیونکہ میرے شیعہ بہت ہیں۔ اور اگر محمد مارے گئے تو میں ہر طرح سے محفوظ رہونگا۔ یہ کہکر ابراہیم کا بیان ہے کہ اُسنے مجھ کو حکم دیا کہ مدینہ جاکر اُنہیں کی چادر اُنکے گلے میں ڈالکر یہاں تک لے آؤ۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ میں منصور کے حکم سے مدینہ میں آیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام اُس وقت مسجد حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ میں مصروف عبادت تھے۔ مجھ سے نہو سکا کہ میں اُس

حالت خاص میں آپ کی خدمت میں کسی قسم کی گستاخی یا تعرض کرسکوں۔ لامحالہ ٹھہرا رہا۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام نماز سے فارغ ہوچکے تو میں نے آپ کی آستین پکڑ کر عرض کی کہ آپ کو منصور نے بلایا ہے۔ یہ سنکر آپ نے بیساختہ فرمایا انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا کہ اچھا میں چلتا ہوں۔ مگر اتنی مہلت مجھے اور دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ میں نے منظور کرلی۔ آپ نے نماز پڑھی اور وہ دعا پڑھی جسکا آغاز اللّٰھم ثقتی (مہج الدعوات میں یہ دعا تحریر ہے) ہے۔ پھر آپنے فرمایا کہ جس طرح اُسنے تجھے حکم دیا ہے تو اُسی طرح مجھے لے چل۔ ابراہیم بولا۔ مجھ سے آپ کی خدمت میں ایسی گستاخی کبھی نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ منصور اس نافرمانی کی سزا میں مجھے مار بھی ڈالے۔

القصہ ابراہیم آپ کا ہاتھ پکڑ کر منصور کے پاس لایا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ مجھ کو اُس وقت یقین کلّی تھا کہ آج انکو منصور ضرور مار ڈالیگا۔ جب ہم لوگ اُسکے دروازے پر پہنچے تو امام علیہ السلام نے دعائے یا الجبرئیل کی تلاوت فرمائی۔ اور منصور کے پاس پہنچے۔

وہ آپ کو دیکھتے ہی درست ہو بیٹھا۔ اور گردن اُٹھا کر کہنے لگا کہ آج میں تمہیں ضرور قتل کر ڈالونگا۔ آپ نے نہایت متانت اور آہستگی سے جواب دیا کہ اے امیر۔ میری عمر اب بہت باقی نہیں ہے۔ اور میرے تیرے درمیان تمام مراسم بہت جلد منقطع ہونیوالے ہیں۔ اب میری معدودے چند دنوں کی حیات تک تو تم مجھ سے بہ نرمی اور بہ آہستگی پیش آلو۔ آپ کی اس معجز نما تقریر نے اُس سنگدل اور شقاوت پیشہ کے قلب پر بھی ایسا قیامت کا اثر پیدا کیا کہ وہ دفعتًا خاموش ہوگیا اور اُسی وقت آپ کو مدینہ کی طرف واپس جانے کی اجازت دیدی۔

جب آپ باہر آئے تو عیسٰے ابن عبداللہ کو بھیجکر پوچھوایا کہ میری آپ کی مفارقت جو ہونیوالی ہے اُس میں پہلے کون قضا کریگا۔ آپ کہ میں۔ عیسٰے نے کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اسکی ابتدا میری طرف سے ہوگی۔ اور تو میرے بعد بھی زندہ رہیگا۔ عیسٰے نے جاکر اُسکو یہ مژدہ سنایا تو وہ بہت مسرور ہوا اور فی الجملہ مطمئن ہوگیا۔

اس واقعہ سے ہمارے مدعا کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اور منصور کے اُن ارادوں کی ابتدا معلوم ہوجاتی ہے جو وہ جناب امام علیہ السلام کی ہلاکت کے متعلق رکھتا تھا۔ اسکے علاوہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منصور دنیا میں زندہ رہنے پر کتنا حریص تھا جو مومنین اور صالحین کی سیرت سے عمومًا خلاف ہے۔ وہ اپنے خیالوں میں ولا تمنونہ ابدا واللہ علیم بالظّالمین کا پورا مصداق تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عراق میں طلبی

سب سے پہلے۔ اس کارروائی کے بعد جو دوسری تدبیر آپ کے متعلق اُسنے سوچی وہ یہ تھی کہ

آپ کو عراق میں طلب فرمایا اور چاہا کہ اپنے پاس رکھکر آپ کے امور کی ہمیشہ نگرانی اور حراست کرتا ہے آپ نے بلا عذر اُسکی استدعا کو مان لیا اور ترک وطن کی مصیبتیں گوارا فرماکر عراق میں اُسکے پاس تشریف لے گئے۔ یہ وہی سفر ہے جس میں آپ نے اپنے جد بزرگوار جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی کربلائے معلےٰ میں زیارت فرمائی۔ اور پھر وہاں سے نجف اشرف میں تشریف لائے۔ اور عراق کے مخصوصین شیعوں کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی قبر منورہ کا صحیح صحیح مقام اور نشان بتلایا ہے جو اس سے قبل بخوف ظلمہ بنی امیہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس سفر کے حالات بہت طول وطویل ہیں۔ جو کتب مبسوطہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ ہم اُن تمام حالات کی کوئی تفصیل نہیں کرینگے۔ مگر اُسکا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ سے بغداد۔ بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک کا سفر آپ کو کرنا ہوا۔ مگر منصور کی شبہوں نے کہیں ایک جگہ آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آپ کے ایک جگہ قیام فرمانے سے اُس کی یہ غرض تھی کہ وہاں کے لوگوں سے آپ کے تعارف اور اتحاد کے ذریعے وسیع نہ ہوسکیں جو اُسکے منشاء کے بالکل خلاف تھے۔

مگر نتیجہ اسکا بالکل خلاف نکلا۔ آپ جہاں تشریف لے گئے وہاں خاص طور پر آپ کی خدمت میں اہل اسلام کا رجوع عام ہوگیا۔ اور ہر شخص عام اس سے کہ کسی طریقہ کا پابند ہو آپ کے اشتیاق زیارت میں بیچین ہوکر اپنے گھر سے نکلا۔ اور خدمت ہمایوں میں حاضر ہوکر شرف زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہہ۔ اصول۔ کلام۔ غرض تمام احکام شرعیہ کے متعلق آپ کی زبان سے ارشاد وہدایت بنیاد سنتا رہا۔

خاص دار الحکومت بغداد میں جہاں کثرت سے بنی عباس اور اُنکے ہوا خواہ آباد تھے آپ کی خدمت میں عام مرجوعات کی یہ کثرت ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے امور ضروریات کی فرصت بھی نہیں رہتی تھی جس وقت دیکھو کاشانۂ امامت دروازہ سے لیکر اندر تک طالبان ارشاد سے بھرا رہتا تھا۔ اور عراق کی کثیر التعداد جمعیت آپ کی اطاعت پر کمربستہ پائی جاتی تھی۔ جب منصور نے آپ کے رجوع عامہ کی یہ کثرت دیکھی تو اسکو اپنے مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اُسنے ہرچند چاہا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا کام یہیں تمام کردیا جاوے۔ اور اس غرض سے اُس نے صحبت۔ خلوت اور جلوت میں بدفعات طلب کیا۔ مگر خدا کا حکم نہیں تھا۔ منصور اپنے مکارانہ ارادوں پر قادر نہو سکا۔

فریقین کے علمائے سیر وتاریخ نے بارہ[۱۲] یا چودہ[۱۴] مرتبہ آپ کی طلبی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک بار بھی وہ اپنے مفسد ارادوں کی تعمیل نہ کرسکا۔ یہ آپ کے اعجاز وکرامت اور ارشاد وجلالت کی روشن دلیل ہے۔ ان میں سے چند واقعات کی کیفیت ہم بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

———(٠)٭(٠)———

امام علیہ السلام کی دربار میں طلبی

ملا عبدالرحمن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں۔ منصور کے معروف و مشہور حاجب ربیع کا بیان ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے خلوت میں بلا کر حکم دیا کہ جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام میرے پاس آئیں تو میں انہیں باتوں میں لگاؤنگا۔ تم تلوار لئے آمادہ رہنا جس وقت میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر پڑے تو اُسی وقت اپنی تلوار سے اُنہیں قتل کر ڈالنا۔

ربیع بہت بڑا نیک نہاد اور خوش اعتقاد تھا۔ اُس نے امام علیہ السلام کی اجازت سے منصور کی موجودہ ملازمت اختیار کی تھی۔ ربیع کا بیان ہے کہ اس کے بعد منصور نے ایک چٹائی اور شمشیر منگائی۔ اُسکا دستور تھا کہ جب وہ کسی کے قتل کا قصد کرتا تھا تو یہ دونوں چیزیں پہلے سے منگا رکھتا تھا۔ اور مقتول کو اُسی چٹائی پر بٹھلا کر اپنے سامنے قتل کرا دیتا تھا۔ اس غرض سے کہ شاید غیبت میں جلاد اُسکو چھوڑ دے۔

بہر حال۔ جب منصور آپکے قتل کا سامان کر چکا تو ربیع سے کہا کہ جا کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلا لاؤ۔ ربیع تعمیل حکم کے لئے چلا تو۔ مگر اُسکا بیان ہے کہ میں نے اُسی وقت اپنے دل میں یہ ارادہ بھی مصمم کر لیا کہ اگر یہ ظالم مجھے قتل امام علیہ السلام کا حکم دیگا تو میں اُنکے عوض منصور ہی کا سر اُڑا دونگا۔ بعد اس کے میرے لئے جو ہوتا رہیگا اُسکا مجھے غم نہیں ہے۔

الغرض ربیع گئے اور امام علیہ السلام کو بلا لائے۔ مگر منصور کی جونہی نظر آپ کے جمال مبارک پر پڑی فوراً تخت سے اُٹھا اور نہایت تعظیم و تکریم سے آپ کا استقبال ادا کیا۔ اور اپنے پہلو میں بٹھلا لیا۔ اور کہنے لگا کہ اہلاً و سہلاً۔ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے آپ کو صرف اس غرض سے زحمت دی ہے کہ جس قدر قرض آپ کے ذمہ ہو اُسے ارشاد کریں تاکہ میں اُسے ادا کر دوں۔ کیونکہ اعانت اہلبیت علیہم السلام واجب ہے۔ آپ نے سکوت اختیار کیا اور کچھ نہ کہا۔ پھر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے آپکی خدمت میں اپنی طرف سے دیر تک برابر عذر خواہی کرتا رہا۔ پھر ربیع کو بلا کر کہا کہ تین دن تک آپ کو مہمان رکھکر بآرام تمام مدینۂ منورہ کی طرف رخصت کر دو۔

جب امام علیہ السلام اپنے قیامگاہ کو واپس گئے تو ربیع کا بیان ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ منصور نے آپ کو تو قتل کرنے کی غرض سے بلایا تھا۔ آپ نے کونسی دعا پڑھی جس نے اُسکے تمام ارادوں کو اُس کے دل سے نسیاً منسیاً کر دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وہ دعا ربیع کے سامنے پڑھی اور یاد بھی کرا دی۔

یہاں سے ہو کر ربیع منصور کے پاس آیا اور اُس سے بھی یہ کیفیت پوچھی تو اُسنے جواب دیا کہ

اے ربیع حقیقت امر تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک ایسی ہی ہے۔ وہ اہلبیت نبوت علیہم السلام میں سب سے زیادہ بلا شک و شبہہ سزاوار امامت وخلافت ہیں جس وقت وہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا اُن کے ساتھ چلا آتا ہے اور وہ اژدہا مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو ذرا بھی ایذا دی تو میں تیرا گوشت و پوست ہڈیوں سے اُتار لونگا۔ یہ دیکھکر خوف کے سبب سے میرے تمام بدن میں لرزہ پڑ گیا۔

دوسری بار طلبی

محمد ابن عبداللہ اسکندری جو منصور کے مخصوص ندیموں سے تھا بیان کرتا ہے کہ میں ایک دن منصور کے پاس گیا تو اُسکو نہایت ملول پایا۔ وجہ ملال پوچھی تو اُسنے کہا کہ میں نے اولاد حضرت علی اور جناب فاطمہ علیہما السلام سے کثیر التعداد جماعت کو قتل کیا مگر اُنکے راس الرئیس اور پیشوا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ابھی تک زندہ باقی ہیں۔ میں نے کہا وہ تو ایسے زاہد عابد اور ابرار ہیں جنکی کثرت عبادت نے اُن کے بدن کو بالکل لاغر بنا دیا ہے۔ میرے یقین میں تو انہیں دنیا طلبی کی طرف کوئی التفات نہیں۔ اُنسے تو امیر کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں کرنا چاہئیے۔ یہ سنکر منصور نے جواب دیا کہ یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تو اُن کی محبت کا دم بھرتا ہے اور امامت کا قائل ہے میں بھی خود اُنکی شرف و فضیلت کا قائل ہوں مگر کیا کروں امور ملکی اور ضروریات سلطنت تقبیض اور عقیم کا حکم رکھتے ہیں۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ آج غروب آفتاب تک اُنکے قتل سے اپنی دلجمعی کر لونگا۔

پھر جلاد کو بلایا اور کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلاتا ہوں۔ انہیں میں باتوں میں مصروف کر لونگا۔ مگر تو ہمہ تن میری طرف متوجہ رہنا۔ جس وقت میں اپنا ہاتھ سر کی طرف لیجاؤں تو تم اُسی وقت اُنکو قتل کر ڈالنا۔

بہرحال۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بُلائے گئے۔ آپ تشریف لائے تو آپکے لبہائے مبارک جنبش میں تھے۔ محمد ابن عبداللہ اسکندری کا بیان ہے کہ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ منصور کے تمام قصر میں دفعتاً زلزلہ کے آثار پیدا اور آشکارا ہیں۔ اور در و دیوار سے حرکت کے آثار ایسے محسوس ہو رہے ہیں جیسے کسی طوفان خیز سمندر میں تموج پیدا ہو جانے سے عموماً کشتی تلاطم اور سخت حرکت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ منصور کا یہ حال ہوا کہ آپ کو دور سے آتا ہوا دیکھکر سر و پا برہنہ آپ کے استقبال کو دوڑا حالانکہ اُسکا بند بند خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ فوراً آپ کے دست مبارک تھام لئے۔ اور تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پوچھا کہ اس وقت آپکے تشریف لانے کا کیا باعث ہوا۔

آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا سبحان اللہ۔ میں تیرے ہی بُلانے سے آیا ہوں۔ اور تجھی کو اسکی خبر نہیں۔ منصور نے شرماکر کہا اچھا جواب آپ کی غرض ہو بیان کیجئے۔ میں اُسے رفع کر دوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اتنی ہی غرض ہے کہ تو مجھے بار بار نہ بلایا کر۔ میرا جب جی چاہیگا تجھ سے آکر مل لیا کرونگا۔ اُسنے جلدی سے کہا بہتر اور فوراً ہی آپ کو رخصت کر دیا۔ شاید یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے جب آپ منصور کے پاس عراق میں تشریف رکھتے تھے۔ جب آپ وہاں سے واپس آئے تو منصور اس قدر پریشان ہوا کہ فوراً لباس شبخوابی پہنکر اپنے فرش استراحت پر جا پڑا۔ اور آدھی رات تک پڑا سوتا رہا۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا چاروں نمازیں متواتر قضا کیں۔ محمد کا بیان ہے کہ آدھی رات گئے جاگا تو چاروں وقتوں کی نماز ادا کر کے مجھکو بلا بھیجا اور بیان کیا کہ جس وقت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ اُن کے ساتھ ساتھ اژدہا ہے اور وہ جانور بزبان فصیح مجھ سے کہتا ہے کہ مجھ کو خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے یہاں اس غرض سے بھیجا ہے کہ اگر تو صادق آل محمدؐ کو ذرا بھی گزند پہنچائے گا تو میں تجھے قصر سمیت کھا جاؤنگا۔ یہ دیکھکر میرا قلب ہل گیا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ خوف کے مارے کانپنے لگا۔

محمد اسکندری کا بیان ہے کہ میں نے یہ روئداد سنکر کہا کہ یہ سحر ہے۔ منصور نے ڈانٹ کر کہا کہ اُن سے ایسے ایسے امور ہرگز جائے تعجب نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کے پاس اسم اعظم ہے جو جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا۔ اسی کی وجہ سے جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا۔ یہ امور جادو سے تعلق نہیں رکھتے۔

اس واقعہ کو ملا عبدالرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں اور شیخ فریدالدین عطار نے حلیۃ الاولیا میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

تیسری بار طلبی

ایک دن منصور نے ربیع حاجب کو بلایا اور حکم دیا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حاضر کرو۔ ربیع حسب الحکم آپکو بُلا لایا۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو منصور نے نہایت خشمناک ہو کر کہا کہ اے جعفرؑ تم ہی میری سلطنت میں عیب نکالتے ہو۔ اور مجھ کو قتل کرانا چاہتے ہو۔ آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ میں نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ شاید کسی جھوٹے اور افترا پرداز نے تجھ سے یہ باتیں کہی ہیں۔ اور اگر بالفرض میں نے تیرے حق میں ایسے کلمات کہے تھے تو کیا حضرت یوسف علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام پر اُنکے بھائیوں نے ظلم کیا۔ اُنہوں نے عفو فرمایا۔ حضرت ایوب علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام مبتلائے مصیبت ہوئے۔ صبر فرمایا۔ حضرت سلیمان علے نبینا وآلہ و

علیہ السلام کو سلطنت ملی۔ خدا کا شکر بجالائے۔ یہ سب پیغمبر تھے اور تیرا سلسلہ بھی انساب انبیا علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ تجھے بھی اُنکی پیروی کرنی چاہیئے۔

منصور کے دل پر آپ کی اس تقریر نے ایسی تاثیر کی کہ اُس نے آپ سے مخاطب ہوکر آپ کو اپنی مسند پر پہلو میں بٹھلالیا اور کہا کہ مجھ سے فلاں ابن فلاں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے امیر۔ اُسکو بُلوالو۔ کہ میرے مُنہ پر کہے منصور نے اُس شخص کو بلایا۔ جب وہ آیا تو کہا کہ تجھ سے جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا تھا اُسے انکے مقابلہ میں بیان کر۔ اُسنے کہا کہ آپ نے ایسا ایسا کہا تھا۔ منصور نے کہا تو اسپر قسم کھا سکتا ہے۔ اُسنے کہا ہاں۔ یہ کہکر اُسنے یوں قسم کھائی باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ وہ اتنا کہنے پایا تھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جس طرح کہوں یہ اُس طرح قسم تو کھائے۔ منصور نے کہا کہ تو اس شرط کے ساتھ بھی قسم کھا سکتا ہے۔ اُس بیباک نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اے شخص تو اب یوں قسم تو کھا برئت من حول اللہ وقوتہ والتجأت الی حولی وقوتی لقد فعل جعفر کذا کذا۔

یعنی میں حول وقوت خدا سے بری ہوکر اپنی قوت وطاقت کی طرف رجوع ہوکر کہتا ہوں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا ایسا فرمایا تھا۔

وہ شخص اسپر ذرا جھجکا مگر منصور کی چشم نمائی پر راضی ہوگیا۔ اور بعبارت مذکورہ قسم کھائی قسم کھاتا تھا کہ زمین پر گرکر ٹھنڈا ہوگیا۔ منصور نے حکم دیا کہ پاؤں پکڑکر گھسیٹیں اور باہر لیجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ربیع کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جب وہاں سے واپس آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اُسے بطور خود کیوں قسم کھانے نہیں دی۔ فرمایا میں نے یہ پسند نہ کیا کہ وہ خدائے سبحانہ وتعالٰے کو اُسکی بزرگی اور وحدانیت سے یاد کرتا۔ تاکہ حق تعالٰے اُسپر عذاب عاجل نازل کرنے سے حیا فرماتا۔ اس لئے اس صورت سے قسم دی اور وہ فی الفور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگیا۔

ربیع نے پھر عرض کی کہ جب آپ منصور کے پاس داخل ہوئے تو لبہائے مبارک آپکے جنبش میں تھے اور جیوں جیوں لب ملتے تھے۔ منصور کی آتش غضب ٹھنڈی ہی جاتی تھی۔ اسکا کیا سبب حضرت اُس وقت کیا پڑھ رہے تھے۔ فرمایا میں اُس وقت اپنے جد بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ دعا پڑھتا تھا۔ وہ یہ ہے یا عُدّتی عند شدّتی ویا غوثی عند کربتی احرسنی بعینک التی لا تنام واکفنی بارکانک الذی لا یرام۔

اس واقعہ کو صاحب روضۃ الصفا نے بھی مع اس دعا کے تحریر فرمایا ہے۔ اور شواہد النبوۃ میں ملا جامی نے۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی تحریر

فرمایا ہے۔

چوتھی بار طلبی

خود جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار منصور نے مجھے طلب کیا۔ حاضر ہوا تو نہایت ترشرو ہو کر مجھ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ علیہ السلام۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے محمد ابن عبد اللہ نفس زکیہ کا کیا حال کیا۔ اور اُنکو کس طرح قتل کیا۔ اب میں اسکا منتظر بیٹھا ہوں کہ تم میں سے (بنی فاطمہ علیہم السلام) اگر کوئی کسی قسم کی ذرا بھی حرکت کرے تو میں اُسے فوراً قتل کر ڈالوں۔ اُسکے یہ کلام خصوصت انضمام سنکر میں نے جواب دیا کہ اے امیر مجھ کو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی کی عمر سے صرف تین سال باقی رہتے ہیں اور وہ صلہ رحم ادا کرتا ہے تو تیس ۳۰ سال کا اضافہ ہو کر تینتیس ۳۳ سال ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر انسان سے ہوتا ہے کہ سینتیس ۳۳ سال عمر میں باقی رہتے ہیں اور وہ قطع رحم کا مرتکب ہوتا ہے تو تیس برس کم ہو کر صرف تین ہی سال رہجاتے ہیں۔ منصور جو اپنے ہمیشہ زندہ رہنے کا از حد متمنی تھا یہ سُنتے ہی حواس باختہ ہو گیا۔ اور قسمیں دے دیکر آپ سے بار بار پوچھنے لگا کہ سچ فرمایئے ایسی کوئی حدیث آپ کو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے پہنچی۔ میں نے کہا واقعی یہ حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھکو ملی ہے۔ پس تین مرتبہ اُسنے اُس امر پر مجھ سے اقرار لیا اور مجھے فوراً وہاں سے رخصت کر دیا۔ نور الابصار شبلنجی مصری۔

صاحب کاشف الحقائق کا بیان ہے کہ یہ حدیث بحار الانوار میں بھی بلفظہ اسی طرح وارد ہوئی ہے جیسے اوپر نقل کی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ منصور اس حدیث کو بڑے شوق سے سنتا تھا۔ اور بار بار سنتا تھا اور ہر چند جسقدر قطع رحم کا وہ مرتکب ہوا ہے کمتر دنیا میں کوئی ایسا قاطع رحم ہوا ہوگا۔ تاہم اُسکو اپنی عمر بڑھانے کے نسخے اور اُس کی ترکیبیں معلوم کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ کیونکہ وہ زندگانی دنیا پر بہت حریص تھا۔

منصور زندگانی دنیا پر نہایت حریص تھا

ایک مرتبہ یہی حدیث اسنے اپنے بیٹے مہدی کو بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنوا دی تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت اُس کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اُسنے التماس کی کہ اے ابو عبد اللہ

علیہ السلام وہ حدیث صلۂ رحم جو آپ بیان فرماتے تھے پھر اُسکو ارشاد فرمائیں۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیکی وصلۂ رحم باعث آبادی عالم و موجب درازی عمر ہے۔
منصور نے کہا نہیں۔ یہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُسکو موت بھول جائیگی اور وہ ہمیشہ صحت و عافیت سے دنیا میں رہیگا جو اپنے اعزا اور اقارب سے صلۂ رحم ادا کیا کریگا۔
منصور نے کہا یہ بھی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں نے رحم و قرابت کو دیکھا کہ عرش الٰہی میں لٹکے ہوئے قاطع رحم کی شکایت کر رہا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اُنکے درمیان کتنا فصل تھا۔ کہا سات پشتوں کا۔
منصور نے کہا نہیں۔ یہ بھی نہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرد ابرار نیکوکار پر حالت احتضار طاری تھی اُسکے ہمسایہ میں ایک شخص قاطع رحم رہتا تھا۔ حق تعالے نے دریافت کیا کہ اے ملک الموت اسکی (قاطع رحم کی) کس قدر عمر باقی ہے۔ عرض کی تینتیس ۳۳ سال۔ ارشاد ہوا کہ وہ تینتیس ۳۳ سال اس نیک مرد واصل رحم کو دیدو اور قاطع رحم کی روح قبض کرلو۔
یہ سنکر منصور نہایت مسرور الحال ہوا۔ اور کہنے لگا کہ ہاں۔ یہ وہی حدیث ہے جسے میں آپ سے سُننا چاہتا تھا۔ پھر غالیہ دان منگا کر آپکے موئے سر وریش کو اپنے ہاتھ سے خوشبو کیا۔

پانچویں بار طلبی

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ اکثر دشمنان دین نے حضرت کی طرف سے چند خطوط اہل خراسان کے نام منصور کی مذمت اور اپنی اطاعت کی نسبت لکھکر یہ ظاہر کیا تھا کہ ہم نے یہ خطوط چند قاصدوں سے خراسان کے راستہ میں چھینے ہیں۔ اور اُن خطوں کو منصور کو دیکر اُسکو قتل امام پر اغوا کیا۔
منصور کو اُس وقت یہ سنکر ایسا غصہ آیا کہ اُسنے اُسی وقت اپنے حاجب ربیع کو بلایا اور کہا آج میرا مصمم ارادہ ہوگیا ہے کہ میں حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام کو ضرور قتل کرڈالوں۔ تو اسی وقت جا۔ اور وہ جس حال میں ہوں لے آ۔ خبردار۔ اُنہیں اتنی بھی مہلت نہ دینا کہ وہ تبدیل لباس یا تغیر وضع کریں۔

اُس روز منصور نے اپنے مشہور و معروف قصر احمر میں جلوس کیا تھا اور اُسکے معمول سے تھا کہ جب کسی کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اسی حصۂ عمارت میں بیٹھتا تھا۔ اور اُس روز کا نام روز ذبح ہوتا تھا۔ ربیع کا بیان ہے کہ اُسکے یہ کلام سنکر مجھے صدمۂ عظیم ہوا۔ اور یقین کامل ہو گیا کہ امام علیہ السلام آج ضرور قتل کئے جائیں گے۔ میں نہایت متردد ہوا کہ اگر حسب الحکم امام علیہ السلام کو اُسکی خدمت میں حاضر کرتا ہوں تو میں بھی ایک گونہ آپ کے قتل میں شریک ہو جاتا ہوں۔ اور میری آخرت برباد جاتی ہے۔ اور جو حکم نہیں مانتا تو یہ خونخوار مجھے میرے بال بچوں سمیت مار ڈالیگا۔ اور میرا مال و متاع سب لوٹ لیگا۔ پس اُس وقت میرا دل دین و دنیا کے اختیار کرنے میں متردد ہوا۔ آخر میں نے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا۔ اور اپنے بیٹے محمد کو بُلا کر وصیت کی کہ تو میرے تمام مال و متاع کا مالک ہے اور تو میرے تمام بیٹوں میں قوی اور جری ہے۔ جلد جا۔ اور دیوار خانہ سے بام پر چڑھکر داخل خانۂ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہو۔ اور جس حالت و حیثیت میں اُن کو پاؤ۔ یہاں لے آؤ۔

محمد سیڑھی لگا کر بام خانہ سے چڑھا۔ گھر میں اُترا تو دیکھا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام لباس کُہنہ پہنے۔ رومال پارینہ کمر مطہر سے لپیٹے۔ مشغول عبادت ہیں۔ خوف الٰہی سے عجیب حالت آپ کی ہو رہی ہے۔ محمد کو اتنی جرات تو نہوئی کہ حالت نماز میں خلل انداز ہو۔ جب آپنے سلام پھیرا تو محمد نے عرض کی کہ جلد چلئے خلیفۂ وقت نے آپ کو بُلایا ہے۔ وہ قصر احمر میں بیٹھا ہوا آپکا انتظار کر رہا ہے۔

یہ سنکر حسب عادت آپ نے استرجاع کی یعنی آیۂ شریفہ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھی اور فرمایا کہ اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے تبدیل لباس کر لوں۔ محمد نے کہا خلیفہ کا حکم نہیں۔ اور بجبر اُس برگزیدۂ انام کو مصلے سے اُٹھایا۔ اور سر و پا برہنہ لے چلا۔ حضرت علیہ السلام چاروں طرف حسرت سے دیکھتے تھے اور خاموش رہجاتے تھے۔ ضعف و نقاہت سے یہ عالم ہوا تھا کہ آپ کو راہ چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ کیونکہ سن مبارک اُس وقت ستر برس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور منصور کا مکان فاصلہ پر تھا جب شدت نقاہت سے قدم رہجاتے تھے تو محمد ابن ربیع آپ کو اپنے خچر پر سوار کر لیتا تھا۔ تا کہ جلد منصور کے حضور میں آپ کو پہنچا دے۔

القصہ آپ منصور کے سامنے اُس وقت پہنچے کہ منصور ربیع سے کہہ رہا تھا کہ رات آخر ہوئی جاتی ہے اور مطلب میرا ہنوز حاصل نہیں ہوا۔ یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ابتک نہیں آئے۔ یہ سنکر ربیع باہر دروازے پر آیا تو آپ کو اس شکل سے دیکھکر سخت بیتاب ہوا۔ اپنا سر جھکا لیا۔ اور آپ کے حال زار پر بہت رویا کیونکہ وہ حقیقت میں آپ کے بہی خواہوں میں سے تھا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ربیع تو مجھے پہچانتا ہے تو اسقدر مہلت دے کہ میں دو رکعت

نماز ادا کرلوں۔ ربیع نے کہا کیا مضائقہ۔ پڑھ لیجیئے۔ گو منصور چیختا اور چلاّتا رہا مگر حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ لی تب منصور کے سامنے تشریف لے گئے۔

منصور آپ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اور وہ خطوط مصنوعی آپ کے سامنے ڈالدیئے۔ اور کہنے لگا کہ اے آل ابیطالب علیہ السلام تم براہ حسد بنی عباس کی خرابی کے خواہاں ہو۔ آپنے فرمایا۔ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہرگز درست نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی سے ایسی تحریک نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسے خط لکھے۔ ہمکو جاہ و مال کی خواہش نہیں۔ صرف توکل بخدا ہمارا اشعار ہے۔ اور اسی پر دار و مدار ہے۔ جب عالم جوانی میں بیئے ظالمین بنی امیہ کا دفعیہ نہیں چاہا تو اس ضعف و پیری میں بنی عباس کے کاروبار میں کیونکر خلل انداز ہوسکتا ہوں۔ بنی امیہ کے متواتر اور مسلسل ظلموں سے اب تک ہماری آنکھیں خشک نہیں ہوئی ہیں۔ یہ فرماتے تھے اور رقت آپ پر طاری تھی۔ مگر منصور کے دل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور ویسا ہی شدت غیظ و غضب میں اپنے ہونٹھ چبا رہا تھا۔ اور بار بار اپنی تلوار میان سے کھینچ لیتا تھا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میرا یہ حال تھا کہ میں امام علیہ السلام کی حالت زار دیکھکر سخت پریشان اور مضطرب الاحوال ہو رہا تھا۔ اور قریب تھا کہ اُسی کی تلوار لیکر اُس کے ٹکڑے کر ڈالوں۔ بارے یکایک اُس سنگدل کی حالت میں انقلاب عظیم واقع ہوا۔ یا تو پہلے اس شدت سے قتل امام علیہ السلام پر تلا ہوا تھا یا بہت نرمی اور آہستگی سے بولا۔ درست ہے۔ خط میری ہی جانب سے ہے۔ یہ کہکر اپنے پاس مسند پر آپ کو بٹھالیا۔ اور غالیہ دان منگا کر آپ کی ریش مقدس کو اُس سے خوشبو کیا۔ اور مجھ سے (ربیع سے) کہا کہ میرے خاصہ کا گھوڑا آپ کی سواری کے لئے تیار کرو۔ اور دس ہزار درم آپکی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیشکش گذرانے۔ اور مجھ سے کہا کہ نہایت عزت و احترام سے آپ کو آپ کے مقام تک پہنچا دو۔

ہم خوشی خوشی وہاں سے نکلے۔ راستہ میں میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی۔ یا بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ آپ کی دعا کا اثر ہے۔ ایک دعا تو حضور نے نماز کے بعد پڑھی۔ پھر جب آپ صحن خانہ میں پہنچے تو اُس وقت بھی لبہائے مبارک حضرت کے جنبش میں تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں۔ پہلی دعا جو میں نے پڑھی وہ دعائے کرب و بلا تھی۔ جسکو معمولاً میں تعقیبات نماز کے ساتھ روزانہ پڑھا کرتا ہوں۔ اور دوسری دعا جو میں نے پڑھی وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دعائے ماثورہ ہے جسے آپ نے جنگ خندق میں اُس وقت پڑھی تھی جب مشرکین نے حلقۂ انگشتری کی طرح تمام مدینۂ منورہ کا محاصرہ

کر لیا تھا۔

اتنا فرماکر آپ نے ربیع سے کہا کہ میں نے اپنی وہ قطعہ زمین جسے تو مجھ سے خریدنا چاہتا تھا اور میں تجھ کو نہ دیتا تھا۔ وہی زمین میں نے بلا کسی معاوضہ کے تیرے نام ہبہ کر دی۔ ربیع نے عرض کی کہ مجھے مال و جائداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی بندہ نوازی کافی ہے کہ وہ دونوں دعائیں مجھے تعلیم فرمادی جائیں۔ ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جو چیز کسی کو دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔

اسکے بعد جناب امام جعفر صادق علیہ السلام مکان تشریف لے گئے۔ اور مدینۂ منورہ پہنچکر آپ نے دونوں دعائیں بھی لکھکر بھیجدیں۔ اور زمین مذکورہ کا ہبہ نامہ دستخطی و مُہری اپنا اُسی کے ساتھ عنایت فرمایا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے واپس ہوکر منصور کے پاس آیا۔ اور اُس سے اُسکی اتنی گرمی اور پھر اتنی نرمی کا سبب دریافت کیا۔ تو اُسنے مجھ سے کہا کہ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے۔ اگر شیعیان جناب علی مرتضٰے علیہ السلام کو معلوم ہوجائیگا تو انہیں ایک دلیل محکم ہاتھ آجائیگی۔ مگر چونکہ مجھے تجھ سے ایک محبت خاص ہے اس لئے کہتا ہوں کہ جب میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل کرنے کے لئے تلوار نیام سے نکالی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو نظر آئے کہ مارے غیظ و غضب کے تیغ ہاتھ میں لئے فرماتے ہیں کہ اگر تو جعفر علیہ السلام کو ستائیگا تو میں بھی تجھے اسی تیغ سے ابھی ابھی قتل کرڈالونگا۔ پس خوف عظیم مجھ پر طاری ہوا۔ اور پھر سوائے امام علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے اور کچھ بن نہ پڑا۔ اے ربیع۔ بنی فاطمہ علیہا السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک عظیم ہے۔ کسی مسلمان پابند شرع کو جائز نہیں ہے کہ اُن کے حقوق سے غافل رہے۔ تجھ کو مکرر تاکید کرتا ہوں کہ یہ راز سربستہ میرا افشا نہ ہونے پاوے ورنہ تجھے قتل کرونگا۔ محمد ابن ربیع سے مروی ہے کہ میرے باپ نے منصور کی زندگی میں یہ روایت کبھی کسی سے بیان نہیں کی۔ اُس کے مرنے کے بعد مجھ سے کہدی۔

ہم نے متعدد واقعات جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل و ہلاکت کے متعلق جو خاص منصور کی تجویزیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کردئے۔ جس سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ منصور نے ایک بار نہیں کئی بار۔ ایک طرح نہیں۔ کئی طرح سے امام علیہ السلام کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ بلکہ اپنے حسابوں وہ آپ کو قتل ہی کرچکا تھا۔ مگر خدا کی قدرت تھی کہ آپ کی جان بچ گئی۔ ورنہ آپ کو تو ہر بار اپنی طلبی پر اپنی جان سے پوری مایوسی ہوجاتی تھی۔

———(o)—*—(o)———

اہل خراسان کے خطوط منصور کی کھلی حرکت تھی

اہل خراسان کے خطوط کا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام آنا جیسا کہ اوپر کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ منصور کی ایک مخالفانہ تدبیر تھی جو اُسنے آپ کے اوپر بغاوت اور سرکشی کے صرف الزام لگانے کی غرض سے تجویز کی تھی۔ کیونکہ اُسنے سمجھ لیا تھا کہ سادات بنی حسن سے زیادہ آپ کی ذات مجمع الصّفات پر ان امور کا شبہہ ہوسکتا ہے۔ اور بنی حسن سے زیادہ آپ کے اعوان و انصار تمام بلاد اسلامیہ کے دیار و امصار میں بتلائے جاسکتے ہیں۔ اس لئے اُس نے چند خراسانیوں کو اپنی سازش میں لاکر ان مصنوعی خطوط کو آپ کے نام لکھوایا اور آپ کے نام بھجوایا۔ اور پھر خود انتظام کرکے راستہ میں اُن خطوط کو اُنہیں قاصدوں سے چھنوایا۔ منصور کی یہ مخالفانہ تدبیروں کی ایک دوسری ترکیب تھی۔ چنانچہ ہمارے فاضل معاصر مؤلف کاشف الحقائق منصور کی ان ترکیبوں کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے آخری ایام اُسی کے زمانہ میں بہت تردد اور تلخی میں بسر ہوئے۔ کیونکہ وہ آپ کی طرف سے کمال درجہ حسد و عداوت رکھتا تھا۔ اور مخل اپنی خلافت کا ظاہر کرکے درپے ایذا و آزار تھا۔ اور ہمیشہ اس گھات میں لگا تھا کہ کوئی حیلہ اُن جناب کے قتل کا ہاتھ آئے۔ مخبر اور جاسوس ادھر اُدھر چھوڑ رکھے تھے کہ دم دم کی خبریں اُسے پہنچایا کریں۔ مصنوعی خطوط آپ کی جانب سے شیعوں کے نام لکھے جاتے تھے۔ اور راہ میں پکڑے جاتے تھے۔ اور اسکی پاداش میں سخت تکالیف پہنچائی جاتی تھیں۔ کاشف ص ۲۰۸۔

منصور کی تمام تدبیریں اُسکے مقصد کے خلاف نکلیں

یہ تو اوپر کے واقعات سے معلوم ہو چکا کہ منصور نے آپ کے قتل کو اپنے امکان سے باہر سمجھکر آخر آپ کو مدینہ تشریف لیجانے کی اجازت دیدی اور آپ مدینہ میں واپس آئے۔ مگر مدینہ میں مراجعت فرمائی۔ جانے کے بعد بھی منصور کی خونخوار طبیعت آپ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئی۔ مدینۂ منورہ کی مراجعت فرمانے کی اجازت بھی کس مجبوری کی وجہ سے دی گئی تھی۔ اُسے بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ مجبوری اور معذوری یہ تھی کہ منصور آپ کی طرف مرجوعہ عامہ دیکھکر سوچنے لگا کہ آپ کا زیادہ عراق میں قیام رکھنا میرے مقاصد کے لئے مفید کیا ہوگا۔ بلکہ اُور مضر اور سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ اور حقیقت امر بھی ایسی ہی تھی۔ عراق میں آپ کے ارشاد و ہدایت کے وہ سکے جمے اور وہ قبولیت حاصل ہوئی۔ اور آپ کی طرف تمام اہل اسلام کا ایسا رجوع عام ہوا کہ منصور کی گرم بازاری بالکل ٹھنڈی پڑگئی۔ منصور نے اگرچہ اس کی بہت روک تھام کی اور آپ کو بغداد سے بصرہ بھیجدیا

مگر جب بصرہ میں بھی عام مرجوعہ کی یہی کیفیت ہوئی تو کوفہ کے عامل کے حوالے کیا۔ مگر وہاں بھی اس شمع امامت کے گرداگرد تمام اہل اسلام پروانہ وار جمع ہوتے دیکھے تو آخرکار پھر بغداد واپس بُلایا۔ اور جو سوچا تھا اُسکے خلاف ظاہر ہوا۔ منصور اس وجہ سے اور آپکے زیادہ آزار پہنچانے میں عجلت نہ کرسکا کہ آپ کے خلاف ذراسی تحریک پر عراق اور اُس کے اطراف کے تمام لوگ جو آپ کے خلوص وارادت کا دم بھر رہے تھے۔ اگر اُس وقت بے ادبی کی کوئی حرکت فوراً اُس سے ظاہر ہوتی تو تمام عراق میں عام بغاوت اور شورش پھیل جانے کا پورا یقین لگا ہوا تھا
اگر بصیرت کی آنکھیں اور حقیقت کے کان کھلے ہوں تو بنی عباس کے مویدین دیکھ لیں کہ منصور کی تمام پولیٹکل چالیں اور ملکی تدبیریں امام برحق اور حجت اللہ مطلق کے مقابلہ میں کچھ بھی کارگر نہ ہوسکیں۔ بلکہ اُس کی تمام کوششیں اُس کے خلاف ثابت ہوئیں۔ مثال کے لئے عراق کی طلبی ہی کافی ہے۔ منصور نے تو سوچا تھا کہ آپ کو اپنے پاس رکھکر آپ کے ارشاد وہدایت کے راستوں کو بند کردیا جاوے۔ جب سلسلۂ ارشاد ہی منقطع ہوجائیگا تو اجماع اور کثرت مومنین کہاں باقی رہیگی تھوڑے دنوں میں آپ فرقۂ شیعہ نیست ونابود ہوجائیگا۔

مگر اس کے خلاف۔ جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہوا۔ جناب زید شہید رضی اللہ عنہ کے بعد عراق والوں کے رسم وراہ اور خلوص وعقیدت اہلبیت طاہرین اور ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف بہت کم ہوگئے تھے۔ امام شعبی۔ عمر ابن عبید۔ حسن بصری اور ابوحنیفہ کے قیاسی اجتہاد کے رنگ چاروں طرف جمے ہوئے تھے۔ عراق والوں میں بہت کم ایسے لوگ تھے جو مسلک اہلبیت علیہم السلام پر قائم تھے۔ مگر ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد + امام جعفر صادق علیہ السلام کا عراق تشریف لیجانا تھا کہ بہت سے سرگشتگان بادیۂ ضلالت آپ کے فیضان صحبت اور ارشاد وہدایت سے مستفید ہوکر طریقۂ حقہ پر راسخ العقیدہ ہوگئے۔ اور بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک آپ کے ارشاد وہدایت کا کامل اثر پہنچگیا۔ اور ہزاروں اہل اسلام کے مشتبہ اور مشکوک خیالوں کی پوری اصلاح ہوگئی۔ وہ سلطنت کی تجویزیں تھیں۔ یہ مشیت کی تدبیریں جو بفحوائے وما یعلمہ الا ھو اُسی کی ذات اقدس تک محدود ومنحصر تھیں۔

منصور کے فساد طبیعت اور غرور سلطنت نے اُسکو محمد وابراہیم پر دسترس دلاکر اُسکو یقین دلایا تھا کہ ہم جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے معاملات میں بھی ویسے ہی کامیاب ہوتے جائینگے۔ اور اُن کے معاملات کو بھی ویسا ہی درہم وبرہم کردینگے جیساکہ اُن لوگوں کے امور کو۔ اگر اُسکے دل میں امام علیہ السلام کی معرفت کلی باقی رہی ہوتی تو اس سے پہلے محمد نفس زکیہ اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرق مابہ الامتیاز کو اُسنے سمجھ لیا ہوتا۔ مگر

اُسنے بنی ہاشم ہونے کی مساوات پر جیسا اپنے آپ کو شرف و فضیلت میں امام علیہ السلام کا ہمسر سمجھا تھا۔ اسی طرح محمد و ابراہیم کو بھی۔ اسی بناپر اُسنے یہ تدبیریں کیں اور یہ سوچا کہ اگرچہ محمد کا قتل بھی خون ناحق ضرور تھا۔ مگر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا خون۔ خون ناحق ہونے کے علاوہ۔ خون امام بھی تھا۔ اُسکی حفاظت و مدافعت میں خدا کی حمایت و اعانت لازمی تھی جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ایک بار نہیں۔ کئی بار ظاہر ہو چکی۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ جب تک امام وقت اور حجت العصر (علیہ السلام) کی جاہ و جلالت اور قدر و منزلت قدرتی اور آسمانی ذریعوں سے بتواتر اور مسلسل اس پایہ تک نہ پہنچے۔ وہ امام نہیں ہوسکتا۔

امام علیہ السلام کے گھر میں آگ لگادی گئی

یہاں تک تو معلوم ہو چکا ہے کہ منصور نے ہر طرف سے مایوس اور ہر طرح مجبور ہو کر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو مدینہ واپس بھیجدیا۔ مدینۂ منورہ میں پہنچکر آپ اپنے معمولی مشاغل ارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ مگر چاہیئے منصور آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے خیالوں سے علٰحدہ ہوا ہو۔ نہیں کبھی نہیں۔ اب اُس نے آپ کی ایذا رسانی کی ایک نئی چال سوچی۔ حیلہ۔ مکر اور دغا کا۔ بیشک۔ وہ پتلا تھا۔ سوچا کہ آپ کی ہلاکت کی تدبیر اب آپ کے گھر والوں میں سے کسی کے ذریعہ سے کر کے خود علٰحدہ رہنا چاہیئے۔ اگر یہ جوڑ چل گیا اور یہ ترکیب کارگر ہو گئی تو پھر ہم الزام سے بال بال بچ جائیں گے۔ جو کچھ ہوگا۔ وہ کرنیوالے کے سر جائیگا۔

اس خیال سے اس نے اپنے چچا زاد بھائی داؤد ابن علی کو مدینہ کی امارت سے معزول کیا۔ اور اُن کی جگہ حسین ابن زید ابن حسن کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ ان کے باپ زید ابن حسن کے حالات ہم اس سلسلہ کی پانچویں کتاب موسوم بہ **مآثر الباقریہ** میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔

یہ وہ ذات شریف ہیں جو ہشام کے پاس شام میں جا جا کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف سے خلاف خلاف باتیں بیان کرتے تھے۔ اور اُسکو ہمیشہ آپ کی مخالفت پر اُبھارا کرتے تھے۔ یہاں تک اُسکے کان بھرے کہ آخر اُسنے مدینہ سے شام میں آپ کو طلب کر لیا۔ اور انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور آخر انہیں کی سازش سے آپ کو قتل کرایا۔

یہ اُسی باپ کے بیٹے تھے۔ غرضکہ منصور نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لئے اسی ننگ خاندان کو تجویز کیا۔ اور امارت مدینہ کا سبز باغ دکھلا کر اس ترکیب سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل پر انکو راضی کر لیا۔ اور یہ ہدایت کی کہ جس وقت آپ اپنے مخصوصین کے ساتھ شب کے وقت بیٹھے ہوں۔ دفعتًا مکان میں آگ لگادی جائے۔ اور اس طرح اُس شمع امامت کو گل کر دیا جاوے۔

حسین ابن زید نے منصور کے حکم کے مطابق ایک رات کو دفعتاً دولت سرا کے اُس حصہ میں آگ لگا دی جس میں آپ اپنے اصحاب مخصوصین کے ساتھ بیٹھے ارشاد و ہدایت کی تعلیم و تلقین میں مصروف تھے۔ کہ یکایک سقف خانہ سے آگ کے سر بفلک شعلے بلند ہونے لگے۔ اور دود و گرد آلود سے چاروں طرف مکان بھر گیا۔ اور گھر سے باہر تک سخت اضطراب و انتشار کی حالت پیدا ہو گئی۔

آپ کے غلام اور اصحاب باوفا آگ کے گُل کرنے میں مصروف ہوئے۔ مگر اُسکی شدت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تو آخر کار آپ بالنفس نفیس اپنے مقام سے اُٹھے۔ اور حسین ابن زید کی اس خفیف الحرکاتی پر متحیر ہو کر عبا کے دامن کو شعلوں کی طرف حرکت دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن ابراھیم خلیل اللہ۔ میں حضرت اسمٰعیل و جناب ابراہیم علےٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کا فرزند ہوں۔

اُس فخر خاندان خلیل اللہ علیہ السلام کے ان کلمات کی معجز نما تاثیروں نے اُس نار منصوری کو دم کے دم میں بجھا دیا۔ اور آپ کے تمام متعلقین اور اصحاب مخصوصین بال بال بچ گئے اور گھر سے باہر تک کچھ نقصان ہونے نہ پایا۔ کتاب کافی میں بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔

کتابوں میں منصور کی ان جوڑ بندیوں کا سراغ لگایا جاوے اور دیکھا جاوے اور واقعات تاریخی میں ان امور کا معائنہ کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ منصور کا عضو عضو حرفت اور فریب کی ایک جداگانہ مشین (آلہ) تھا جس سے رنگ رنگ کی ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنی تدبیروں کے اُلجھاوے میں کسی انسان کی مخلصی اور جانبری کی امید کیجا سکے ؟ مگر اسکی پوشیدہ اور خفیہ کارروائیاں ایسی ہی راز سر بستہ اور عقدۂ مالاینحل کی صورتوں میں ہو اگر [illegible] حقیقت میں تدبیروں کے سوا ترکیب انسانی کا اُسکو علم ہوتا اگر محال نہیں تو قریب المحال تو ضرور تھا۔

منصور کی ایک نئی عیارانہ حرفت

جہاں اُسنے بہت سے حیلے آپ کے قتل کے متعلق سوچے تھے۔ وہاں ایک یہ بھی تھا کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر کسی نہ کسی طرح بغاوت۔ سرکشی۔ یا کم سے کم طمع حکومت کا الزام لگا کر آپکو مستوجب عقوبت اور واجب القتل ٹھہرایا جاوے۔

جس زمانہ میں سادات بنی حسن کی شورشیں گرم تھیں۔ اُس نے (منصور) بنی حسن کے استیصال کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی بھی تدبیر کی۔ وہ یہ تھی کہ جعفر ابن محمد ابن اشعث کو جو فتنہ پردازیوں میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو رہا تھا۔ بُلایا اور کہا یا ابن المہاجر (تالیف

قلوب کی غرض سے) مجھ سے یہ روپیوں کی تھیلیاں لے لو اور مدینہ منورہ میں جاکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام، محمد نفس زکیہؑ اور عبد اللہ محض بزرگان خاندان بنی فاطمہ علیہا السلام سے ملاقات کرو۔ اور اُن سے کہو کہ مجھکو شیعیان خراسان نے یہ مال دیکر کہا ہے کہ اسے آپکی خدمات میں پہنچا دوں کہ آپ اسکے ذریعہ سے بادشاہ عصر پر خروج کریں۔ ہم سب آپ کی خدمت اور اطاعت کے لئے حاضر ہیں جعفر ابن محمد ابن اشعث کا بیان ہے کہ میں یہ مال لیکر بغداد سے مدینہ آیا۔ اور ان حضرات سے ملا۔ دو بزرگوں نے (محمد اور عبد اللہ) تو اپنے نام کے مال لے لئے۔ اور مجھے رسید کے خطوط بھی لکھدئے۔ سوائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے۔

میں جب آپ کی خدمت میں گیا تو آپ اُس وقت مسجد جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونق افروز تھے۔ اور عبادت الٰہی میں مصروف تھے۔ میں ٹھہر گیا۔ یہاں تک آپ نے نماز کو جلد تمام کیا۔ اور مصلے سے اُٹھکر میرے پاس آئے۔ اور نہایت نرمی اور آہستگی سے فرمانے لگے کہ اے محمد کے بیٹے خدا سے ڈر اور ہمارے دُکھ دینے اور ستانے سے باز آ۔ اپنے بھیجنے والے سے کہدے کہ ہم اہلبیت رسالت علیہم السلام نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو حق ناحق ہمارے ستانے پر آمادہ ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے کہ ہم ظالمین بنی امیہ کے پنجۂ ستم سے چھوٹے ہیں۔ اور حد سے زیادہ تنگدست ہو رہے ہیں۔ اور تجھ کو صلۂ رحم کے تقاضہ سے ہماری امداد و اعانت کرنی چاہئے نہ کہ جھوٹی تہمتیں لگاکر مورد عتاب و مستوجب انابت کرنا۔

محمد ابن اشعث کے بیٹے کا بیان ہے کہ یہ فرماکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اپنے قریب بُلاکر آہستہ آہستہ وہ تمام تقریریں جو منصور نے مجھ سے کی تھیں دُہرا دیں۔ گویا آپ اُس وقت ہمارے ساتھ تھے جس وقت منصور مجھ سے یہ باتیں کرتا تھا۔ حالانکہ ہمارے اور اُس کے سوا اُس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا۔

القصہ منصور کے پاس واپس جاکر میں نے ساری روداد بیان کر دی۔ تو منصور نے کہا سچ ہے ہم اہلبیت علیہم السلام میں ایک شخص محدث ہوتا ہے کہ علوم الٰہی اور اسرار لامتناہی مبدء فیض سے اُس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانہ کے محدث بیشک جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اے جعفر۔ خبردار۔ اسکا ذکر کسی دوسرے سے کہیں اور نہ کیجیو۔

کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حکومت و سلطنت کی خواہش رکھتے تھے

ہم نے اتنے متعدد واقعات منصور کی اُن ایذا رسانیوں کی تفصیل میں لکھدئے جو اُس نے مختلف اوقات اور متفرق ترکیبوں کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل و ہلاکت کی

کوششوں میں پیش کئے تھے۔

اب اس مضمون میں ہم ثابت کئے دیتے ہیں کہ منصور کے یہ الزام امام علیہ السلام پر کسی طرح عائد ہی نہیں ہو سکتے۔ نہ آپ کو امارت و حکومت کی خواہش تھی۔ اور نہ محمد نفس زکیہ یا کسی دوسرے مخالف سلطنت سے سازش۔ اور یہ منصور کو بھی اچھی طرح معلوم تھا۔ خلافت و امارت کے متعلق بھی اُسے ثابت ہو چکا تھا کہ آپ کو اس کی تمنا نہیں۔ اور مقام ابوا والے مشورہ کے دن آپ ہی نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ امر حکومت و ریاست سادات بنی ہاشم میں بنی حسن کا کا مقدر نہیں ہے۔ بلکہ بنی عباس کا حصہ ہے۔

اگر منصور کے دیدۂ بینا اور گوش شنوا ہوتے تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی صرف یہی تقریر اُسکی تشفی کے لئے کافی تھی۔ کیا منصور کو آپ کی یہ تقریر اُس وقت یاد نہیں تھی۔ مگر نہیں ضرور یاد تھی۔ اور چونکہ اُس کے مطلب کی تھی۔ اسلئے امید ہے کہ تادام الحیات یاد رہی ہوگی۔

اس تقریر کے علاوہ۔ اور دوسرے موقعوں پر بھی آپ نے دیگر امیدواران سلطنت کے مقابلہ میں بھی ایسی ہی تقریر کی ہے۔ جو منصور کے خلاف حصول امارت کی کوششیں کر رہے تھے۔ اور اُن کو حتے المقدور آپ نے ان امور سے باز رکھنا چاہا۔ اس کے ثبوت کے لئے سب سے پہلے ہم عبد اللہ محض سے آپ کی دوسری تقریر درج کرتے ہیں۔ جو آپ نے اُن سے ابو سلمہ اور ابو مسلم کے خطوط آنے کے وقت کی تھی۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا اپنی جلد سوم میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

چوں نامۂ ابو سلمہ بعبد اللہ ابن حسن رسید۔ واو غافل آنکہ مکتوبے بامام جعفر صادق علیہ السلام نیز مثل ایں نامہ نوشتہ است پیش او رفت و بر سبیل مفاخرت گفت کہ ابو سلمہ نیز دمن مکتوبے نوشتہ است و نیز از با استدعاے خلافت کردہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرمود بمن نیز مکتوبے نوشتہ بود۔ من اورا ناکشودہ در آتش سوختم۔ زنہار زنہار بر قبول ایں مہم ہمداستاں نگردی کہ خلافت بما نرسد۔

عبد اللہ محض اس وقت بنی ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن تھے اور قرابت میں جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے چچا تھے۔ مگر تاہم آپ نے منصب امامت کی رعایت اور اعلائے کلمۃ الحق کی ضرورت سے انکی پند و موعظت کے متعلق ایک لمحہ کے لئے بھی دریغ نہ فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ میں جب کسی مسلمان کی خیر خواہانہ ہدایت سے باز نہیں رہ سکتا تو پھر آپکے مقابلہ میں تو بدرجۂ اولے خموشی نہیں اختیار کر سکتا۔

کیا اس سے بڑھکر کوئی دوسرا واقعہ آپ کی عدم رغبت بخلافت کو ثابت کر سکتا ہے۔ اور

کیا ایسی صاف اور روشن تقریر سے قبول امارت کے متعلق آپکا انکار ثابت نہیں ہوتا حق تو یہ ہے کہ جن کے دیدۂ حقیقت کشادہ ہیں وہ اسی تقریر سے آپ کے استغنائے طبیعت اور سیر نفسی کے جوہر پورے طور سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر حقیقت میں آپ کی خاطر فیوض مآثر کا رجحان اس طرف ہوتا تو آپ بھی عبد اللہ محض کی طرح ان امور کی طرف اپنا میلان اور خواہش ظاہر فرماتے۔ اور اس کے دستیاب ہونے کی حتے المقدور کوشش کرتے۔

اچھا اسکو بھی جانے دیجئے۔ ابو سلمہ اور ابو مسلم کے خطوط آپ کے نام بھی آئے تھے۔ اور قبول خلافت کے لئے آپ سے بھی استدعا کی گئی تھی۔ بلکہ باسناد روضۃ الصفا و تاریخ یافعی۔ سب سے پہلے آپ ہی کی خدمت میں یہ استدعا پیش کرنے کے لئے قاصد کو سخت تاکید کی گئی تھی۔ مگر آپ نے اسکا کیا جواب دیا۔ وہ بالتفصیل پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر آپ کو یہ امر سراً و علانیتاً منظور ہوتا تو آپ ابتدا ہی سے انکار نہ فرماتے۔ اور خط کو بے پڑھے چراغ کی لَو سے نہ لگاتے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یہ طائف الملوکی کا خاص زمانہ تھا۔ اور امیدواران خلافت کے لئے قسمت آزمائی کا مغتنم وقت۔ اگر یہ امور جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے بھی مرکوز خاطر ہوتے تو ضرور تھا کہ آپ بھی اُن کی طرف اپنی رغبت ظاہر فرماتے۔ اور دوسرے امیدواران خلافت کی طرح آپ بھی اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اس کے دستیاب ہونے کی کوشش کرتے۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ سادات بنی حسین وغیرہم سے بدرجۂ اولے آپ اس کے لئے شایان اور سزاوار تھے مگر اس کے بالکل برعکس۔ آپ نے کبھی سوتے جاگتے بھی ان امور کی طرف خیال نہ فرمایا۔ اپنی آمادگی اور مستعدی تو درکنار۔ دوسروں کو اسپر آمادہ اور تیار پا کر منع فرمایا اور باز رکھنا چاہا۔ تو پھر ایسے کریم النفس اور مستغنی المزاج بزرگوار کو اس امر پر حریص بتلانا۔ یا کم سے کم اُس پر ان امور کے خواہشمند ہونے کا صرف شبہہ کرنا۔ انصاف کا گلا کند چھری سے ریتنا ہے۔

خلافت کی تمناؤں کی تو یہ حالت تھی۔ اب محمد نفس زکیہ کے ساتھ سازش میں ہونے کی بھی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اوپر تاریخی اسناد سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے ہنگامہ میں آپ نے سکونت مدینۂ منورہ بالکل ترک فرما دی تھی۔ اور دیہ افرنج میں جو مدینہ سے ملا ہوا ایک گاؤں تھا اقامت اختیار فرمائی۔ اور پھر جب تک کہ محمد نفس زکیہ کے امور تمام نہو لئے۔ اور شہر میں پھر بار دیگر بطور سابق امن و امان قائم نہو لیا۔ آپ تشریف نہ لائے۔

یہ واقعات آپ کے حزم و احتیاط کے کامل ثبوت ہیں۔ تو پھر ایسے حزم و احتیاط کرنیوالے اور

علٰحدہ رہنے والے بزرگ کو۔ کون عقل والا کسی کا طرفدار اور معین و مددگار کہہ سکتا ہے۔ کیا منصور کی آنکھیں نہیں تھیں۔ کہ آپ کی اس انتہا درجہ کی حزم و احتیاط کو دیکھتا۔ اور نفس زکیہ کے معاملات میں آپ کی بے سروکاری اور علٰحدگی کو براۃ العین مشاہدہ کرتا۔ مگر اس پر بھی۔ منصور کو اطمینان نہ ہوا۔ تو اس نے آپ کو مقام ربذہ میں بلایا۔ اور آپ سے اپنے تمام شبہوں کے متعلق استفسار کیا۔ تو آپ نے صاف صاف لفظوں میں۔ ترک وطن۔ اور اپنی غیر سروکاری کی واضح اور روشن دلیلیں بیان کرکے اس پر اپنی برائت ثابت کر دی۔ اور منصور نے بھی اس وقت مطمئن ہو کر آپ کو رخصت کر دیا۔

محمد نفس زکیہ کے معاملات میں تو مقام ابواء کی مشورت کے وقت ہی سے آپ کو اختلاف تھا۔ جیسا کہ اوپر کئی بار بیان کیا گیا۔ تو پھر ایسی حالتوں میں ایسے بزرگ پر جو ابتدا ہی سے ان امور کا برابر مخالف ہوتا چلا آتا ہو اور ظہور مخالفت کے زمانہ میں ان امور سے بالکل علٰحدہ اور غیر سروکار رہا کیا ہو۔ ان امور کا شبہہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال ان واقعات نے کامل طور پر ثابت کر دیا۔ کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات مستغنی الصفات کے متعلق یہ تمام الزام سراپا لغو اور مہمل ہیں۔ اور خود منصور کی طرف سے ایسے جھوٹے اور بے اصل الزاموں کا آپ کی نسبت مشہور کرانا۔ اسکی محسن کشی اور سخت کافر نعمتی کی دلیل ہے۔

حقیقت امر تو یوں ہے کہ ان معاملات میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بے لوثی علٰحدگی اور غیر سروکاری اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی تاریخ میں ایسے مستغنی المزاج اور سیر نفس بزرگواروں کی صورتیں بہت کم دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ الزام جو منصور نے لگانا چاہے تھے وہ بھی صرف ابلہ فریبی کی غرض سے تھے۔ منصور غرور سلطنت میں چور۔ اور اپنی انانیت کے نشہ میں مخمور ہو کر اپنے معاصر حجۃ اللہ زمانہ کی دل آزاریوں کی مختلف فکریں عمل میں لایا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جن حضرات کو علم تاریخ کا مذاق سلیم حاصل ہے وہ اولیاء و اتقیاء اللہ کے مبارک طبقہ میں اسکی ایسی سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں بتلا سکتے ہیں۔ منصور کی ان ایذا رسانیوں میں جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی اہانت اور تنقیص مراتب بھی شامل تھی۔ جس طرح سابق سلاطین جبابرہ نے اپنے علم و فضل کی ہمسری کا دعوے بھی اور دعووں کے ساتھ اپنے معاصر حجۃ اللہ کے مقابلہ میں کیا تھا۔ اسی طرح منصور نے بھی جس طرح ان فرمانروایان پیشین نے اپنے معاصر حجۃ اللہ کے تلقین و تعلیم ہدایت و ارشاد کے امور میں۔ پورے طور سے خلل ڈالے۔ اسی طرح منصور نے بھی بلاد اسلامیہ کے تمام اہل اسلام

کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی تقلید و اقتدا سے روکا اور منع کیا۔ اور اسی ضرورت کی بنا پر ابو حنیفہ کوفی کو "کس نیا موخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد" اپنے تمام ممالک محروسہ کا مفتی اور قاضی بنایا۔ اور عالم الدہر کا خطاب دیا۔ ان امور کے استحکام اشاعت کے لئے اُس نے علے الاعلان حکم دیدیا کہ جو شخص ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھے گا تو اُس پر **ایک اشرفی انعام** میں دی جائے گی۔ اور جو شخص جناب امام **جعفر صادق** علیہ السلام سے کوئی مسئلہ پوچھیگا اُسے **ایک اشرفی جرمانہ** دینی ہوگی۔ اس حکم عام کے نافذ ہوتے ہی ہزاروں فاقہ مستوں اور لاکھوں زر پرستوں کی چاندی کٹی۔ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے۔ بیٹھے بٹھائے تحصیل معاش کا بہت آسان ذریعہ حاصل ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دار القضا پر وہ ہجوم ہونے لگے کہ منصور کے ایوان شاہی کی گرم درباری بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔

مگر بایں ہمہ۔ جب ان امور کے نتیجوں پر غور کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ منصور کی ان ابلہ فریبیوں نے اُس خام عقیدہ والی جماعت پر اپنا جو کچھ اثر نہ ڈالا ہو۔ اور اپنی دولت دنیا کی لالچ۔ سطوت سلطانی کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے۔ اس عام حکمنامہ کی جہاں تک تعمیل نہ کی ہو۔ ہم کو اُن سے بحث نہیں۔ مگر بخلاف ان کے منصور کی ان تجویزوں نے خالص الاعتقاد اور راسخ الایمان حضرات پر اپنا کوئی اثر پیدا نہیں کیا۔ جن کی آنکھیں ضیائے ایمانی سے روشن اور جن کے قلوب انجلائے روحانی سے منور تھے۔ تمام عالم میں یہ زر مستیاں اور ناحق پرستیاں پھیلتی رہیں۔ مگر اُن کے پائے استقلال صراط مستقیم سے نہ ہٹنے والے تھے نہ ہٹے۔ نہ ہٹے۔ اور اپنے عقائد پر کانہم بنیان مرصوص کی پوری مثال بنکر ہمیشہ قائم رہے۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کی لگاتار اور بار بار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے تھے اور سخت ضیق النفسی کے عالم میں بسر فرماتے تھے۔ نہایت احتیاط سے وعظ و ہدایت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپکی ان مجبوریوں کی تھوڑی بہت کیفیت اوپر لکھی جاچکی ہے۔ چنانچہ ان امور میں منصور کے ظلم سے تنگ آکر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر حکام جور مجھ کو منع نہ کریں تو میں ملک کے کسی گوشہ میں چلاجاؤں کہ وہاں شیعہ میرے پاس جمع ہوں میں اُن کو تعلیم کروں اور اُن کے قرب و نزدیکی سے اُنس گیر ہوں۔ اور وہ مجھ سے مانوس ہوں۔ اور اگر منصور مجھ سے معترض نہو تو میرا مدعائے دلی یہ ہے کہ ایک مکان وسیع بنا کر رہنا اختیار کروں۔ اور اپنے شیعوں کے ساتھ اُس میں جا بیٹھوں۔ اور شب و روز درس قرآن و حدیث میں مصروف ہوں۔ اور میں اس کی ضمانت کرنے کو موجود ہوں کہ کوئی امر منصور کے خلاف طبع مجھ سے صادر نہیں ہوگا۔

کیا منصور کو آپ کے ان خیالات کی اطلاع نہیں ہوئی ہوگی۔ نہیں آپ کے یہ اقوال جاسوسوں کے ذریعہ اُس کے کانوں تک ضرور پہنچے ہونگے۔ مگر چاہئے ایسی صاف اور واضح تقریر سے بھی ظالم منصور کی تسکین ہوئی ہو۔ نہیں۔ وہ ان کلمات پر ذرا بھی یقین نہ کر سکا۔ اور جو آپ کی اہانت مراتب اور تنقیص مناقب کے متعلق سوچ چکا تھا اُسی کے مطابق کام کرتا رہا۔

ارشاد و ہدایت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام روکے گئے

منصور کے یہ مخالفانہ احکام روز بروز ترقی کے ساتھ اطراف عالم میں پھیلتے گئے۔ انعام و جرمانہ کے اعلان عام کے بعد بھی جب اُسکی بدبین نگاہوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہدایت اور تعلیم و موعظت کو اُسی طرح مشتہر اور مستقر پایا۔ تو اُسکی روک تھام میں اُسنے ایسی سختی اور شدت سے کام لینا شروع کیا کہ آخرکار لوگوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آنا بہت کم کر دیا۔ بلکہ ترک ہی کر دیا۔ تعلیم و ارشاد اور استماع حدیث کی تمام صحبتیں موقوف ہو گئیں۔ تسئیل مسائل اور تحصیل علوم کے جلسے بند کر دئے گئے۔ یہاں تک کہ شرف حضوری اور زیارت کے تمام ذریعے جاتے رہے۔ بڑی احتیاط اور سخت مشکلوں کے ساتھ صرف معدودے چند خالص بزرگوار۔ وہ بھی کبھی کبھی شرف زیارت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ ان امور کے باعث سے مومنین خالصین کی جانوں پر مصیبتیں پڑی تھیں۔ اور جن جن دقتوں سے اُن کو روز سامنا ہوتا تھا وہ میری کسی تفصیل و تصریح کی محتاج نہیں ہیں۔

ابو حنیفہ کو امام امت بنانے سے منصور کی اصلی غرض کیا تھی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابو حنیفہ کی امامت سے بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا اور قتل و ہلاکت منصور کی اصلی غرض تھی۔ منصور نے اس امر میں یہ سوچا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ابو حنیفہ سے احکام مسائل میں منازعہ پیش کرینگے۔ اور اس طرح ہم کو آپ کی اور آپکے متبعین کی سیاست کا پورا موقع مل جائیگا۔ مگر یہاں اور کا اور ہو گیا۔ آپ کو ابو حنیفہ کے مخالفانہ احکام شریعت کی خبریں تو روز ہوا کرتی تھیں۔ مگر آپ کبھی کانوں کان بھی اُن کی طرف خبر نہیں ہوتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کی ان مخالفانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں جس سکوت اور خاموشی سے کام لیا وہ آپ کے حسن احتیاط۔ مصلحت بینی اور

نیک آئینی پر دال اور اپنی آپ مثال ہے۔ ابو حنیفہ کے اختلاف کے متعلق جب آپکو ایسے مخالف احکام کے اخبار معلوم ہوتے تھے۔ اور آپ کے خالص الاعتقاد اصحاب اُسپر چیں بہ جبیں ہوتے تھے۔ تو آپ کسی معارضہ یا مناظرہ کے تمام خیالوں سے درگزر فرما کے اُن کو ہمیشہ خموش رہنے اور سکوت اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ہم نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔ اور اسی کو اپنے مدعا کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی بےنظیر احتیاط

محمد ابن نوفل ناقل ہیں کہ ہم چند اشخاص ایک صحبت میں بیٹھے تھے کہ ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کوفی آئے بیٹھ گئے۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا ذکر نکلا تو ابو حنیفہ نے کہا کہ حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا چاہیئے میں نے اپنے اصحاب کو اس سے منع کر دیا ہے۔ ہثیم ابن حبیب صیرفی یہ سنکر برہم ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم کیوں نہ اقرار کریں۔ کیا تم کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ حبیب ابن ثابت نے ابوالطفیل نے زید ابن ارقم صحابی سے روایت کی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے رحبہ کوفہ میں قسم دیکر صحابہ سے اس حدیث کی تصدیق کرائی ہے۔

امام صاحب نے (ابو حنیفہ) اسکا یہ جواب دیا کہ حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں مگر یہ لوگ (شیعہ) اس میں زیادہ خوض کرتے ہیں اور لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔

ہثیم نے کہا تو پھر جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی تکذیب کرو۔ یا اسکی رد کر دو۔ ابو حنیفہ نے کہا نہ اسکی تکذیب کرو۔ نہ رد۔ الّا اتنا خیال رکھو کہ اس کے تذکرے والے غلو کرنے والے غلو کرتے ہیں۔

ہثیم نے جواب دیا سبحان اللہ۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسر منبر خطبہ پڑھا۔ اور اُس میں علے الاعلان اور علے رؤس الاشہاد اسکا ذکر فرمایا اور کسی غلو کرنے والے کے غلو کا کوئی اندیشہ نہ فرمایا تو ہم غالیوں کے غلو کا کیوں اندیشہ کریں سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کسی شخص نے ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور یہ گفتگو بند ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس گفتگو کا ذکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں ہوا تو آپ نے اس کے سننے سے خاص طور پر کراہت کا اظہار کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ایسی باتوں سے یہ لوگ ہمارے اور تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اب تو ثابت ہو گیا کہ آپ ان معاملات میں کسقدر حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔

اور اپنی ذات ستودہ آیات کے ساتھ ہی اپنے تمام اصحاب کرام کو ظالمین وقت سے بچانا چاہتے تھے۔ اُنکی ان اشتعال انگیز تقریروں پر بھی جو واقعی اہل اعتقاد اور صاحبان خلوص و اتحاد کے سامنے ضرور ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ جن کی اصلی اغراض آپ کے اور آپ کے شیعوں کو غصہ دلا کر کسی نہ کسی طرح حدود سیاست تک پہنچا دینا ہے۔ آپ کی طرف سے کوئی اعتنا نہیں فرمائی جاتی تھی۔ بلکہ اُنکا ذکر بھی مصلحت وقت کے بالکل خلاف سمجھا جاتا تھا کیونکہ ان چالوں کی وجہ سے آئندہ جن جن مصیبتوں سے دوچار ہونے کی امید تھی وہ سب آپ کے پیش نظر تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی احتیاط اور مصلحت بینی کے علاوہ اس واقعہ سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب مٹانے میں مخالفین کی طرف سے کیسی کیسی بلیغ کوششیں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ انکا کوئی زمانہ اور کوئی وقت ان امور کے استیصال اور استخفاف سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حدیث غدیر ہی کو دیکھا جاوے۔ جب کسی طرح اس کی تضعیف و تردید نہیں ہو سکی اور کوئی تدبیر مفید کار نہو سکی تو آخر اس پر اڑ بیٹھے کہ اسکا ذکر نہ کیا جاوے۔ غرض یہ تھی کہ یہ واقعہ کسی نہ کسی طرح دنیا کے دل سے بھلا دیا جاوے۔ مگر ان تدبیروں کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وظہر الحق ان کنتم کارھون۔ حق ظاہر ہی ہو گیا۔ اور حق سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہی رہے۔

ہم نے جہاں تک ان واقعات پر نظر ڈالی ہے اور منصور کی ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خموشی اور سکوت کے حالات پر غور کیا ہے۔ اور شروع سے لیکر اخیر تک ان امور میں اس امر کا سراغ لگایا ہے کہ منصور کے دل میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے جو اندیشے یا شبہے لگے ہوئے تھے۔ آیا وہ صحیح تھے۔ یا نہیں۔ وہ امام علیہ السلام کے بھی مرکوز خاطر تھے یا نہیں۔ اور ان واقعات میں یا انکے علاوہ آپ کے متعلق اور دیگر حالات میں آپ کی جانب سے کہیں ان امور کا اظہار پایا جاتا ہے۔ یا نہیں۔ اور ان امور کے آثار اُن میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔

ہم نے کتب سیر و تواریخ سے لیکر۔ احادیث کے معتبر اسانید تک ان امور کی تلاش کی ہے مگر تمام کتابوں میں سوائے اسکے کہ ان کی جگہ منصور کی مکاری اور عیاری ثابت ہوتی گئی۔ آپکے متعلق۔ اُسکی ان بدگمانیوں میں سے کسی ایک کا شوشہ بھی معلوم نہوا۔ بلکہ جہاں کہیں ایسے امور کا پتہ بھی لگا۔ وہاں منصور کی غلط فہمیوں کے خلاف جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بے لوثی۔ بے غرضی۔ سلامت نفسی اور علیحدگی پورے طور سے ثابت ہوئی۔

امامت ابو حنیفہ کا جو طوفان اٹھایا گیا وہ بھی منصور کی انہیں ایذا رسانیوں کا ایک جھونکا تھا۔ اس میں بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس سنجیدگی اور خاموشی و احتیاط سے کام لیا وہ ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔

سادات بنی حسن کی فوج کشی کی بنا پر آپ کی طرف جو شبہہ کیا جاتا ہے اس کی حقیقت تھوڑی بہت اوپر بھی لکھی جا چکی ہے۔ اور مزید اطمینان کے لئے۔ بار دیگر پھر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کی جاتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک سنجیدہ مدبر کے نزدیک سادات بنی حسن کے معاملات کبھی بغاوت کی صورت نہ پکڑتے۔ اگر منصور ان سے صلۂ رحم کے محاسن سلوک قائم رکھتا اور نرمی اور ملائمیت سے پیش آتا۔ عبد اللہ اور محمد نفس زکیہ منصور کی بیعت کر لینا بھی اس کے محاسن سلوک قائم رکھنے کے مقابلہ میں بھول جاتے۔ مگر منصور کو تو محمد کی بیعت کا خیال بے چین کئے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے بنی امیہ کی تقلید اختیار کی۔ بدعہدی۔ محسن کشی۔ اور عام مردم آزاری کو اپنا شعار بنایا۔

واقعات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اگر منصور غریب سادات سے برفق و مدارا پیش آتا اور صلۂ رحم کے مسالک قائم رکھتا تو محمد نفس زکیہ منصور کی بیعت کرنا بھی بھول جاتے۔ اور کبھی جھوٹوں اس کا نام بھی نہ لیتے۔ مگر منصور کو سادات کے مقابلہ میں جو مشکلیں پیش آئیں وہ بمصداق آنکہ از ماست کہ بر ماست۔ خود منصور ہی ان کا باعث تھا۔ نہ سادات۔ جیسا کہ اوپر بیان بھی ہو چکا ہے۔ اور شمس العلما پروفیسر مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اسناد سے اس کی کامل تصدیق بھی کر دی گئی ہے۔

سادات بنی حسن نے اپنی حقیت یا اپنی بیعت کے دعووں سے منصور کا مقابلہ بھی کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تو کبھی اشارتاً یا کنایتاً اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور نام بھی نہیں لیا۔ پھر آپ کی طرف یہ شبہے اور اندیشے کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔ قرائن بتلا رہے ہیں کہ آپ بنی حسن کے مقابلہ میں ان امور کے لئے بدرجۂ اولےٰ مناسب اور موزوں تھے۔ آپ کے حقوق بھی محفوظ تھے۔ اور ذرائع بھی وسیع اور مستحکم تھے۔ مگر آپ نے کبھی ان امور کی طرف کوئی اعتنا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان باتوں کے خلاف جس طرح جناب زید شہید علیہ الرحمہ کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اور ان کے بعد خود آپ نے بھی ان معاملات سے علحدہ رہنے کے لئے موعظت فرمائی تھی اسی طرح اس وقت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی عبد اللہ محض کو اور ان کے بیٹے محمد و ابراہیم کو ان معاملات سے علحدہ رہنے کے لئے ایک بار نہیں کئی بار ہدایت فرمائی۔ جیسا اوپر لکھا گیا۔ اور عنقریب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اگر سادات بنی حسن

کے ساتھ آپ شریک ہوتے۔ یا کم سے کم آپ اُن کے ہم خیال ہوتے تو آپ انکو ان معاملات سے علیحدہ رہنے کے لئے اتنی بار بار کی تاکیدوں کے ساتھ کبھی ہدایت نہ فرماتے۔

عبداللہ محض سے امرِ خلافت پر گفتگو

کتاب کافی کی عبارت جس میں عبداللہ محض کی گفتگو درج ہے ان معاملات پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ اُسکا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

عبداللہ محض اپنے بیٹے موسےٰ کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ اگرچہ میں تم سے سن میں زیادہ ہوں اور میرا بیٹا محمد (نفس زکیہ) بھی تم سے سن میں بڑا ہے۔ لیکن خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے تمہیں وہ فضیلت عطا کی ہے جو ہماری قوم وقبیلہ میں کسی شخص کو نہیں دی ہے۔ اور تم کو اپنا معتمد علیہ بنایا ہے کہ تمہاری فضیلتیں سب پر جاری ہو جائیں۔ ایسی حالت میں میں تم پر قربان۔ اگر تم میری اس وقت کی استدعا کو قبول کر لوگے تو پھر تمہارے اصحاب (شیعہ) میں کوئی شخص ہم سے خلاف نہوگا۔ اور نہ قریش یا کسی دوسری قوم کے لوگ ہمارے مخالف ہونگے۔

اُن کی استدعا کی اصلی غرض کو سمجھکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ اے چچا۔ اس امر خاص میں مجھ کو معاف فرما کر کسی دوسرے شخص کو اختیار کیجئے۔ تاکہ وہ آپ کا زیادہ مطیع ہو۔ اور مجھ سے آپ کی غرض بھی نہیں نکلیگی۔ اور آپ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ میں ان مکروہات کو سُن سُن کر ارادہ کر چکا ہوں کہ اس پُر آشوبی اور عام فسادی کے مخصوص زمانہ تک اپنی موجودہ گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو بھی ترک کر دوں۔ اور اُس کی جگہ صحرا نوردی اور بادیہ نشینی اختیار کروں۔ یا حج بیت اللہ معظم کے قصد سے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے گھر سے باہر نکل جاؤں۔ میں ان مصیبتوں کو ان مکروہات سے بچنے کی غرض سے برداشت کرنیوالا ہوں۔ اے چچا۔ ایسی حالت میں آپ کسی اور کو تجویز فرمائیے اور اُس سے اپنے مطلب نکالئے۔ اور میرے پاس اپنے آنے اور گفتگو فرمانے کا ذکر بھی کسی سے نہ کیجئے۔

یہ سنکر عبداللہ کہنے لگے کہ تمام لوگوں کے فرق اطاعت تمہاری طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اور سب کی آنکھیں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر تم میری درخواست کو قبول کر لوگے تو پھر کسی شخص کو ہم سے اختلاف کرنے کی جرات نہو سکے گی۔ اور ہم اسی وقت سے آپ کے لئے یہ شرط کئے دیتے ہیں کہ آپ کو ان معاملات میں دست بہ شمشیر یا کم سے کم میدان جنگ میں تشریف لیجانے کی بھی زحمت نہ دی جائیگی۔ اور کوئی ایسا امر نہیں کیا جائیگا جو آپ کی طبع ہمایوں کے خلاف ہو۔

سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ چند لوگ آ گئے۔ اور بات منقطع ہو گئی۔ اب ہمارے ناظرین اس واقعہ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے حزم و احتیاط کا پورے طور سے اندازہ کر لیں کہ آپ ان امور سے کس قدر بچنا چاہتے تھے۔ اور اپنے علاوہ اُن لوگوں کو بھی حتے المقدور اس سے علیحدہ رہنے کی ہدایت فرماتے تھے جو اس کے متمنی اور خواہشمند تھے۔ آپ کے کمال احتیاط کی منتہائی مثال آپ کے اس کلمہ سے ثابت ہے کہ آپنے عبد اللہ سے یہ بھی کہدیا کہ ہماری آپ کی گفتگو کا ذکر بھی کسی سے نہ کیا جاوے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ امور کہاں تک آپ پسند کرینگے۔ ان اقسام کے ذکر و اذکار کو بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ عبد اللہ محض کی استدعا پر آپ کا فوری اور قطعی انکار صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اُن کے مدعائے دلی آپ کی طبع ہمایوں کے سراسر خلاف تھے۔ آپکی سلامت نفسی اور سنجیدہ مزاجی کبھی اس شورش اور پرآشوبی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ انہیں وجہوں سے آپ نے عبد اللہ ابن حسن سے یہاں تک اپنا ارادہ ظاہر کر دیا کہ اس عام خونریزی اور مفاسد کے زمانہ میں میرا قصد مصمم ہے کہ میں عزلت نشینی کو ترک کر کے صحرا کی طرف نکل جاؤں۔ اگر نہیں تو حج بیت اللہ کے قصد سے ترک وطن اختیار کروں۔ غرضکہ کسی طرح مدینہ میں رہکر ان شورشوں میں شریک ہونے کے الزام سے اپنے آپ کو بچالوں۔

کیا ایسا صاف جواب دینے والا بزرگ اتنی صفائی اور برائت دکھلانے کے بعد بھی منصور اُسکے ہمخیالوں کے نزدیک مشتبہ خیال کیا جائیگا۔ اور اتنے ثبوتوں کے بعد بھی وہ تاہم ان سازشوں میں شریک سمجھا جائیگا۔

بہر حال۔ اتنا اوپر لکھا گیا ہے کہ لوگوں کے چلے آنے کی وجہ سے سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا ور عبد اللہ ابن حسن بھی یہ کہکر کہ پھر کسی دوسرے وقت حاضر ہونگے چلے گئے تھے۔

اندر جانے سے خادموں نے عبد اللہ کو روکا

و دن کے بعد پھر عبد اللہ محض دولتسرا پر حاضر ہوئے۔ خادمان امام جعفر صادق علیہ السلام نے خلاف معمول انکو روکا۔ اور امام علیہ السلام سے اجازت ملنے تک انکو ٹھیرایا۔ موسے ابن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہم کبھی در دولت پر روکے نہیں جاتے تھے۔ بلا ضرورت اذن شرفیاب خدمت ہوا کرتے تھے۔ آج یہ نیا واقعہ پیش آیا۔ بہر حال۔ خادم اذن لیکر آیا اور یہ حضرات اندر گئے۔

عبد اللہ ابن حسن نے پھر اپنا باقیماندہ سلسلۂ کلام یوں شروع کیا اور کہا کہ ہم بغایت درجہ امید لگا کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کی عنایت و التفات پر اعتبار کر کے ہماری امیدیں

اس قدر وسیع ہو گئی ہیں کہ ہم کو قوی یقین ہے کہ ابکی بار ہماری استدعا کو ضرور قبول فرمائینگے اور ہماری آرزوؤں کو ضرور پورا کرینگے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ان امور کے متعلق خدا کی طرف پناہ لیجانے کے لئے ہدایت کرتا ہوں جس کی فکر میں آپ نے دن کو رات اور رات کو دن کر رکھا ہے۔ کیونکہ ہم کو ان امور کی وجہ سے آپ کی طرف سے بہت خوف لگا ہے کہ شاید ان معاملات کے باعث آپ کو بہت سی مشکلات اور دشواریوں سے سامنا کرنا نہ ہو۔

آپ کے یہ کلام صداقت التیام سُنکر عبداللہ ابن حسن بہت افسردہ خاطر ہوئے۔ اور اپنے صاحبزادے محمد نفس زکیہ کی شجاعت و دلیری کے ذاتی اوصاف دیر تک بیان کرتے رہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کی طول وطویل تقریر کو سنتے سنتے عاجز آ گئے تو آپ نے اُن کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنی بکری کو بھیڑئے کے منہ میں جاتے نہ دیجئے۔ آپ کے نفس کو طمع دنیاوی نے گھیر لیا ہے۔ اور آپ کا نفس گرگ دنیا کے پنجہ سے چھوٹنے والا نہیں ہے۔ خدائے سبحانہ و تعالے کی قسم آپ کے صاحبزادے محمد کی حدود سلطنت مدینۂ منورہ کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور وہ مدینہ سے زیادہ کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس اتنی حکومت کے حاصل ہونے میں پھر جو مشکلیں اور دقتیں پیش آنے والی ہیں وہ علیحدہ ہیں۔ اور سمجھ لیجئے کہ قضائے الٰہی سے چارہ نہیں۔ پس ان شدائد و مصائب سے خوف کیجئے اور اپنے حال زار پر رحم فرمائیے۔ اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں پر عنایت کیجئے۔ عبداللہ ابن حسن اب اس تقریر کے بعد کیا کہتے۔ اپنے مکان کو واپس گئے۔

اب اس سے زیادہ آپ کی احتیاط۔ صفائی اور ان تمام امور سے علیحدگی اور کیا ہوگی کہ آپ نے عبداللہ محض کی آمد و رفت کو بھی اپنے لئے شبہہ کا باعث سمجھا اور اُنکی صحبت اور باہم گفتگو کرنے سے بھی بچنا چاہا۔ اس سے آپ کے حسن اخلاق پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ زمانہ کی پُر آشوبی اور مفسدہ پردازی کے اعتبار سے آپ کی انتہا درجہ کی سلامت نفسی اور احتیاط ظاہر ہوتی ہے۔ جب اجازت پاکر عبداللہ حسن پھر حاضر ہوئے اور فیمابین جو گفتگو واقع ہوئی وہ اوپر لکھی گئی۔ اُس کو پڑھکر کون عقل کا اندھا آپ پر ان امور کی سازش یا مداخلت کا الزام لگا سکتا ہے۔ اور سوتے جاگتے کہہ سکتا ہے کہ آپ کو ان امور سے کسی قسم کا بھی تعلق تھا۔ اور آپ کسی وقت میں منصور کے خلاف کسی قسم کی کوشش کرنے کا قصد فرماتے تھے۔ یا دوسروں کو اُس کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس۔ ان واقعات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرنا تو درکنار غیر لوگوں کو بھی جو اُسکی خلاف ورزی پر ہر طرح سے آمادہ اور استادہ تھے اس سے

باز رہنے کی تاکید پر تاکید اور ہدایت پر ہدایت فرماتے تھے۔ اور ملک میں امن و امان اور تمام تسلط و اطمینان قائم رہنا آپ کا اصلی مقصود تھا۔ ملک میں شورش اور ہنگاموں سے علیحدہ رہنا آپ کا حقیقی شعار تھا۔ آپ حجۃ اللہ تھے۔ اور اس منصب کی رو سے خلائق کی امن و امان آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھی۔ حاکمان جور اور سلاطین جبار کی عقوبت اور مظالم سے اپنے تبعین اور مخصوصین کو بچانا۔ اور اُنکی حفاظت و نگہبانی کی تدبیریں کرنا۔ اور ان تمام آفات و مشکلات سے محفوظ و مصئون رہنے کی کوششیں عمل میں لانا۔ آپ کے لئے ضروری اور لازمی تھا۔ انہیں وجوہ سے آپ نے منصور کے ان تمام مظالم کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور نہ اُس کے مخالفین سے کسی قسم کی سازش کی جیساکہ اوپر بیان ہوا۔

سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان امور میں سادات بنی حسن کا ساتھ نہ دیا اور اُن کے امور سے علیحدہ رہے تو اور لوگوں کا کیا ذکر۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

شیعیان کوفہ کی استدعائے خلافت پر آپ کا قطعی انکار

بنی حسن کو آمادہ پیکار اور خلافت کا دعویدار پاکر آپ کے بعض ہوا خواہوں نے آپ کو بھی ان امور پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر چونکہ شروع سے یہ امر آپ کی طبع ہمایوں کے سخت مخالف تھا اس لئے آپ نے اُنکی استدعا کو فوراً مسترد کردیا۔ اور اُن کی تجویزوں کے ساتھ اتفاق کرنے سے قطعی انکار فرمایا۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے ہمارے اس دعوے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ شیعیان کوفہ میں سے چند شخصوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ کوفہ کا اس وقت وہ حال ہو رہا ہے جو زن مطلقہ کا ہوتا ہے۔ جو چاہے اُسکے ساتھ نکاح کرے۔ اس پر اس وقت قبضہ و قابو پانا دشوار نہیں ہے شہر ہر ایک قسم کی مزاحمت اور رکاوٹ سے بالکل خالی ہے۔ آپ اجازت دیں تو ہم اُس پر قبضہ کرلیں۔

غالباً یہ اُس زمانہ کا مراسلہ ہے جب ابراہیم ابن عبداللہ محض نے بصرہ میں خروج کیا تھا۔ اور منصور کی فوجیں محمد ابن عبداللہ کے ساتھ مصروف جنگ تھیں۔ اور منصور تنہا بیرون کوفہ پڑا ہوا تھا۔ اور شہر خالی تھا۔

بہرکیف۔ آپ نے شیعیان کوفہ کی درخواست کو منظور نہ فرمایا۔ اور جواب میں صاف صاف

لکھ بھیجا کہ اگر تم لوگوں کو میری اطاعت میں رہنا ہے تو اس خیال سے باز آؤ۔

شیعیان خراسان کی استدعا پر فوری انکار

مامون رقی سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ اتنے میں سہل ابن حسن جو خراسانیوں میں بہت بڑے مشہور و معروف رتبہ والا تھا۔ آیا۔ اور عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ معدن رحمت و رافت ہیں۔ اہلبیت امامت و رسالت ہیں۔ پھر کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور کیوں اپنا حق طلب نہیں کرتے۔ خراسان میں ایک لاکھ شیعہ آپ کے ہمراہ لڑنے اور جان دینے کو تیار ہے۔ فرمایا۔ اے مرد خراسانی ذرا صبر کر۔ اتنے میں محلسرا سے ایک خادمہ حاضر ہوئی۔ آپ نے اُس سے پوچھا تنور روشن ہے؟ اُسنے عرض کی ہاں۔ آپ سہل ابن حسن کو لیکر تنور کے پاس گئے اور کہا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ مرد خراسانی صورت حال دیکھکر کانپنے لگا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے اس سے معاف فرمایئے اور آگ میں نہ جلایئے۔ فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔ یہ کہکر نظر مبارک جو اُٹھائی تو دیکھا کہ ہارون مکی کھڑے ہیں۔ آپ نے اُنہیں اشارہ کیا کہ اس میں کود پڑو۔ وہ کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد اشارہ پاتے ہی تنور میں فوراً جا تارہا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام وہیں بیٹھ گئے اور سہل ابن حسن سے باطمینان تمام باتیں کرنے لگے۔ آپ کے چہرہ سے انتشار و اضطرار کے مطلق آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہل سے فرمایا کہ ہارون مکی کو تنور میں دیکھو گے سہل نے کہا ہاں۔ اور یہ کہکر پھر وہ تنور کے پاس گئے تو دیکھا کہ ہارونؓ محفوظ۔ صحیح و سالم۔ باطمینان تمام تنور میں بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد ہارونؓ تنور سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔

آپ نے سہل سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیوں سہل۔ خراسان میں ایسے شیعہ کتنے ہونگے؟ عرض کی حقیقت میں ایسے تو ایک بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا ایک بھی نہیں؟ اُس نے عرض کی جی ہاں۔ ایک بھی نہیں۔ یہ سنکر ارشاد فرمایا تو پھر تمہیں کہو کہ ہم ایسے لوگوں کا کیا اعتبار کریں اے سہل ہم ہر امر کے وقت مقررہ اور موقع کو بخوبی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

ہم انہیں دو واقعات کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے کافی سمجھتے ہیں شیعیان کوفہ کی سست خواہی کا حال پہلے معلوم ہو چکا۔ خراسان کے ایک لاکھ شیعہ کی کیفیت ابھی ابھی معلوم ہوئی۔ اس سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حقیقتاً ان امور کی خواہش ہوتی تو آپ ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ دیتے جو دنیا پرستوں اور زرپرستوں کے لئے نعمات

غیر مترقبہ سے ہرگز کم نہیں تھا۔ مگر یہاں تو ابتدا ہی سے اس خیال کی طرف سے غلطی کی اور بے پروائی تھی۔ اور شروع ہی سے ان طریقوں کی جانب سے قطعی انکار کیا جاتا تھا۔ تو پھر اس کے متعلق کسی کی درخواست۔ کسی کی استدعا منظور فرمائی جاتی تو کیسے۔ جن حضرات کو علم تاریخ سے مذاق سلیم حاصل ہے وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس خموشی اور سنجیدگی کی عدیم المثال رفتار کو آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی اس بے نظیر احتیاط اور سلامت روی کے مقابل اور مساوی پائینگے جو آپ نے انعقاد سقیفہ کی پرآشوبی اور عام فسادی کے زمانہ میں اختیار فرمائی تھی۔

بہرحال۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان امور میں سکوت اور خاموشی کو خاص کر اس غرض سے اختیار فرمایا تھا کہ آپ کے فرائض منصبی کی اداکاریوں میں جو احکام الہی اور سنن حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا تعلق رکھتے تھے کوئی خلل واقع نہو۔ یہ صرف دینیات کی تعلیم و تلقین ہی تھی جسکی ضرورتوں کے لئے اپنی عزلت گزینی اور خانہ نشینی کے محدود اوقات کو بھی اس حزم و احتیاط کا پابند بنا رکھا تھا۔ تعلیم و ترویج شرعی ہی کو وہ حضرت بسا غنیمت سمجھتے تھے اور ظلمہ وقت بادشاہان جور پر خروج بالسیف کا ارادہ مطلقاً دل میں نہیں رکھتے تھے۔ مگر منصور کی احسان فراموشی جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے ان محاسن اخلاق۔ سلامت روی۔ احتیاط اور خاموشی کی کوئی قدر نہ کر سکی۔ اُسکی خصومت و عداوت کی مضطربانہ پرجوشیاں اور سادات کشی کے مجنونانہ حرکات۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس بے لوثی اور غیر سروکاری کو آنکھوں سے دیکھکر بھی مطمئن نہو سکیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات

منصور نے جب کسی طرح ان ترکیبوں سے بھی اپنی دلی تمناؤں کو پوری ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جو وہ آپکی ہلاکت اور جان لینے کے متعلق پہلے سوچ لیا تھا تو اُسنے اپنی ان مخالفانہ آرزوؤں کے پورا کرنے کے لئے آخر کار وہی خفیہ سازشیں اختیار کیں جو ہمیشہ سے ان اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کی مقدس جان لینے اور خون ناحق کرنے کے لئے بانیان جور اور ظالمان زمانہ اختیار کرتے آئے ہیں۔

اپنی حکومت کے دسویں برس ۱۴۸ھ میں منصور نے محمد ابن سلیمان والی مدینہ کے پاس انگور زہرآلود بھیجے اور تاکید کے ساتھ لکھ بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو یہ انگور کے دانے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو کھلا دیے جائیں۔

حسب الحکم والی مدینہ محمد ابن سلیمان نے وہ انگور کے دانے اپنے ایک معتمد شخص کے ہمراہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھیجدیئے۔ آپ نے اُن میں سے چند دانے نوش فرمائے۔ اُن دانوں کے کھاتے ہی زہر کی قاتل سمیت آپ کے تمام جسم مبارک میں سرایت کر گئی۔ وہ رات بسر کرکے پندرھویں رجب و بروایت کافی شوال ۱۴۸ھ ہجری کو عنقائے رُوح مبارک اعلےٰ علیین قدس کی طرف پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وکل شئی ھالک الا وجھہ۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی وصیتیں

منقول ہے کہ جب آپ کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے جمیع اعزا و اقربا کو اپنے پاس جمع کرکے اُنکو ہر قسم کے پند و نصائح فرمائے اور منجملہ اُن کے نماز کے لئے بہت سخت تاکید کی۔ حتےٰ کہ فرمایا کہ جو شخص نماز کو ہلکا اور خفیف جانیگا اُسکو ہماری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اور نیز صلۂ رحم و دیگر خصائل حسنہ کی تاکید شدید فرمائی۔ اور ہر ایک کو اُن میں سے علےٰ قدر مراتب اپنے انعام و اکرام سے بہرہ ور فرمایا اور رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

جناب امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پدر عالیمقدار کو پانچ پارچوں میں کفن دیا۔ جس میں دو چادر مصری تھیں۔ اور یہ وہی چادریں تھیں جن میں حضرت نے احرام باندھے تھے۔ ممکن ہو کہ یہی وہی چادریں ہوں جو سید انگور کے ساتھ کوہ بو قبیس پر حضرت کے لئے بہشت سے آئی تھیں۔ جس کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں کیا ہے۔

ایک عمامہ باندھا۔ جو جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی میراث میں آپ تک پہنچا تھا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ وہی ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ ہوتا ہوا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ جسکا تفصیلی ذکر محدث مرحوم شیرازی نے کتاب لسان الواعظین میں فرمایا ہے۔

الغرض۔ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے تجہیز و تکفین کے بعد اپنے پدر بزرگوار کی لاش مطہر کو جنت البقیع میں مدفون فرمایا۔ اس مقام مقدس پر اس وقت تک ایک ضریح کلاں اور گنبد موجود ہے۔ اس کے اندر سوائے حضرت عباس ابن عبد المطلب عم محترم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چار امام معصومین سلام اللہ علیھم اجمعین مدفون ہیں۔ وہ بزرگوار یہ ہیں۔ جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔ حضرت امام

محمد باقر علیہ السلام اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام۔
اس مقام مطہر پر ایک پارہ سنگ رخام پر ذیل کی عبارت کندہ آج تک موجود ہے۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ مبید الامم ومحیی الرمم ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سیدۃ نساء العلمین وقبر الحسن ابن علی وعلی ابن الحسین ومحمد ابن علی وجعفر ابن محمد رضی اللہ عنھم۔
یہ اسی بقعۂ مبارکہ اور عتبۂ مقدسہ کا مخصوص شرف ہے کہ چار معصومین علیہم السلام یہاں مدفون ہیں۔ دنیا میں سوائے اس کے اور کسی مقام کو یہ شرف اس وقت تک حاصل نہیں ہوا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کریگا۔ حق تعالٰے اس کے گزشتہ اور آئندہ گناہ بخشدیگا اور وہ کبھی محتاج و فقیر نہوگا۔

امام علیہ السلام کی ازواج مطہرات

آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت حسین اصغر ابن جناب امام زین العابدین علیہ السلام تھیں۔ سوائے ان معظمہ کے مشکوئے امامت میں کوئی دوسری اور خاتون ثابت نہیں ہوتی۔ بعض علمانے انکو حسین اثرم ابن حسن ابن علی علیہما السلام کی صاحبزادی بتلایا ہے۔ بہرحال یہ خاتون حسین اثرم کی دختر ہوں یا حسین اصغر کی حسنی سادات ہوں یا حسینی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ وہ بہت غیور اور تند مزاج تھیں۔
بعض مورخین نے انکے علاوہ آپ کی ازواج میں ایک بی بی کا اور نام لکھا ہے مگر انکا ٹھیک حال معلوم نہیں ہوتا کہ وہ محترمہ کون تھیں اور کس قوم و قبیلہ سے تھیں۔ اگر بالفرض وہ تھیں بھی تو بے اولاد ضرور رہیں۔ کیونکہ علامہ ابن شہر آشوب نور اللہ مرقدہ اور دیگر علمائے کرام رضوان اللہ علیہم نے سوائے فاطمہ کے باقی آپ کی اولاد کو حرم سے بتلایا ہے۔ اور حرم میں بھی سوائے علیا مکرمہ حمیدہ خاتون کہ معروف بہ حمیدہ مصفاہ والدہ ماجدہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ حال نہیں کھلتا کہ کس قدر تھیں۔ اور ان کے کیا کیا نام تھے۔

امام علیہ السلام کی اولاد

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ اول اسمٰعیل المدعو بامین۔ دوم عبداللہ الملقب بہ ماموں۔ سوم ام فروہ۔ یہ تینوں بھائی بہن ایک ماں فاطمہ بنت حسین اصغر کے بطن سے تھے۔ چہارم حضرت امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام۔ پنجم اسحٰق۔ ششم محمد ایک ماں جناب حمیدہ خاتون کے بطن سے تھے۔ ہفتم عباس ہشتم علی۔ نہم اسماء۔ دہم فاطمہ صغرا یہ مختلف ماؤں سے تھے۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

محاسن اخلاق و مکارم عادات

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی مبارک حیات کے تمام و کمال حالات کو روز ولادت سے لیکر یوم وفات تک ہم اپنے سلسلۂ بیان میں تحریر کر آئے۔ اب ہم اپنے آئندہ سلسلۂ بیان میں آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات اور آپ کے وہ ارشاد و اقوال اُسی تفصیل کے ساتھ مندرج کرتے ہیں۔ جن سے آپ کے محاسن اخلاق۔ آپکی تہذیب اور شائستگی کی پوری حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

عام اہل اسلام کو سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ وہی مقدس سلسلہ ہے جس سے تمام اہل اسلام نے اور اسلام پر کیا منحصر ہے تمام اہل عرب نے۔ تہذیب، شائستگی اور اخلاق و آداب سیکھے۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے اعلےٰ محاسن اخلاق کے ثبوت میں انک لعلیٰ خلق عظیم کی نص صریح موجود ہے۔ یہ وہی مبارک طبقہ ہے اور مقدس سلسلہ جس کے فیض تعلیم نے عرب کی وحشی اور جاہل قوموں کو اخلاق کی تعلیم دی۔ معاشرت کے طریقے بتلائے شائستگی کے آئین سکھلائے۔ غرض ان بادیہ نشینان وحشت کو حضیض ذلت سے نکالکر اوج عزت تک پہنچایا۔ اور اُن کو دنیا کی نگاہوں میں آدمی بنایا۔

جب ان ذوات مقدسہ اور نفوس مطہرہ کے محاسن اخلاق ایسے وسیع ہوں کہ اُنکے فیض و برکت سے تمام قومیں مستفیض ہوکر تہذیب و شائستگی کے عرش الکمال تک پہنچ گئی ہوں تو پھر اُن کے خاص اخلاق و شائستگی کا کیا کہنا۔ ان کے محامد ذاتی کالشمس فی النصف النہار ظاہر و آشکار ہیں۔ جن کے لئے کسی تصریح و تشریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں ہے مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں چند واقعات بطور مشتے از خروارے از ہزار درج کرتے ہیں۔

مہمان نوازی

یہ تو ظاہر ہے کہ اکرام ضیف اور اطعام مہمان اس خاندان اعلےٰ اور دودمان والا کے خاص معیار ہیں۔ جو حضرت ہاشم کے وقت سے انکی مبارک ارث میں چلا آتا ہے۔ مہمان نوازی اور طعامداری سے آپ کو خاص شوق تھا۔ اور ان امور میں بالنفس النفیس اہتمام فرماتے تھے

کبھی آپ کا خوان کرم مسافرین۔ واردین اور صادرین سے خالی نہیں رہتا تھا اور اپنے جد بزرگوار جناب ابراہیم علے نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طرح بغیر مہمان کے خاصہ نوش نہ فرماتے تھے۔ آپکا وسیع دسترخوان طرح طرح کے الوان نعمت سے برابر آراستہ و پیراستہ رہتا تھا ع برایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔ مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ آپ کے فیض عام سے فیضیاب ہوتے تھے۔

آپ کی مہماں نوازیوں میں خاطر و مدارات کے ایسے وسیع انتظام اور اہتمام کیے جاتے تھے کہ تمام مہمان حیرت سے نقش بدیوار بنجاتے تھے۔ برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایک لقمہ جو کوئی برادر مومن میرے ساتھ کھائے وہ میرے نزدیک ایک غلام کے آزاد کرنے سے افضل ہے۔

سلیمان ابن خالد بیان کرتے ہیں کہ منصور کے عمال شاہی میں سے کوئی شخص آپ کا مہمان ہوا۔ کھانے کا وقت آیا۔ مختلف قسم کی ترکیبوں سے گوشت پکائے گئے تھے۔ اور طرح طرح کی روٹیاں لائی گئی تھیں۔ حاضرین بسم اللہ کہکر کھانے لگے۔ جب لوگ خوب سیر ہو گئے تو ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں آپ کے خادم چاول لیکر حاضر ہوئے۔ تو ارشاد ہوا کہ انہیں بھی کھاؤ۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم تو خوب سیر ہو چکے۔ اب کیا کھائیں۔ فرمایا کہ یہ تو کچھ بات نہیں جو ہمارا دوست ہے وہ ہمارے کھانا کھانے کا بھی زیادہ مستحق ہے۔ آپ کے اصرار کے مطابق سب لوگ پھر کھانا کھانے لگے۔ تو آپ نے ان کے مزید اطمینان کے لئے فرمایا کہ ایک بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں خاصہ کے وقت چاول حاضر کئے گئے۔ جو تحفہ کے طور پر بعض انصار کے ہاں سے آئے تھے۔ اس وقت حضرات سلمانؓ الفارسی۔ مقدادؓ اور ابوذر رضی اللہ تعالے عنہم حاضر تھے۔ ارشاد ہوا کھاؤ تو انہوں نے عذر کیا۔ ارشاد فرمایا ما صنعتم شیئاً اشدکم حبا لنا احسنکم اکلا عندنا خوب کھاؤ۔ ہمارا بڑا دوست وہی ہے جو ہمارے پاس اچھی طرح کھائے۔ یہ سنکر حضرات صحابۂ کبار نے خوب نوش فرمایا۔

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں نہایت خوش مزہ اور لطیف کھانے آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے صاف و شفاف کھانے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس کے بعد عمدہ اور اعلے اعلے قسم کے خرمے لائے گئے۔ جو صفائی میں آئینہ سے بات کرتے تھے۔ ہم سب مل کر کھانے لگے۔ ہم میں سے ایک صاحب بول اٹھے ولتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی یہ نعمات گوناگوں جو تم اس وقت کھا رہے ہو ان کا بروز قیامت تم سے

حساب لیا جائیگا۔

یہ سنکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالٰے اس سے کہیں بزرگتر اور غنی تر ہے کہ طعام خوشگوار سے جو تمہارے حلق سے اس وقت اُتر رہا ہے تم سے حساب لے۔ خدا کی قسم اس آیۂ وافی ہدایہ میں نعمت سے مراد ہم اہلبیت علیہم السلام کی محبت مراد ہے۔ یعنی روز قیامت سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمت الٰہی کی کہاں تک قدر کی۔ اور ان کے ساتھ کیسے کیسے سلوک کئے۔ دیکھو اسی نعمت کو دوسرے مقام پر خدائے سبحانہ وتعالٰے یوں یاد دلاتا ہے۔ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اس نعمت سے وہی نعمت یعنی نصب امام علیہ السلام ہے۔

محمد ابن زید شحام ناقل ہیں کہ میں مسجد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز پڑھتا تھا کہ مجھ پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر پڑ گئی۔ مجھ کو اپنے پاس بلایا۔ اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میں شیعان کوفہ سے ہوں تو مجھ کو اپنے ہمراہ دولتسرا پر لے گئے اور شب کو مجھے اپنا مہمان رکھکر ممتاز و سرفراز فرمایا۔ صبح ہوئی تو مجھ سے استفسار کیا کہ زادراہ کی قسم سے تیرے پاس کیا ہے۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے بیان کیا۔ یہ سنکر آپ نے اپنے پاس سے دو اشرفیاں اور بیس درم اس جمع میں اضافہ فرما دئے۔ میں رخصت ہوا۔ دوسری رات کو حاضر خدمت نہو سکا۔ خاص اپنا خادم بھیجکر مجھے بلوایا۔ میں حاضر ہوا تو ارشاد کیا کہ بار بار کہنے اور دعوت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم مدینہ میں رہا کرو میرے مہمان ہو۔ اتنا فرماکر پھر بکمال اشفاق مجھ سے بیان فرمایا کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت یا جس شئے کا شوق ہو مجھ سے بلا تامل کہدو۔ میں نے عرض کی کہ مجھے دودھ سے بہت شوق ہے۔ فوراً ایک دودھ دیتی ہوئی بکری منگا کر عنایت فرمائی اور ایک دعا تعلیم فرمائی اور حکم کیا کہ ماہ رجب میں ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ اسکا پڑھنا سنت ہے۔

محمد ابن راشد سے مروی ہے کہ مجھے گرمی کے دنوں میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا فخر حاصل ہوا۔ ایک خوان پر از نان اور ایک کاسہ بزرگ گرما گرم گوشت سے ملتبب جس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اُسپر رکھا۔ اور فرمایا نستجیر باللہ من النار ونعوذ باللہ من النار۔ ہم کو اس گرمی کی تاب نہیں تو آتش جہنم کی کیونکر تاب لائیں گے۔ ان کلمات کو مکرر فرمایا۔ تا اینکہ طعام سرد کھانے کے قابل ہوگیا۔ ہم سب نے مل کر کھایا۔ پھر وہ اُٹھ گیا تو اعلٰے قسم کے خرمے منھ میٹھا کرنے کے لئے لائے گئے میں نے عرض کی کہ یہ فصل تو انگوروں کی ہے اور دوسرے میووں کی بھی۔ فرمایا ہذا طیب۔ یہی

خوب ہے۔

آپ کے خصائص کے متعلق تمام احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اعلےٰ قسم کے کھانے مثل گوشت اور دیگر نعمات کے مہمانوں کو کھلاتے تھے۔ اور خود نان و سرکہ پر قناعت فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ پیغمبروں کا طعام یہی ہے۔ اور ہم بھی یہی کھاتے ہیں۔ چنانچہ عبدہ واسطی عجلان سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھانیکا اتفاق ہوا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ بانتظار مہمان رات کو دیر سے کھانا کھاتے تھے۔ اس دن رات کو بھی وقت مقررہ پر دسترخوان بچھایا گیا اور سرکہ۔ روغن زیت اور گوشت حاضر کیا گیا۔ گوشت توڑ توڑ کر کے تو میرے آگے رکھدیتے تھے اور سرکہ اور روغن زیت کے ہمراہ خود روٹیاں تناول فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ یہی انبیا علیہم السلام کا طعام ہے۔

عبد اللہ ابن بکیر ناقل ہیں کہ آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ صبح کو کھانا کھا رہے تھے اور اس میں ہمیشہ نان و حلوا۔ مکھن اور فیرینی وغیرہ وغیرہ انواع و اقسام کے کھانے ہوا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا۔ خرچ کرنے میں تدبیر معاش اور دوراندیشی لازمی اور ضروری ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہماری تدبیر معاش خدا کے حوالے ہے۔ جب خدا یتعالے ہمارے رزق میں وسعت دیتا ہے تو ہم بھی وسعت دیتے ہیں۔ جب اُدھر سے تنگی ہوتی ہے تو یہاں بھی تنگی ہوتی ہے۔

ابو الہیاج بسطامی کا قول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لوگوں پر اس قدر انفاق فرماتے تھے کہ اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لئے بھی کچھ نہیں رہنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ طعام چاشت تناول فرماتے تھے کہ ایک شخص آپ کے قریب آگیا مگر اُسنے آپ کو سلام نہ کیا۔ آپ نے اُسے دیکھکر کھانے کی دعوت کی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کی کہ یہ شخص جب سلام کرلیتا تو کھانے کی دعوت کی گئی ہوتی۔ اس نے عمداً ترک سلام کیا تو دعوت طعام کی کیا ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ عراق کی فقہ ہے اور اس سے بخل و کنجوسی کی بو آتی ہے۔

کسی کام کی ضرورت پیش آئی۔ خدام سامنے حاضر نہیں تھے۔ ایک مہمان نے اُٹھکر چاہا کہ وہ کام انجام دیدیں۔ یہ دیکھکر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُنہیں روک رکھا اور اُٹھکر خود وہ کام انجام دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے جد بزرگوار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے کہ میزبان کو لازم ہے کہ اپنے مہمان سے کسی قسم کی خدمت نہ لے۔

پھلوں کی دعوتِ عامّہ کا اہتمام

آپ کی ملکیت میں خرموں کا ایک باغ تھا جسے عین الزیاد کہتے تھے۔ اس میں نہایت خوش مزہ اور خوش ذائقہ خرمے ہر سال کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے۔ اُسکی سالانہ پیداوار کی قیمت کا تخمینہ پانچ ہزار روپیہ کیا جاتا تھا۔ مگر آپ کبھی اس کے محاصل کی طرف خیال نہیں فرماتے تھے۔ اور یہ رقم کبھی آپ کے پاس نہیں آتی تھی۔ اس لئے کہ اُس کی فصل کے تمام میوے آپ لوگوں کو کھلا دیتے تھے۔ جب اس دعوت سے کچھ باقی رہجاتا تھا تو وہ بیچ دیا جاتا تھا۔ جس کی قیمت کبھی چار سو دینار سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

اس کی دعوت کے جلسے مشہور نزدیک و دور تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک خاص اصحاب کی زبانی یوں مرقوم ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ جس طرح عین الزیاد کے محاصل کو صرف فرماتے ہیں اُس کی تفصیل آپ ہی کی زبان مبارک سے سننا چاہتا ہوں۔ امید کہ آپ میری خاطر سے اُسے خود بیان فرمائیں گے۔ ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ جب خرموں کے پکنے کے دن آتے ہیں تو میں حکم عام دیدیتا ہوں کہ باغ کی چار دیواری توڑ کر ہر طرف راستہ کر دیا جائے تاکہ ہر طرف سے لوگ آ آکر اُس کے پھل کھایا کریں۔ یہ دیکھکر چاروں طرف سے کھانیوالے ٹوٹتے ہیں۔ جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو دس دس بڑے بڑے اور اُتنے ہی چوڑے ٹوکرے جن پر دس دس آدمی بفراغت بیٹھ جاسکیں خرموں سے بھر کر اُن کے آگے دھر دیے جاتے ہیں۔ اوّل فی کس ایک مُد یعنی تین پاؤ (۳ ما) دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جس قدر وہ کھا سکیں دیا جاتا ہے۔ جب وہ کھا چکتے ہیں تو پھر سو آدمی کا غول آکر بیٹھتا ہے۔ وہ کھا چکتے ہیں تو پھر دوسرے لوگ آتے ہیں یہی سلسلہ برابر لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام چھوٹے بڑے۔ بوڑھے۔ جوان۔ بچّے۔ مرد اور عورت اطراف و جوانب کے کھا جاتے ہیں۔ جو حاضر نہیں ہو سکتا اُسکا حصّہ بحساب فی کس ایک مُد اُس کے گھر بھیجدیا جاتا ہے۔ جب خوشے کاٹے جاتے ہیں تو باغ کے ملازموں نگہبانوں۔ مرد و عورت کی اجرت دیکر باقی کو مدینۂ منورہ میں لاتے ہیں۔ اور وہاں بھی تقسیم کا سلسلہ ایسا ہی جاری رہتا ہے۔ تا اینکہ جملہ ہمسایوں اور جملہ مستحقین کو کھلائے جاتے ہیں۔ حتّےٰ کہ کئی بار شتر یہاں بھی خرچ صرف ہوتے ہیں۔ اس تقسیم کے بعد جو کچھ بچ رہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ چار سو کی مالیت ہوتے ہیں۔

اضطراب و انتشار کی خاص حالتوں میں بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے اہتمام فراموش

نہیں کئے جاتے تھے اور نہ اُن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ثابت ہوتا تھا۔ حضرت اسمٰعیل کے انتقال پر
اور آپ کے برابر کے بیٹے کے مرنے کی خبر آئی تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُس وقت اپنے
اصحاب مخصوصین کے ساتھ خاصہ تناول فرما رہے تھے۔ اثنائے طعام میں حسب المعمول اُسی طرح
کمال شگفتہ روئی اور نہایت دلجوئی کے ساتھ اپنے دست مبارک سے کھانا مہمانوں کی طرف برابر
سرکاتے رہے۔ اور اُن کو خوب سیر ہو کر کھانے کے لئے بار بار تاکید فرماتے رہتے۔ تمام باتیں
فرماتے تھے اور چہرۂ اقدس پر حزن و ملال کے کوئی آثار نمایاں نہیں تھے۔ اصحاب میں سے
کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کو ایسی مصیبت پیش آئی اور
تاہم کوئی اثر نہ ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی توفیق دی ہے کہ ہم اور تم اور یہ تمام
عالم فنا ہو جانے والے ہیں۔ بندگان خدا میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو موت کو ہمیشہ
پیش نظر رکھتے ہیں۔ جب اُن میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اُن پر کوئی حالت طاری ہوتی ہے
اور نہ اُن کے معمول میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ تابع حکم خدا ہوتے ہیں اور
راضی برضا رہتے ہیں۔

خفیہ صدقات اور اُس کے فوائد

یہ محاسن بھی اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے خصائص میں داخل ہیں۔ اپنے آبائے
طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ اس محاسن کے اظہار میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔
چنانچہ آپ کے خادم خاص معلّےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
کہ ایک مرتبہ میں اندھیری رات میں جب پانی برس کر کھل گیا تھا اپنے گھر سے باہر نکلا۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ محلہ بنی ساعدہ کی طرف تنہا تشریف لئے جا
رہے ہیں۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ کوئی شے حضرت کے پاس سے گری
فرمایا بسم اللہ اللّٰھم ردہ الینا۔ جو شے گر پڑی ہے۔ پروردگار۔ پھر اُس کو میری طرف
لوٹا دے۔ معلّےٰ کا بیان ہے کہ اُس وقت میں نے آگے بڑھکر سلام کیا۔ فرمایا معلّےٰ ہے۔
میں نے عرض کی۔ ہاں۔ فرمایا جو شے گر پڑی ہے اُسے اُٹھا کر مجھے دیدے۔ میں نے
اُٹھایا تو دیکھا بہت سی روٹیاں زمین پر بکھری پڑی ہیں۔ اور میں زمین سے چن چن کر
اُسکو آپ کو دیتا تھا۔ اور حضرت اُس کو ایک بڑے تھیلے میں جو آپ کے دوش مبارک
پر رکھا ہوا ہے۔ بھرتے جاتے تھے۔ جب تھیلا بالکل بھر گیا اور زمین پر کوئی روٹی نہ رہی
تو میں نے عرض کی کہ یہ بار مجھے دیدیا جاوے کہ میں اسے لیکر ہمراہ چلوں۔ ارشاد ہوا کہ نہیں

ہاں ساتھ چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غرض محلہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں پڑے سو رہے ہیں۔ حضرت ایک ایک دو دو روٹیاں اُن سب کے سرہانے رکھ آئے۔ حتےٰ کہ وہ تمام روٹیاں تقسیم ہوگئیں۔ اور تھیلا خالی ہوگیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ تمام لوگ آپ کے شیعوں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر شیعہ ہوتے تو روٹیوں کے ساتھ نانخورش بھی ہمراہ ہوتا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اے معلےٰ ہر نعمت کا جسے خدا تعالےٰ نے پیدا کیا ہے ایک محافظ اور خزانہ دار بھی ضرور ہے۔ کہ اُس کا خزانہ دار خود حق سبحانہ وتعالےٰ ہے۔ میرے باپ (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) جب کوئی شئے خیرات کرتے تو اُسے سائل کو پہلے دیدیتے تھے۔ پھر اُس سے لیکر اُس شئے کو چومتے اور سونگھتے تھے۔ بعد ازاں پھر دیدیتے۔ اے معلےٰ۔ رات کا صدقہ پروردگار کی آتش غضب کو بجھاتا ہے۔ اور بڑے بڑے گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اور حساب وکتاب کو ہلکا کرتا ہے۔ اور دن کی خیرات عمر ومال کو زیادہ کرتی ہے۔

اے معلےٰ حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام دوران سفر میں دریا کے کنارے پہنچے تو آپ نے اپنے خاصہ کی ایک روٹی نکال کر دریا میں پھینکدی۔ اصحاب نے پوچھا یا حضرت علیہ السلام آپ اپنے رزق کو یوں ضائع فرماتے ہیں اور بیکار پانی میں پھینکتے ہیں۔ فرمایا اُس کو جانوران دریائی کھائینگے۔ اور اُس کا ثواب ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ کچھ رات گزرے جب اچھی طرح چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی تھی تو روٹیاں اور خشک گوشت بورے میں بھر کر دوش مبارک پر رکھتے اور کچھ نقدی پاس رکھ لیتے اور یکہ وتنہا در دولت سے نکل کر فقرا ومساکین کے محلوں میں جاتے۔ اور وہ تمام اکمال اشیاء اُن پر تقسیم فرما دیتے تھے۔ اور اُن کو مطلق خبر نہوتی تھی کہ یہ چیزیں اُن کو کون دے گیا ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوگیا اور وہ روزینہ اُنکا بند ہوگیا اُس وقت اُن غریبوں نے جانا کہ وہ حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام تھے جو قوت لایموت ہمارے بےطلب خود ہمارے گھروں پر پہنچادیا کرتے تھے۔

ابوجعفر خثعمی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کیسہ زر عطا کیا کہ فلاں مرد ہاشمی کو دے آ۔ اور ایک فرضی نام تبلادیا کہ اُس سے کہدینا کہ یہ رقم تجھے اُس شخص نے دی ہے۔ میں نے حسب الحکم وہ کیسہ اُس کو پہنچادیا اور اُس فرضی شخص کا نام بھی اُس سے کہدیا۔ تو وہ مرد ہاشمی اُس فرضی نام والے کا بہت ممنون ہوا۔ اور کہنے لگا کہ حق تعالےٰ اُسے جزائے خیر دے۔ وہ ہمیشہ ہمیں مال بھیجتا ہے جسے ہم سال آئندہ

تک صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام باوجود کثرت مال کے ہم سے کوڑی کا بھی سلوک نہیں کرتے۔

اسی طرح فضل ابن ابی مرہ سے منقول ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اپنی ردائے مبارک کو بچھائے ہیں اور اسپر روپیوں کی متعدد تھیلیاں رکھی ہوئی ہیں آپ اپنے دست مبارک سے ایک ایک تھیلی اٹھاتے جاتے ہیں اور خادم کو دیدیکر کہتے جاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کو دینا اور یہ فلاں آدمی کے حوالے کرنا۔ اور کہنا کہ یہ مال تمہارے لئے عراق سے آیا ہے۔ جب وہ خادم وہ مال ان لوگوں کو دے دیکر واپس آئے تو کہنے لگے کہ وہ سب لوگ آپ کی شکایت کرتے تھے۔ یہ سنکر آپ سجدے میں جھک گئے اور فرمانے لگے اللھم اذل رقبتی لولد ابی خداوندا میری گردن کو میرے باپ کی اولاد کے لئے جھکادے کہ انکی زبان سے اپنی مذمت سنوں اور دم نہ ماروں۔

صلۂ رحم اور قرابت والوں کے ساتھ محاسن سلوک

صلۂ رحم کی ادا کاریوں میں جس قدر آپ کو احتیاط منتصور تھی اسکی مثال سے دنیا کی تمام قوموں کے کارنامے خالی پائے جاتے ہیں۔ صلۂ رحم کی کارروائیوں میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی آپ مثال تھے۔ اور اس امر واجب کے خود عامل ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکا حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ کتاب کافی میں منقول ہے کہ

عبداللہ محض نے ایک بار صبح کے وقت آپ کے ساتھ سختی سے کلام کئے جنہیں آپنے نہایت تحمل کے ساتھ برداشت کرلیا۔ شام کو پھر ان سے ملاقات ہوئی تو بکمال تازہ روئی اور خندہ پیشانی سبقت فرماکر خود ارشاد کیا کیف امسیت یا ابا محمد اے ابومحمد جانتے ہو کہ صلۂ رحم کا ادا کرنا باعث تخفیف عذاب ہے۔ کہا تم تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو جنکو ہم قبول نہیں کرسکتے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بیان پر نقش صریح شاہد ہے۔ یہ کہکر آپ نے آیہ وافی ہدایہ والذین یصلون ما امر اللہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب ہ تلاوت فرمایا۔ عبداللہ محض یہ سنکر قائل ہوگئے۔ اور عرض کی کہ اب مجھے آپ قاطع رحم کبھی نہ پائیں گے۔

جب وقت وفات قریب آیا تو بجملہ اعزا و اقارب حاضر تھے۔ ہر ایک کو کچھ مال دینے کی وصیت فرمارہے تھے۔ از آنجملہ ستر دینار طلا آپنے ایک اپنے پسر عم حسن افطس کو دئے جانے کا حکم فرمایا۔ سالم غلام زادہ حضرت بولا۔ افطس کے واسطے بھی آپ ایسی وصیت فرماتے ہیں

حالانکہ یہ وہی شخص ہے جو خنجر لیکر بارادۂ قتل آپ پر چڑھ آیا تھا۔ یہ سنکر آپ چیں بجبیں ہوئے اور ارشاد فرمایا تو چاہتا ہے کہ میں صلہ رحم ادا نہ کروں۔ اور اُن لوگوں میں نہ شامل ہوں جن کی مدح حق سبحانہ وتعالےٰ نے اس آیۂ شریفہ میں یوں فرمائی ہے والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب ہ (وہ لوگ جو بموجب حکم خدا صلۂ رحم کرتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی برائی سے اندیشہ ناک نہیں ہیں) پھر فرمایا۔ سالم میں حسن افطس کے لئے عطائے مال کی اس لئے وصیت کرتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے بہشت کو پیدا کیا اور انواع عطریات سے اُس کو خوشبو فرمایا ہے کہ بوئے خوش اُسکی دو ہزار سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔ مگر عاق والدین اور قاطع رحم اس سے دور رہینگے۔ اور اسکی بو تک انہیں نہ پہنچیگی۔ صلۂ رحم کرنا اور اقارب کے ساتھ بسلوک پیش آنا تو بہت سے آدمیوں کا معمول ہے۔ الا ایسے احسان فراموش۔ ظالم اور خون کے پیاسے کے ساتھ صلۂ رحم کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔

ابونصر بخاری کے اسناد کے مطابق پہلے ستر دینار کی وصیت فرمائی تھی۔ جب ایک پیرزن نے اہل خانہ سے اعتراض کیا تو حضرت نے سو دینار کا حکم دیا۔

بدی کا بدلا نیکی

ایک حاجی وارد مدینہ تھا۔ ایک مرتبہ مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سو گیا۔ بیدار ہوا تو اُس کو وہم ہوا کہ ہزار دینار کی تھیلی جو میرے ساتھ تھی یہاں سے کسی نے اُٹھالی ہے۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ کسی کو نہ پایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام گوشۂ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ شخص آپ کو مطلق پہچانتا نہ تھا۔ آپ کے پیچھے پڑ گیا کہ تمہیں نے میری تھیلی لے لی ہے۔ فرمایا اُس میں کیا تھا۔ کہا ایک ہزار اشرفی۔ یہ سنکر آپ اُسکے ولت خانہ پر گئے اور وہاں ہزار کی رقم اُسکو گن دی۔ وہ شخص مال لیکر اپنے مقام پر واپس آیا۔ تو اپنی تھیلی وہاں موجود پائی۔ دوڑا ہوا خدمت اقدس میں واپس آیا اور معذرت کرکے واپس کرنا چاہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ دے چکے پھر نہ لینگے ہ

زانکہ ما اہلبیت احسانیم ۔۔۔ ہر چہ دادیم باز نستانیم
ابر جودیم بر نشیب و فراز ۔۔۔ قطرہ از ما بہ ما نہ گردد باز
آفتابیم بر سپہر علا ۔۔۔ نرفتد عکس ما دگر سوئے ما

وہ مرد اجنبی آپ کی یہ عالی ظرفی اور بلند ہمتی دیکھکر حیران ہو گیا۔ باہر نکل کر پوچھا تو

معلوم ہوا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ تو کہنے لگا کہ صحیح ہے۔ اُن کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

توکل بیجا

ایک مرتبہ معتب اپنے وکیل سے ارشاد کیا کہ غلہ روز بروز مدینہ میں گراں ہوتا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کس قدر غلہ ہوگا۔ معتب نے عرض کی کہ زمانہ موجودہ کی گرانی سے اور قحط سے کوئی خوف نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ عرصہ دراز تک کافی ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ اُس کو فروخت کر ڈالو۔ معتب نے عرض کیا غلہ کا سہولت وقت نہیں۔ پھر ملنا دشوار ہو جائیگا۔ فرمایا۔ تو اس سے کیا۔ جو حال اوروں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ اب ذخیرہ نہ رہنے پائے۔ حسب الحکم معتب نے تمام غلہ فروخت کر ڈالا۔ ارشاد ہوا کہ اے معتب۔ اب ہر روز اوروں کی طرح خرید کیا کرو۔ اور ضرور نہیں کہ سب گندم ہوں۔ نصف جو نصف گندم ملا کر روٹی پکائی جایا کرے۔ ہر چند کہ ہم کو یہ مقدور ہے کہ برابر گیہوں کھاتے رہیں۔ مگر مواسات چاہئے نیز حق تعالےٰ شانہ اندازہ و تقدیر معیشت کو درست رکھتا ہے۔

خاص شیعوں کے لئے مال امام علیہ السلام وقف تھا

ابی حنیفہ سائق الحاج کہتا ہے کہ میرے اور میرے داماد کے فیما بین میراث کے بارے میں تکرار ہو رہی تھی کہ مفضل جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے وکیل تشریف لائے۔ اور ہم کو جھگڑتے ہوئے دیکھکر کھڑے ہو گئے۔ اور سنتے رہے۔ بعد ازاں ہم کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور چار سو درہم پر ہمارا اُس کا فیصلہ فرما دیا۔ اور وہ چار سو درہم بھی اپنے پاس سے دیدئے۔ اور ہم سے باز دعوے لکھا لیا۔ پھر ہم سے کہنے لگے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ روپیہ میں نے اپنے مال سے نہیں دیا ہے۔ بلکہ یہ مال جناب ابو عبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے۔ آپ کا حکم عام ہے کہ جب ہمارے شیعوں سے کسی کو مال پر نزاع کرتے دیکھو تو ہمارے مال سے دیکر باہم اُن میں تصفیہ کر دیا کرو۔ اس لئے میں نے یہ چار سو درہم امام علیہ السلام کے حسب الحکم آپ کے مال سے دیدئے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مال مصالح مومنین کے لئے وقف عام تھا۔ تمام وکلاء معین تھے کہ جہاں ضرورت دیکھیں بے تامل اُسکو خرچ کر دیں کوئی ضرورت آپ سے پوچھنے کی بھی نہیں تھی۔

فقرا کے مقابلہ میں امرا کی کم عزت کیجاتی تھی

ایک بار دو فقیر آپ کے یمین و یسار بیٹھے تھے کہ ایک مالدار شخص آیا۔ آپ نے اُس کو
اپنی جگہ دی۔ وہ مست بادۂ غرور اس سے چیں بجبیں ہوا اور زبان شکایت دراز کی۔ امام
جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے شخص یہ لوگ (فقرا) بادشاہ علی الاطلاق
(خدائے سبحانہ و تعالےٰ) کی درگاہ کے امرا اور سپہ داران لشکر کش ہیں۔ اگر رعایا بزانوئے ادب
ان کے سامنے بیٹھے تو جائے تعجب نہیں۔ اسی طرح جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے زمانہ کا ایک واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرد غنی صاف ستھرے
کپڑے پہنے آپ کے برابر بیٹھا تھا۔ ایک مرد مفلس شکستہ حال بھی انہیں کے پاس آکر بیٹھ
گیا۔ اُس مالدار نے اپنے کپڑے اُسکی رانوں کے نیچے سے کھینچ لئے۔ جب جناب رسول خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو شدت غضب سے برافروختہ ہوگئے۔ اور بکمال غیظ
ارشاد فرمایا کہ اے مرد کیا تجھ کو خوف ہوا کہ اسکی تنگدستی تجھے لگ جائیگی۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا
تو کیا باعث ہوا کہ تو نے اس کے نیچے سے اپنا دامن کھینچ لیا۔ عرض کی کہ شیطان مجھ پر مسلط ہوتا
ہے۔ اور ہر امر معیوب کو میری نگاہ میں خوب اور ہر امر خوب کو معیوب جلوہ گر کر دیتا ہے۔ یا
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا نصف مال اس شخص کو اسکی
بے حرمتی کے عوض میں دیدیا۔ اُس مرد غنی نے تو اپنی علو ہمتی کا یوں ثبوت دیا۔ مگر وہ مرد فقیر
بھی دل چلا اور ہمت والا تھا۔ اُس نے بھی اُس مال کے لینے سے قطعی انکار کر دیا اور کہا کہ دولت
مایۂ شر و فساد ہے جس نے اسکو مغرور بنا دیا۔ میں یہ دولت لینا نہیں چاہتا۔ شاید کہ اسکی وجہ
سے یہ ناہنجار عادت مجھ میں بھی نہ آجاوے۔

سائلوں کے ساتھ سلوک

ملا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام منےٰ میں آپ انگور
تناول فرما رہے تھے کہ ایک سائل آیا۔ حضرت نے ایک خوشہ انگور اُسے عنایت فرمایا۔ اُس
بدبخت نے کہا مجھ کو اسکی ضرورت نہیں۔ کچھ نقدی ملنی چاہیئے۔ آپ نے اُس سے خوشۂ انگور
واپس لے لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا سائل آیا۔ تین دانے کل اُسے عنایت فرمائے۔
اُسنے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے رزق عطا کیا۔ آپ نے دونوں ہاتھ بھر کر پھر انگور اُسے دئیے۔
اُس نے پھر خدا کی حمد کی۔ تیس درہم بھی عنایت فرمائے گئے۔ سائل پھر شکر خدا بجالایا۔ جو پیرا ہن

اس وقت پہنے ہوئے تھے بدن مبارک سے اتار کر اُسے حوالہ کردیا۔ اُسنے کہا جزاک اللہ خیرا اور چلا گیا۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ وہ اگر ایسے ہی حمد بجالاتا اور خصوصیت کے ساتھ آپکو دعا نہ دیتا تو آپ اُسے [illegible] دیتے۔

مشارق الانوار میں منقول ہے کہ ایک مرد فقیر نے آپ سے سوال کیا۔ غلام کو حکم ہوا کہ چارسو دینار جو تیرے پاس ہیں اسے دیدے۔ چنانچہ وہ رقم اُسے دیدی گئی۔ اور وہ سائل شکر کرتا ہوا چلا گیا۔ غلام سے ارشاد ہوا کہ اُسے واپس بلالے۔ مرد فقیر ڈرا شاید کہ رقم عطیہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ آیا اور عرض کی کہ آپ نے جو عنایت فرمایا وہ مجھے مل گیا۔ اب واپس لینے کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد کیا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین خیرات وہ ہے جو مرد مستحق کو غنی کردے۔ چارسو درہم سے تو غنی نہیں ہوسکتا۔ یہ میرے ہاتھ کی انگوٹھی بھی تو لے لے۔ اسکی قیمت دس ہزار درہم ہیں۔ ضرورت کے وقت اسکو فروخت کرلیجیو۔

اشجع اسلمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپکو مریض پاکر عیادت اور حرارت بہ سبب کی بابت [illegible] اور دعائیں دینے لگا کہ خدا آپکو صحت وشفا دے آپکو شفا بخشے اور اسی [illegible] اور فرمایا۔ حضرت نے فرمایا ان باتوں کو چھوڑو اپنی حاجت بیان کر۔ اُس نے کنایتاً اپنی ضرورت واحتیاج بیان کی۔ آپ نے غلام سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کیا ہے۔ عرض کی چارسو درہم۔ فرمایا کہ اشجع کے حوالے کردو۔ پھر یہ اشعار پڑھے

اذا ما طلبت خصال الندی	وقد عضک الدھر من جدہ
فلا یطلبن الی کالح	اصاب الیسارة من کدہ
ولکن علیک باھل العلی	ومن ورث المجد عن جدہ
فذاک اذا جئته طالبا	یجب الیسارة من جدہ

جب تجھے کسی کے جود وعطا کی ضرورت ہو دراں حالیکہ تجھے زمانہ کی سختیوں نے ایذا دی ہو تو لئیم الطبع کے آگے دست طلب دراز نہ کرنا جس نے محنت ومشقت سے تونگری حاصل کی ہو۔ بلکہ شرفاء وبزرگان سے مانگو کہ جنہوں نے شرف وبزرگی آباؤ اجداد سے میراث میں پائی ہو۔ پس جب تو ان سے سوال کریگا تو وہ اپنے طاقت ومقدور سے بڑھکر تیرے ساتھ احسان کرینگے۔

امالی شیخ طوسی علیہ الرحمہ میں اسقدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ آپ نے اُسے ایک

انگوٹھی دس ہزار روپیہ کی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العطایا ماابقی نعمۃ باقیہ۔ اشجع سلمی نے جو یہ جود وسخا اس بحر عطا کی دیکھی تو عرض کی یا حضرت آپ نے مجھے محتاج سے غنی کر دیا۔ اب میرا ایک اور سوال ہے۔ اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ اور بعض اوقات خوفناک مقامات میں گزر ہوتا ہے۔ کوئی دعا مجھے تلقین فرمائیے۔ کہ میں جمیع آفات سے محفوظ رہوں۔ فرمایا جب تمہیں ایسا اتفاق پیش آیا کرے تو دہنا ہاتھ سر پر رکھکر باواز بلند کہاکرو افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ ترجعون۔ اشجع کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایسی جگہ رہگیا جہاں جنات کا دخل تھا۔ ایک آواز میرے کان میں آئی کہ اس کو پکڑ لو۔ میں نے فوراً اس آیۂ شریفہ قرآنی کی تلاوت کی تو دوسری آواز آئی کہ اس کو کیونکر پکڑیں اسنے تو آیۂ قرآنی سے اپنی حراست کرلی۔

انتہا درجہ کی احتیاط

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک ہزار اشرفی اپنے غلام مصادف نامی کو دی کہ آپ کی طرف سے تجارت کرے۔ اُسنے مال تجارت بھرا۔ اور قافلۂ تجار کے ساتھ مصر کو روانہ ہوا۔ شہر کے نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا کہ جو جنس لیکر وہ آیا ہے مصر میں بہت ہی کمیاب ہے۔ یہ سنکر اُن تمام تجار نے باہم عہد کرلیا کہ کوئی ارزاں فروخت نہ کرے۔ اس سبب سے سب کو نفع کثیر ہوا۔ مصادف کے پاس بھی دونی جمع ہوگئی۔ مگر جب اُسنے اصل اور نفع کے دونوں توڑے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس رکھدئے تو آپ نے استفسار فرمایا کہ اتنا مال کہاں سے آیا ہے۔ مصادف نے ساری روئداد بیان کی۔ اب بجائے اس کے کہ آپ زیادہ فائدے سے خوش ہوتے ناراض ہوئے۔ اور ایک حبہ بھی زرمنافع سے نہ لیا۔ فرمایا سبحان اللہ مسلمانوں کے ساتھ یہ بے مروتی۔ اے مصادف تلوار کی دھار پر راہ چلنا اکل حلال حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

زکوۃ فطر میں احتیاط

فطرۂ عید صیام میں بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اسکے نکالنے کی ازبس تاکید فرماتے تھے۔ معتب اپنے وکیل کو حکم عام تھا کہ میرے اہل وعیال۔ خرد و بزرگ۔ بندہ و آزاد سے کوئی ایسا باقی نہ رہے جسکا فطرہ نہ دیا جاوے۔ کیونکہ جسکا فطرہ ادا نہ ہوگا مجھے خوف ہے کہ وہ

سال آئندہ تک زندہ نہ رہے۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے تھے کہ صاع بھر خرما اگر فطرہ میں دیا جاوے تو یہ حق تعالےٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع سونا خیرات کیا جاوے۔

شکر سفید کو سب سے زیادہ خدا کی راہ میں خیرات کرتے تھے کیونکہ یہ آپ کو بہت مرغوب الطبع تھی۔ اور اکثر فرماتے تھے کہ تمام اشیائے خوردنی میں شیرینی مجھے زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے میں سب سے زیادہ اسی کو خدا کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالےٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا ما تحبون۔ تم کو نیکی نہیں مل سکتی جب تک کہ تم وہ چیزیں راہ خدا میں نہ خیرات کر دو جسے تم سب سے زیادہ دوست رکھتے ہو۔

ادائے حقوق میں عجلت

چند مزدور آپ کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ عصر کے وقت تک انتہا تھی۔ فارغ ہوئے تو معتبؓ سے فرمایا کہ انکی اجرت قبل اسکے کہ انکے بدن کا پسینہ خشک ہوا ادا کر دو۔ یہ سنّت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اعطوا الاجیر اجرتہ قبل ان یجف عرقہ مزدوروں کی مزدوری اُنکے عرق بدن خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

ادائے شکر میں عجلت

معاویہ ابن وہب سے مروی ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رکاب میں حاضر تھا اور آپ اپنے دراز گوش پر سوار تھے۔ اور بازار مدینہ منورہ میں تشریف لیجا رہے تھے کہ یکایک ایک مقام پر اُترے اور سجدۂ خالق میں فرق مبارک جھکا دیا۔ میں نے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا ایک نعمت نعمات الٰہی میں سے مجھے یاد آئی۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ اس کے شکریہ میں کوئی توقف کیا جاوے۔

جفاکشی اور محنت

جفاکشی اور محنت بھی آپ کی عادات کریمانہ میں داخل تھی۔ بعض وقت سخت سے سخت کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ اور اسے مطلق عیب نہیں جانتے تھے۔ ابو حمزہ شیبانی کا بیان ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ موٹے کپڑے کا تہبند

باندھے اور بیلچہ ہاتھ میں لئے باغ میں کام کر رہے ہیں اور بدن مبارک تمام عرق عرق ہو رہا ہے۔ عرض کی میں فدا آپ پر یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمایا جاوے کہ یہ خدمت میں بجالاؤں۔ ارشاد ہوا کہ طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں ہے۔

اسمعیل ابن جابر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک کرتہ موٹے گاڑھے کا کہ تنگی سے بدن اقدس پر چمٹا ہے پہنے ہوئے بیلچہ ہاتھ میں لئے درختوں میں پانی پہنچا رہے ہیں۔

داؤد کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ خرمے اپنے ہاتھوں سے وزن کر رہے ہیں۔ عرض کی فدا ہوں آپ پر غلاموں یا لڑکوں میں کسی کو حکم ہو کہ اس کام کو انجام دے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔

لباس اور روزمرّہ کی پوشاک

آپ کا لباس اکثر اوقات موٹے کپڑے یا بالوں کا ہوتا تھا جیسا کہ آپکے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ گاہ گاہ اُس میں پیوند بھی لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پیراہن اقدس میں چند مقام پر پیوند بھی لگے تھے۔ اصحاب میں سے ایک صاحب انکو دیکھنے لگے۔ آپنے پوچھا کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی حضرت کی قمیص میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایک کتاب سامنے رکھی تھی۔ ارشاد ہوا اِسکو پڑھو تو اس میں کیا لکھا ہے۔ دیکھا تو اُس میں لکھا تھا لا ایمان لمن لا حیاء لہ ولا مال لا تقدیر لہ ولا جدید لمن لا خلق لہ۔ جسے حیا نہیں اُسکا ایمان نہیں۔ جو اندازہ نہیں رکھتا غنی نہیں ہوتا۔ جو پُرانا نہیں پہنتا اُسے نیا میسّر نہیں ہوتا۔

تواضع اور انکسار

عزیزوں میں کسی کے لڑکے نے قضا کی۔ اُسکی ماتم پرسی میں تشریف لے گئے۔ راہ میں بند نعلین ٹوٹ گیا نعلین کو اُٹھا کر ہاتھ میں لے لیا اور روانہ ہوئے۔ اصحاب سے کسی نے بند نعل حاضر کیا منظور نہ ہوا۔ ارشاد ہوا کہ صاحب مصیبت کو اسی پر صبر و قناعت کرنا اولےٰ ہے۔ پس اسی طرح برہنہ پا تشریف لے گئے۔ اور ماتم پُرسی فرمائی۔

عبادت

عادت کریمہ میں داخل تھا کہ جس وقت کوئی حاجت پیش آتی تو مسجد میں جا کر جناب قاضی الحاجات

کی درگاہ میں مناجات فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ جب میں تنگدست ہوتا ہوں تو خیرات دیکر حق تعالے سے تجارت کرتا ہوں۔ یعنی تھوڑا دیکر زیادہ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ اپنے فرزندار جمند محمد سے فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال آیا تھا اُس میں سے کتنا باقی ہوگا۔ عرض کی چالیس دینار۔ فرمایا نہیں راہ خدا میں خیرات کردو۔ عرض کی اسکے سوا روزمرہ کے خرچ کے لئے کچھ باقی نہیں ہے۔ فرمایا۔ اُسے راہ خدا میں دے ڈالو حق سبحانہ وتعالے اس کے عوض بہت زیادہ دیگا۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند تمہیں معلوم نہیں کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے اور رزق کی کنجی تصدق و خیرات ہے۔ محمد نے حسب الحکم وہ دینار راہ خدا میں خیرات کردئے۔ دس روز نہ گزرے تھے کہ حضرت کے پاس ایک جگہ سے چار ہزار دینار آگئے۔ فرمایا اے فرزند دیکھا تم نے چالیس دینار اُسکی راہ میں دئے۔ اُس جل جلالہٗ عم نوالہ نے اُسکے عوض میں چار ہزار بھجوادئے۔

عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ دیکھنے والے آپ کی شان عبادت دیکھکر حیران رہجاتے تھے مالک ابن انس آپ کو قائم اللیل و صائم النہار کہتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی نے ایک بار آپ کی نماز دیکھی تو تعجب سے کہا ما اصبرك على الصلوٰة یا ابا عبد اللہ تمہاری نماز کس قدر سخت نماز ہوتی ہے۔ فرمایا اما سمعت ان الصلوٰة قربان کل تقی تجھے نہیں معلوم ہے کہ نماز تمام تقوائے سے زیادہ تقرب خدا کا باعث ہے۔

ذکر رکوع و سجود کو اتنا طول فرماتے تھے کہ ساٹھ ساٹھ بار بلکہ اس سے زیادہ ہو جاتے تھے۔ منصور صیقل گر کا بیان ہے کہ میں حج کو گیا تھا۔ اثنائے راہ میں مدینہ میں میرا گزر ہوا۔ روضۂ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گیا تو دیکھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سجدے میں پڑے ہیں۔ میں بیٹھ گیا کہ فارغ ہوں تو میں زیارت کا شرف حاصل کروں اسی انتظار میں بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے اُکتا گیا۔ مگر حضرت سجدے سے نہ اُٹھے تب میں نے سوچا کہ میں آگے جاکر سجدہ کروں اور ذکر تسبیح سجدہ کو چیخ چیخ کر پڑھوں۔ شاید میری آواز سنکر اپنا سجدہ تمام کریں۔ یہ سوچکر میں سجدہ میں جھک گیا اور سبحان ربی الاعلیٰ زور زور سے کہنا شروع کیا۔ تا اینکہ تین سو ساٹھ مرتبہ سے کچھ اوپر کہا۔ اُس وقت سر مبارک سجدے سے اُٹھایا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ اور عرض کی فدا ہوں آپ پر جب آپ کی عبادت کی یہ کیفیت ہے تو ہم کو اس بارے میں کیا کچھ سعی نہ کرنی چاہئے فرمایا ہمارے شیعوں سے قلیل و کثیر سب قبول ہے۔

حفص ابن غیاث ناقل ہیں کہ ایک بار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رکاب میں

حاضر تھا۔ آپ باغہائے کوفہ میں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک خرمے کے درخت کے نیچے پہنچکر وضو کیا اور مشغول نماز ہوئے۔ اُس میں ذکر و سجود کو اتنا طول دیا کہ میں نے پانچ سو مرتبہ تسبیح سنی۔ پھر درخت کے سہارے کھڑے ہو کر کچھ دعائیں پڑھتے رہے۔ بعد ازاں فرمایا اے حفص یہ وہی درخت ہے جس سے حضرت مریم علے نبینا و آلہ و علیہا السلام کے لئے رطب تازہ گرے تھے۔

عفو جرائم اور عام فروگزاشت

غلاموں پر نہایت مہربان تھے۔ اُن پر بکمال ملاطفت فرماتے تھے۔ اور اُن کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی غلام کو کسی کام کے لئے بھیجدیا تھا۔ دیر ہوئی اور وہ واپس نہ آیا تو خود اُسکی تلاش کو چلے۔ دیکھا کہ ایک مقام پر سو رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اُسپر خفا ہوں اور زجر و توبیخ فرمائیں اُسکے سرہانے بیٹھ گئے اور آپ سے پنکھا جھلنے لگے۔ حتے کہ وہ خود خواب سے بیدار ہوا۔ اُس وقت بکمال ملاطفت فرمایا۔ اے شخص تیری کیا عادت ہے کہ دن رات سوئے جاتا ہے۔ رات سونے کے لئے ہے اور دن کام کرنے کے لئے۔

ایک غلام عجمی کو پیغام لیکر کسی کے پاس بھیجا۔ جواب لیکر آیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پوچھنے لگے۔ وہ ایسا جواب دیتا تھا کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ آخرکار آپ نے اُسکی طرف تیز و تند نگاہ سے دیکھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اب ضرور ہے کہ آپ اُسے جھڑکیں۔ مگر بہت جلد وہ کیفیت جاتی رہی۔ فرمایا تو اتنا کہ تیری زبان تو گند ہے۔ مگر دل کھوٹا نہیں ہے۔ کندی زبان اگر حیا و عفت کے ساتھ ہو تو علامت ایمان ہیں جیسا کہ بدگوئی اور فحش اور زبان درازی نفاق کی نشانیاں ہیں۔

ارشاد فرماتے تھے کہ جب ایک غلام سات برس تک خدمت کر چکے تو چاہیئے کہ اُسے آزاد کردیں۔ علمائے کرام نے اس امر کو سنت موکدہ پر حمل کیا ہے۔ اس سے وجوب مراد نہیں لیا۔

خیر التابعین سفیان ثوری ناقل ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ کیا حالت ہے۔ خیریت تو ہے۔ فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی بام خانہ پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو گھر میں گیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر مقرر تھی اُس کو گود میں لئے زینہ سے اوپر جا رہی ہے۔ مجھ کو دیکھا تو خوف و ہراس اُسپر طاری ہوا اور اُسی بدحواسی میں بچہ اُس کی گود سے گر پڑا۔ اور جان بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھ کو بچے کے تلف

ہو جانے کا اتنا خیال نہیں جتنا کہ اس امر کا قلق ہے کہ کیوں ایسا رعب و ہراس کنیز پر ہوا۔ پس تین بار بآواز بلند فرمایا لا باس علیک اے کنیز ذرا اندیشہ نہ کر میں نے تجھے رضائے الٰہی کے لئے آزاد کر دیا۔

مصیبت پر صبر

اعشی سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صاحبزادوں سے ایک مریض تھے۔ انکی عیادت منظور تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حزین و ملول در دولت پر کھڑے ہیں۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر وہاں توقف ہوا ہوگا۔ پھر جو باہر تشریف لائے تو حالت بدل گئی۔ آثار حزن و ملال چہرہ مبارک پر باقی نہ رہے ہم کو گمان ہوا کہ اب صاحبزادے کو آرام ہے۔ عرض کی صاحبزادے کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا اُسنے تو قضا کی۔ عرض کی زندگی میں پریشان تھے۔ انتقال کے بعد چہرے پر انتشار و ملال نہیں۔ فرمایا ہم اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا یہی قاعدہ ہے کہ نزول بلا سے پہلے مضطرب و پریشان ہوتے ہیں۔ جب وہ نازل ہو جاتی ہے تو قضائے الٰہی پر راضی ہو جاتے ہیں اور اُسکو تسلیم کر لیتے ہیں۔

ایک بچہ آپ کا کم سنی میں فوت ہو گیا۔ مستورات نالہ و فریاد کرنے لگیں۔ حضرت نے اُنہیں قسم دیکر منع کر دیا۔ جب اُسے دفن کرنے لے چلے تو فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہم ان مصائب پر شکر کرتے ہیں۔ اور ہماری خدا سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے فرزند خدا وند تعالےٰ تمہاری لحد کو فراخ کرے۔ اور ہمارے جد امجد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریاب فرماوے۔ اور حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جس کے حق میں جو چاہتے ہیں دعا کرتے ہیں۔ خدائے جل شانہ وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔ مگر جب وہ ہماری خواہش کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے تو پھر ہم بھی اُسی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

عادات کریمہ

خوشبو و عطریات کا بہت استعمال فرماتے تھے۔ اور صوم میں اسکی زیادتی کر دیتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے الطیب تحفۃ الصائم خوشبو روزہ دار کا تحفہ ہے۔

کوئی پھول ملجاتا تو پہلے سونگھتے۔ اور پھر سونگھکر اُسے آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے

جو پھول سونگھکر آنکھوں سے لگائے اور درود بھیجے محمد و آل محمد علیہم السلام پر اُس کے گناہ بخشدئے جاتے ہیں۔

بیشتر اوقات روبقبلہ ہوتے۔ گھر پر زیادہ دروازے کے قریب قبلہ کی طرف مُنہ کر کے بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ دہنے پاؤں کو بائیں ران پر رکھے بیٹھے تھے کسی نے کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگ ایسی نشست کو مکروہ بتلاتے ہیں۔ فرمایا مکروہ نہیں ہے۔ یہ مقولہ یہودیوں کا ہے۔ ہاں چار زانو بیٹھنے سے خصوصًا تنگ جگہ میں کراہت فرماتے تھے۔

حجرۂ مقدسہ کے دروازے کے اوپر اور اندر جانب قبلہ آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ ستا ہاتھ سے زیادہ مکان اونچا کرنے کو منع فرماتے تھے۔

حمام میں غسل فرمانے کے لئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو دیکھکر حمامی نے عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو آپ کے لئے حمام کو تمام لوگوں سے خالی کرادوں۔ فرمایا کچھ ضرورت نہیں۔ مومن کے واسطے اتنا تکلف نہیں چاہئے۔ وہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

عبد اللہ سنان وغیرہ غسل کئے حمام سے آرہے تھے۔ راہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ یہ معلوم فرماکے کہ لوگ غسل کرکے واپس آرہے ہیں فرمایا انقی اللہ غسلکم خدا تمہارے غسل کو پاک و پاکیزہ فرمائے۔ پھر خود حمام میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے اُنہیں لفظوں میں آپ کے لئے دعا کی۔ آپ نے اُن کو جواب دیا طھرکم اللہ خدا تمہیں پاک و پاکیزہ فرمائے۔

فراست وقیافہ شناسی

زرارہ سے منقول ہے کہ میں اور عبد الواحد ابن مختار اور سعید ابن لقمان حاضر خدمت بابرکت تھے۔ عمر ابن شجرہ کندی بھی موجود تھا لیکن تھوڑی دیر میں اُٹھکر چلا گیا۔ ہم لوگ اُسکی مدح وثنا کرنے لگے کہ وہ بڑا زاہد۔ پرہیزگار اور سخی ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تم آدمیوں کے پہچاننے میں خطا کرتے ہو اور ہم ایک ہی نظر میں پہچان لیتے ہیں کہ کس قماش کا ہے۔ یہ شخص بہت بڑا خبیث ہے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ پھر جو اسکی نسبت تحقیق کی گئی تو واقعی وہ بہت بڑا خبیث نکلا۔ اور ارتکاب محرمات میں بڑا بیباک تھا۔

منصور دوانقی کے حسب الطلب حیرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اس کے امیروں میں سے کسی امیر کے لڑکے کا ختنہ تھا۔ دعوت میں اکثر عمائد شامل تھے۔ آپ بھی تشریف رکھتے تھے۔ کھانا چُنا گیا۔ حاضرین نے کھانا شروع کیا۔ ایک شخص نے پانی طلب کیا۔ پانی کی جگہ اسکے لئے

شراب کا پیالہ لائے۔ جونہی اس مرد نے پیالہ ہاتھ میں لیکر چاہا کہ منہ کو لگائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ سبب دریافت کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ملعون ہے وہ شخص جو اس دعوت میں شریک ہو۔ اور جس میں شراب کا استعمال کیا جاوے۔

ایک بار آپ نے پانی طلب کیا۔ ایک پیالہ میں پانی لائے جس میں چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ دندان مبارک سے اُن پتروں کو اکھاڑے دیتے ہیں۔

احکام شریعت کی ترویج و شاعت

باوجود اس کے کہ سلطنت کی طرف سے آپ بالکل ان امور میں مجبور و معذور کر دئے گئے تھے اور آپکی تعلیم و ہدایت بھی اصحاب مخصوصین تک محدود کر دی گئی تھی۔ مگر تاہم آپ اعلاے کلمۃ الحق اور اعلان علی المطلق کی کوششوں سے باز نہیں رہتے تھے۔

چنانچہ موسم حج میں مقام منےٰ میں تشریف رکھتے تھے۔ عقائد حقہ اور احکام واجبہ کا ایک دن یوں اعلان فرمایا اور خلائق کو طریقۂ حقہ کی طرف ان الفاظ میں دعوت فرمائی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

یا ایہا الناس۔ جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمہارے امام حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السلام۔ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام۔ پھر امام محمد باقر علیہ السلام۔ اُن حضرت کے بعد میں تم لوگوں کا امام ہوں۔ جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھو اور دریافت کرو۔

رعب و جلالت

ابن ابی العوجاء۔ ابو شاکر دیصانی۔ عبد الملک بصری۔ ابن المقنع۔ یہ چاروں زندیق موسم حج میں مسجد الحرام کے اندر جمع ہوئے اور دین اسلام پر طعن اور استہزا کرنے لگے اور یہ صلاح ٹھہرائی کہ اصل قرآن ہے۔ یہ باطل ہوا اور اسلام باطل ہوا۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک ایک ایک ربع اسکا بیکار کر دے۔ یعنی اس کے ایسا لکھکر (معاذ اللہ) اس کے معجزہ ہونے کی دلیل کاٹ دیں۔ سال آئندہ یہی مقام ہماری وعدہ گاہ ہے۔ اپنی اپنی تحریریں یہاں آ کر دکھلائی جائیں دوسرا سال بھی آ گیا اور ابھی تک وہ سب کے سب ایک ہی آیت میں اُلجھے رہے۔ پس یہ لوگ حرم محترم میں بیٹھے ہوئے اپنی اپنی سرگزشت بیان کر رہے تھے کہ جناب امام جعفر صادق

علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ۔ ترجمہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہدو ان کافروں سے کہ اگر جن وانس جمع ہو کر اس امر کی کوشش کریں کہ اس قرآن کے ایسا دوسرا بنائیں تو نہیں لاسکتے ہیں مثال اس کی"۔

یہ آیت سنکر ان چاروں کو سخت حیرت ہوئی۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ پھر بولے کہ اگر دین اسلام برحق نہوتا تو اس کی امامت ایسے شخص تک نہ پہنچتی۔ بتحقیق کہ جب ہم انکو دیکھتے ہیں تو رعب وجلال انکا ہم پر چھا جاتا ہے۔ اور مارے ہیبت کے بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے عجز اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے متفرق ہوگئے۔

محمد نفس زکیہ اور انکے بھائی قتل ہوئے تو منصور نے ایک مرد درشت خو شیبہ ابن غفال نامی کو امیر مدینہ مقرر کیا۔ جمعہ کا روز آیا تو وہ دریدہ دہن منبر پہ گیا۔ اور خطبہ میں جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کی مذمت (معاذاللہ) بیان کی۔ پھر سلسلۂ کلام میں کہا کہ اب اُن کی اولاد جابجا فتنہ وفساد کرتی پھرتی ہے۔ اور بلا استحقاق وقابلیت خلافت چاہتی ہے۔ لاجرم ہر طرف قتل وقمع ہوتی ہے۔ حاضرین کو اسکا کلام سخت ناگوار گزرا مگر کسی کو جواب کی جرأت تو نہ ہوئی۔

عبداللہ ابن سلیمان تمیمی راوی حدیث بیان کرتا ہے کہ اس وقت ایک مرد بلباس خشن و درشت اُٹھا اور حمد وصلوٰۃ کے بعد کہنے لگا۔ اے شخص جو کچھ تنقیص وتذلیل اس خاندان کی بیان کی تو اور تیرا باپ اُسکا سزاوار ہے۔ بتحقیق کہ اس جگہ پر اس وقت تو بیٹھا ہوا ہے۔ تو ہرگز اس کے شایاں نہیں ہے۔ اور جو کام تیری لیاقت سے دور ہیں وہ تو نے اختیار کئے ہیں۔ پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ایھا الناس۔ بروز قیامت جس کی میزان سب سے ہلکی اور جسے خسران ہوگا وہ وہی شخص ہے جو اوروں کی دنیا کے لئے اپنے دین کو فروخت کرتا ہے جیساکہ اس فاسق نے کیا ہے۔

آپ کی اس تقریر پر کوئی شخص نہ بولا اور وہ عامل بھی پشیمان ہو کر منبر سے نیچے اُترا اور اپنے قیامگاہ کو سیدھا چلا گیا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے پیچھے معلوم ہوا کہ یہ جواب دینے والے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

نجوم کے خلاف

خود نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرد نجومی سے مجھ سے تقسیم زمین پیش تھی جو میری اُسکی شراکت

میں تھی۔ وہ مرد نجومی ایسا وقت تلاش کرتا تھا جو میرے لئے نحس اور اُسکے لئے سعد اور ہو۔ آخر اُسی کی خواہش کے مطابق ایک وقت معین پر ہم وہاں جمع ہوئے۔ قرعہ ڈالا گیا تو اچھی زمین میری طرف آئی۔ نجومی نے سر پیٹ لیا کہ یہ کیا ہوا نجوم کے قاعدے کے مطابق وقت میرے لئے تو اچھا اور تمہارے لئے بُرا تھا۔ مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ فرمایا۔ مجھ کو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص کسی دن کی نحوست کو اپنے سے دفع کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُسکی صبح کو خیرات دے اور اگر رات کی نحوست دفع کرنی ہے تو سر شام تصدق کرے۔ آج میں نے اسی حدیث پر عمل کیا اور صبح کو صدقہ دیکر یہاں آیا۔ اور یہ تیرے نجوم سے بہتر ہے۔

اطاعت والدین کی تاکید

زکریا ابن ابراہیم نامی ایک نصرانی مسلمان ہوا۔ اور مکہ معظمہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنے دین عیسائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اسلام میں تو نے کیا دیکھا۔ عرض کی کہ حق سبحانہ وتعالےٰ کا یہ قول ومکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نہدی من یشاء یہ سنکر آپ نے سمجھ لیا کہ وہ بہ بصارت وبینائی مسلمان ہوا ہے تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا تجھے ہدایت دے۔ پھر تین بار فرمایا اللّٰھم اھدہ۔ اس کے بعد ارشاد کیا اے فرزند سوال کر جو تو چاہتا ہو۔ عرض کی کہ میرے ماں باپ اور تمام کنبہ کے لوگ عیسائی ہیں۔ میری ماں نابینا ہے۔ میں اُنہیں کے ساتھ رہتا ہوں اور اُنہیں کے ظروف میں کھاتا ہوں۔ فرمایا وہ شراب اور خوک بھی کھاتے ہیں۔ کہا نہیں۔ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں جاتے۔ فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تو اپنی مادر نابینا کے ساتھ ہمیشہ نیکی کرنا۔ وہ مرجائے تو اُن لوگوں کے حوالے نہ کرنا خود اُسکی تجہیز وتکفین بجالانا۔

زکریا کا بیان ہے کہ میں اسکے بعد کوفہ آیا اور اپنی ماں کی خدمت میں مصروف ہوا۔ اپنے ہاتھ سے اُسے کھانا کھلاتا۔ اُسکے بدن اور کپڑوں سے جوئیں چنتا اور اُسکی تمام خدمتیں خود انجام کرتا۔ اُس نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ اے فرزند پہلے تو تیری یہ حالت نہ تھی جب سے اس ملت سے نکل کر تو نے دین حنیف اختیار کیا ہے میری پرداخت زیادہ کرنے لگا ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ کہا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے (علیہ السلام) نے مجھ کو تیری خدمت کے لئے بہت تاکید فرمائی ہے۔ اُسنے کہا کیا وہ خود بھی نبی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔

اُنکے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ الاّ وہ وصی نبیؐ یعنی امام ہے۔ اُس نے کہا یہ دین تو بہت اچھا دین ہے۔ مجھے بھی اسے تلقین کر۔ زکریا نے اُسی وقت اپنی ماں کو عقائد حقہ تعلیم کیئے۔ حتےٰ کہ ظہر عصر۔ مغرب اور عشا چار نمازیں اُسنے پڑھیں۔ رات کو بیمار پڑ کر جاں بحق ہوائی۔ صبح کو مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ اور زکریا نے قبر میں اُتار کر ماں کو مدفون کیا۔

غلاموں کی آزادی

جناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام جب کسی غلام کو آزاد کرتے تھے تو اُسکی آزادی کا سرخط ذیل کی عبارت میں تحریر فرماتے تھے۔

هذا ما اعتق جعفر ابن محمدؑ (علیهما السّلام) اعتق غلاما فلان علی ان یشهد ان لا الٰه الّا الله وحده لا شریك له وانّ محمّدا عبده و رسوله وانّ البعث حقّ وانّ الجنّة حق وانّ النّار حقّ وعلی انه یوالی اولیاء الله و یتبرّاء الله و یحل حلال الله و یحرم حرام الله و یؤمن برسل الله و یقر بما جاء من عند الله اعتقه لوجه الله لا یرید منه جزاءً ولا شکورا ولیس لاحد علیه سبیل الا بخیر۔ شهد وا فلان وفلان۔

یعنی اس غلام کو جعفر ابن محمد علیہما السلام نے ان شرائط پر آزاد کیا کہ وہ تمام عقائد حقہ پر قائم رہے اور حلال خدا کو حلال اور اُسکے حرام کو حرام سمجھے۔ اور انبیائے خدا علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام پر جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا اُسپر ایمان لائے اور اقرار کرے۔ اسکو ہم نے محض خدا کی خوشنودی کے لئے آزاد کر دیا ہے۔ کسی بدلہ یا جزا کی امید سے نہیں۔ اور کسی کو اس پہ بجز نیکی کے دسترس نہیں۔ اسپر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

اور کبھی اس طرح تحریر فرماتے تھے۔

اعتق جعفر ابن محمدؑ علیهما السلام غلام فلان لوجه الله لا یرید منه جزاءً و شکورا علی ان یقیم الصّلوٰة و یؤتی الزکوٰة و یحج البیت و یصم شهر رمضان و یتولی اولیاء الله و یتبراء من اعداء الله۔ شهد فلان فلان۔

یعنی جعفر ابن محمد علیہما السلام نے اس غلام کو محض خدا کی خوشنودی کے لئے آزاد کر دیا۔ نہ کسی بدلے یا شکر گزاری کی خواہش سے۔ یہ غلام اس شرط پر آزاد کیا گیا کہ نماز پڑھا کرے۔ زکوٰۃ دیا کرے حج کیا کرے۔ اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھا کرے۔ دوستان خدا سے محبت کرے اور دشمنان خدا سے بیزاری اختیار کرے۔ اس پر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

ذاتی وجاہت اور تاثیر جلالت

یہ تو اچھی طرح تمام دنیا کو معلوم ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی ان حضرات کے مدارج۔ مراتب۔ فضائل اور مناقب کے بھلا دینے اور اُن کو دنیا سے یک قلم اُٹھا دینے کی جی توڑ کوششیں ہونے لگیں۔ مگر باوجود ان شدید مخالفتوں کے بھی ان ذوات مقدسہ علیہم التحیۃ والثنا کی ذاتی وجاہت اور عظمت۔ اپنی تنگدستی اور عسرت کی موجودہ حالتوں میں بھی ایسی عظیم المنزلت اور رفیع المرتبت تھیں جو سلاطین روزگار اور مقتدرین زمانہ کو اُنکے محل شاہی اور قصروں میں میسر نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذیل میں چند واقعات ہم نمونہ کے طور پر قلمبند کرتے ہیں۔

محمد ابن سعید نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے درخواست کی کہ ایک رقعہ محمد ابن شمالی کو لکھدیں کہ خراج لینے میں سختی نہ کیا کرے۔ فرمایا کہ محمد سے زبانی کہدینا کہ جعفر ابن محمد (علیہما السلام) نے کہا ہے کہ جو ہمارے دوستوں کا اکرام کرتا ہے حق تعالے اُسکا اکرام کرتا ہے۔ اور جو اُن کی اہانت کرتا ہے خدا اُس سے ناخوش ہوتا ہے جس نے اُنپر احسان کیا ایسا ہے کہ گویا حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام و جناب سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و آلہ اجمعین پر بلکہ خود حضرت رب العالمین پر احسان کیا۔ اور وہ ہمارے ساتھ رتبۂ اعلےٰ میں رفیق ہو گا۔

ابن سعید کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث جس وقت محمد ابن شمالی سے بیان کی وہ کہنے لگے سچ کہو تم نے یہ حدیث خاص آپ کی زبانی سنی تھی۔ میں نے کہا ہاں واللہ۔ میں نے یہ حدیث جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے خاص زبانی سنی ہے۔ کہا تو اچھا ذرا بیٹھ جاؤ۔ اور اپنے غلام کو آواز دی اور پوچھا کہ محمد ابن سعید پر کتنا خراج باقی ہے۔ اُسنے کہا ساٹھ ہزار درہم۔ کہا اسکے نام سے محو کر دو۔ اور پھر ایک کیسۂ زر عطا کیا اور ایک گھوڑا سواری کا مع سازوسامان اور ایک لونڈی خدمت کے لئے مجھے عطا کی۔

علی ابن ہبیرہ کہ جملہ حکام اور امرائے بنی عباس سے تھا اپنے غلام رشید نامی پر خفا ہوا تو وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آ کر پناہ گزیں ہوا حضرت نے اُس سے فرمایا کہ اب اُس کے پاس جا اور میری جانب سے اُسے سلام کہہ اور بیان کر کہ میں نے تیرے غلام رشید کو پناہ دی۔ اب اُس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا۔ غلام نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ وہ شامی خبیث اس سے اور بھی چڑ جائیگا۔ فرمایا جو میں کہتا ہوں اُسے کر۔

الغرض رفید وہاں سے روانہ ہوا۔ راہ میں ایک اعرابی جو اسکا شناسا تھا ملا۔ پوچھا کہاں جاتا ہے قتل ہو جائیگا۔ پھر جو مضمون پیغام سنا تو کہا جا تجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ تیرے پاس وہ پیغام ہے کہ اگر وہ کوہسار سخت کو پہنچا دیا جاوے تو وہ بھی مطیع و منقاد ہو جائیں۔ پس رفید ہبیرہ کے سامنے آیا تو اُسنے اُسکے قتل کا حکم دیا۔ رفید نے کہا اے امیر۔ میں گرفتار ہو کر نہیں آیا ہوں بلکہ از خود حاضر ہوا ہوں۔ پہلے جو میں عرض کرتا ہوں وہ سُن لیا جاوے۔ پھر جو طبع میں آوے کیا جاوے۔ کہا کیا کہنا چاہتا ہے بیان کر۔ رفید نے کہا میرے اور تمہارے مولا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے تمہیں سلام کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے رفید کو امان دی۔ تم اُسکے ساتھ اب بدسلوکی نہ کرنا۔ ہبیرہ نے یہ سنا تو اُسکی حالت بدل گئی اور کہا کیا واللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا کہا ہے۔ رفید کا بیان ہے کہ وہ مجھے قسمیں دیتا تھا اور بار بار یہی پوچھے جاتا تھا۔ حتےٰ کہ تین مرتبہ میں نے بقسمیہ بیان کیا کہ آپ نے یہی فرمایا ہے۔ ابن ہبیرہ نے میری مشکیں کھلوا دیں اور کہا اب تو ویسے ہی میری مشکیں کسدے جیسی کہ تیری تھیں۔ میں نے کہا مجھ سے تو یہ نہوگا۔ کہا تجھ کو کرنا ہوگا۔ ناچار رفید نے اُس کے ہاتھ باندھدئے۔ اور پھر فوراً ہی کھول ڈالے۔ اس کے بعد ابن ہبیرہ نے اپنی مُہر اُس کے حوالے کر دی اور کہا کہ میں نے آج سے تجھ کو اپنے تمامی امور میں سپید و سیاہ کا مالک کر دیا۔

یقطین۔ علی ابن یقطین کے پدر عالیمقدار ناقل ہیں کہ ایک سال خراج سلطانی مجھ سے ادا نہو سکا۔ حاکم اہواز کی طرف سے جو بنی عباس کا عامل تھا مجھے سخت اندیشہ لگا تھا۔ ہر چند لوگ کہتے تھے کہ وہ مرد شیعہ مومن ہے اُس سے کوئی خوف نہیں۔ مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ آخر کار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی۔ آپ نے ایک مختصر سا رقعہ اس مضمون کا لکھدیا کہ زیر عرش الٰہی ایک مقام ہے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا الا وہ شخص جس نے مظلوم کی داد دی ہو اور اُس کے غم و غصہ کو برطرف کر دیا ہو اور بدلجوئی و احسان اُس سے پیش آیا ہو۔ ہر چند کہ نصف دانہ خرما ہی کیوں نہو۔ حامل رقعہ ہذا تیرا برادر مومن ہے۔ میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ میں وہ خط لیکر اہواز میں گیا اور اطلاع کر دی کہ ایک قاصد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دروازے پر حاضر ہے۔ حاکم یہ سنتے ہی سر و پا برہنہ باہر نکل آیا اور میری پیشانی پر بوسہ دیکر کہا اے میرے سید۔ تو ہی میرے مولے اور میرے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کا قاصد ہے۔ اگر یہ راست ہے تو تو میرے لئے باعث نجات آتش دوزخ ہے۔

اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے گیا اور اپنی جگہ مسند پر بٹھلا دیا۔ خود نزانوے ادب سامنے بیٹھا اور کہا اے سید میرے۔ میرے آقا کو کس حال میں چھوڑا میں نے کہا وہ خیر و عافیت سے

ہیں۔ پس رقعہ کو لیکر مجھ سے پڑھا اور پھر اپنے سر اور آنکھوں سے لگایا اور سینہ سے چوما اور کہا آج سے تو میرا بھائی ہے۔ جو خواہش رکھتا ہو بیان کر۔ میں نے کہا کچھ روپیہ اموال دیوان سے میرے ذمے باقی ہیں کہ انکا ادا کرنا اس وقت میرے امکان سے باہر ہے اور وہ میری تباہی کا باعث ہے۔ فوراً حکم دیا کہ وہ رقم میرے نام سے محو کر دیں چنانچہ اُسی وقت اُسکی تعمیل کی گئی۔ پھر اپنے اموال کے صندوق منگائے۔ اور تمام روپیہ نصفا نصف بانٹ دیا۔ بعد ازاں اسپ و شتر و دیگر دواب وجملہ رخت واسباب خانہ حتّٰے کہ تمام غلام اور کنیزیں بالسویہ تقسیم کر دیں اور کہا آیا تو خوش ہوا۔ میں نے کہا اب اس سے زیادہ اور کیا خوش ہونگا۔

موسم حج آیا تو میں نے دل میں کہا کہ مقتضائے احسان امام زمان علیہ السلام یہ ہے کہ اُن حضرت کا شکریہ حضور میں حاضر ہوکر بالمشافہ بجالاؤں۔ اور اُس مرد مومن کا شکریہ بھی۔ اور خانہ کعبہ میں اُس کے لئے دعائے خیر کروں۔ اور امام علیہ السلام سے ملتجی ہوں کہ اُس کے لئے آپ بھی دعا فرمائیں۔ میں یہ ارادہ کرکے حجاز کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہنچا تو مجھ کو آتا دیکھکر آثار مسرت وخوشحالی چہرۂ اقدس سے ظاہر ہوئے۔ نزدیک گیا تو پوچھا کہ فلاں شخص نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ میں روداد بیان کرتا تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سُن سُن کر بشاش ہوتے جاتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ مجھ کو اور میرے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین وجناب امیر المومنین علیہ السلام و نیز حضرت ختم المرسلین صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بلکہ حضرت رب العالمین کو اُس نے خوشنود اور رضامند کیا۔ جزاہ اللہ تعالےٰ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

کیفیت علوم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

قبل اس کے کہ ہم آپ کی جامعیت علوم اور کیفیت استعداد آپ کے اقوال وارشاد سے ثابت کریں مناسب ہے کہ اوپر کے لکھے ہوئے مضامین کی نسبت مختصر سی تفصیل ذیل میں قلمبند کریں۔

ان واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں آپ کی جاہ وجلالت کے سوا ہمارے ابنائے زمانہ کی ہدایت بھی پورے طور سے ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے بعض ذی وجاہت اور جلیل المراتب حضرات جو موجودہ زمانہ میں گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں وہ بالعکس اسکے کہ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ہم مذہبی۔ ہم قومی اور ہموطنی کی رعایتوں سے برفق ومدارا پیش آئیں اکثر اوقات اظہار کج خلقی کرتے ہیں۔ اور اُنسے ملنا جُلنا اپنی موجودہ شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ عبرت کی نگاہوں سے اپنے قدیم بزرگوں کے اخلاق واشفاق کو دیکھکر ہمدردی

رعایت اسلامی اور اخوت ایمانی کا سبق حاصل فرمائیں تو انشاء اللہ تعالےٰ انکی صلاح دارین کا باعث ہوگا۔ واللہ لایضیع اجر المحسنین۔

استعداد و جامعیت

ہم اپنی کتاب کے تمام سلسلوں میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ امام منصوص من اللہ کے لئے ظاہری تعلیم ضروری نہیں۔ انکی تحصیل و تکمیل کے لئے تمام ذرائع وہبی ہوتے ہیں نہ کسبی۔ وہ عام بچوں کی طرح کسی خاص شخص سے کتاب کھولکر نہیں پڑھتے ہیں۔ نہ انکو جزئیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نہ اُن کے لئے کوئی نصاب تعلیمی تیار ہے۔ اُن کا معلم ازلی ہے یا اُسکا رسول (علیہ السلام) اور رسول کے بعد امام سابق امام لاحق کی تعلیم کا ذمہ دار ہے۔ ان کے طبائع۔ ان کے قلوب انکے شعور۔ غرض تمام احساس و ادراک عام لوگوں کے طور پر نہیں ہوتے۔ تمام حقائق و معارف آپکے قلوب نورانی پر ذراسی تحریک و تائید کے بعد قاطعاً منکشف اور کلیتاً منجلی ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام امام کے علوم کی نسبت فرماتے ہیں علمنا غابر ومزبور ونکت فی القلوب ونقر فی الاسماع۔ خود ان کلمات کی تفسیر یوں ارشاد فرمائی جاتی ہے کہ علم غابر سے مراد علم آئندہ اور علم مزبور سے علم گزشتہ ہے۔ اور نکت فی القلوب سے دلوں میں جاگزیں ہونا یعنی خدا کی طرف سے الہام ہونا ہے۔ اور نقر فی الاسماع یعنی ملائکہ کا کان میں کہنا۔ بحالیکہ اُنکے جسم دکھلائی نہ دیں۔

امام اور نبی میں فرق

امام اور نبی میں بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ نبی کے سامنے فرشتہ ظاہر ہوکر پیغام زبانی پہنچاتا ہے اور امام کے کان میں وقت ضرورت ایک آواز آجاتی ہے بغیر اسکے کہ کسی کہنے والے کو دیکھیں۔ اسی لئے ان بزرگواروں کو محدث بھی کہتے ہیں۔

پھر آپ ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں عندنا جفرا بیض وجفرا حمر۔ جفر کے لغوی معنی گوسفند۔ چارپایہ کے ہیں جو اپنی ماں سے جدا ہوا ہو۔ اور مجازاً جلد گوسفند کو بھی کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں قریب قریب تمام اشیاء پوست و استخوانہائے حیوانات پر لکھی جاتی تھیں۔ علمائے اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جفر ایک کتاب ہے جسکو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے جمع فرمایا تھا۔ اس میں وہ تمام علوم درج فرمائے گئے ہیں جسکی ضرورت قیامت تک انسان کو ہوا کری

ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں محی الدین عربی کی کتاب در مکنون کے اسناد سے لکھا ہے۔
قال الامام جعفر صادق علیہ السلام علمنا غابر ومزبور وکتاب مسطور او نکث فی القلوب ومفاتیح اسرار الغیوب ونقر فی الاسماع وعندنا الجفر الابیض والجفر الاحمر والجفر الاکبر والجفر الاصغر ومنا الفرس الغواص والفارس القناص فافهم هذا اللسان الغریب والبیان العجیب۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے علوم غابر و مزبور ہیں اور خاص کتاب میں مسطور ہیں وہ فرشتوں کے ذریعہ سے ہمارے قلوب میں اُترتے ہیں اور کانوں میں بھی سُنائی دیتے ہیں۔ ہمارے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ اور ہمارے پاس علم جفر ابیض۔ جفر احمر۔ اکبر اور جفر اصغر ہیں اور ہمیں لوگوں میں فرس غواص اور فارس قناص ہیں۔ جو ان لسان غریب اور بیان عجیب کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہم اس سلسلہ کی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ علمائے اہلسنت کا یہ قول بھی ہے کہ علم جفر کی کتاب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے جمع فرمائی ہے۔ اور اس میں منصب عالی اور آپ کے مفاخر بزرگ ہیں چنانچہ انہیں امور کی طرف ابو العلائے معری نے اشارہ کیا ہے۔

لقد عجبوا لآل البیت عمّا ۔۔۔ علمهم فی جلد جفر
ومراۃ المنجّم وصغیری ۔۔۔ نریه کل عامرة وقفر

ہر آئینہ تعجب کرتے ہیں وہ دربارہ حضرات اہلبیت علیہم السلام کے جبکہ ظاہر ہوا علم اُنکا جلد جفر میں۔ حالانکہ منجموں کا آئینہ اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے لیکن وہ اسی میں تمام آباد اور غیر آباد مقاموں کو دیکھ لیتا ہے۔ ابن قتیبہ اپنی کتاب ادب الکاتب میں اور امام شبلنجی مصری نور الابصار میں بھی ایسی ہی لکھتے ہیں۔

ملا عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ کتاب جفر مشہور ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم واسرار درج ہیں۔ امام علی ابن موسی الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں صریح طور پر اسکا ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ جب مامون الرشید نے ان کو ولیعہد مقرر کیا تو اسی وقت آپ نے ارشاد فرمادیا بالجفر والجامعہ یدلان علی خلاف ذلك۔ جفر و جامعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عہد کبھی پورا نہوگا۔

علامہ شریف جرجانی شرح مواقف میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دونوں کتابیں جناب امیر المؤمنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں۔ اور ان میں سے دنیا کے واقعات روز قیامت تک استخراج کر سکتے ہیں۔ اور میں نے مصر میں اسکا ایک ورق

دیکھا تھا جس میں اس ملک کے بادشاہوں کا حال لکھا تھا۔ قریب قریب یہی عبارت امام یافعی۔ امام مدینی۔ عبدالرحمٰن بسطامی۔ خواجہ محمد پارسا اور امام قندوزی نے بھی لکھی ہے۔ یہ روایتیں خاص سواد اعظم کے علمائے اعلم کی ہیں۔ علمائے اہلبیت علیہم السلام و رضوان اللہ علیہم کے نزدیک علم جفر۔ اسرار امامت میں داخل ہیں۔ جسکا علم سوائے امام منصوص و منصوب من جانب اللہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر برا ہو تعصب اور نفسانیت کا کہ ان علوم مخصوصہ کو بھی عام کر دیا۔ اور جس کو چاہا لکھدیا کہ وہ علم جفر میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کتاب علم جفر جو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی جمع کی ہوئی ہے وہ اولاد عبدالمومن ابن علی کو جو غالباً جناب اسمٰعیل ابن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں ہے وراثت میں پہنچی تھی۔ چنانچہ ابو محمد عبدالمومن ابن علی القیسی الکوفی نے محمد ابن تومرت معروف بمہدی کے مرنے پر اس کے افواج و سامان کے بدولت بلاد مغرب کی حکومت و فرمانروائی پائی۔ ابن تومرت مذکور کو کہیں سے کتاب جفر مل گئی تھی۔ اس میں اس نے پڑھا تھا کہ عبدالمومن سلطنت بزرگ پر فائز ہوگا۔ بنابریں اُسکو تفحص کر کے نکالا اور ابھی وہ کمسن لڑکا ہی تھا۔ کہ اُسکو اپنے ہمراہ لیا اور بہت عظمت و آداب کرتا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے بادشاہی حاصل کرے۔ مگر یہ امید اُس کی بر نہ آئی۔ اور وہ اُس وقت سے پہلے فوت ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عبدالمومن نے بہت سے ممالک مغربیہ فتح کئے تھے۔ حتےٰ کہ ۵۴۸ھ ہجری میں اس کے حدود سلطنت ممالک افریقہ سے گزر کر حدود اسپین (اندلس) تک پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت اُس نے اپنا نام امیر المومنین مقرر کیا۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ جفر و جامعہ وغیرہ۔ یہ تمام مقدس اشیا کسی کو مل نہیں سکتے۔ یہ تمام واقعات جو اس کی نسبت مشہور ہیں مصنوعی اور ساقط از اعتبار ہیں۔ یہ تبرکات مخصوصہ کسی کو مل نہیں سکتے۔ وہ ایک امام منصوص سے دوسرے امام کو پہنچتے ہیں۔ اور سب کے بعد حضرت صاحب الامر علیہ السلام عجل اللہ ظہورہ کی طرف منتقل ہوئے اور تا ایندم آپ ہی کے پاس مخزون ہیں۔

عبدالمومن کی سلطنت والی روایت کا جفر سے مستخرج ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ بلا وساطت امام علیہ السلام ابن تومرت کو پہنچ گئی۔ اور تمام کتاب کا اُسکے پاس کیا کسی کے پاس ہونا امکان سے باہر ہے۔ کاشف الحقائق۔

ہمارے فاضل معاصر اگر زیادہ تحقیق سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ سواد اعظم کا بھی ان علوم مخصوصہ کی نسبت یہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ محمد محی الدین عربی لکھتے ہیں

ان الجفر یظهر آخر الزمان مع الامام المهدی علیہ السلام ولا یعرف عن الحقیقۃ الاھو۔ یعنی علم جفر آخر زمانہ دنیا میں جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام وعجل اللہ ظہورہ کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اور سوائے آپ کے کوئی اسکی حقیقت سے آگاہ نہ ہوگا۔

علمائے شیعہ کے نزدیک علم جفر کی حقیقت

اب علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی تحقیق اس کی نسبت کیا ہے؟ کتاب مستطاب کافی میں مرقوم ہے کہ جفر ابیض ایک ظرف کا نام ہے جس میں توریت موسئے علیہ السلام اور انجیل عیسئے علیہ السلام اور زبور داؤد علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ کتب سابقہ رہتی ہیں۔ اور اس میں تمام علوم انبیا علے نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے محفوظ ہیں۔

جفر احمر ایک ظرف چرمی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلاح رکھے ہوئے ہیں۔ اس ظرف کو حضرت صاحب العصر امام مہدی علیہ السلام کھولیں گے۔ اور اسی سے آراستہ وپیراستہ ہوکر کفار ومشرکین سے جہاد فرمائیں گے۔ یہ وہی سلاح ہے جس کو ہشام ابن عبد الملک نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے طلب کیا تھا اور اسکے لے لینے کی صدہا کوششیں کی تھیں۔ مگر آپ نے نہ دی۔ نہ دی۔

صحیفۂ جامعہ۔ ایک مکتوب کا نام ہے۔ جو پوست گاؤ پر لکھا ہوا ہے۔ اُس مکتوب کا عرض وطول ستر ہاتھ ہے۔ اور جب یہ لپیٹا جاتا ہے تو ایک ران شتر کے برابر مدوّر ہو جاتا ہے۔ یہ علوم واسرار کا وہ ذخیرہ ہے جسے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا اور حضرت امیر المومنین علی مرتضے علیہ السلام نے اپنے خاص دست مبارک سے لکھا۔ اس میں حلال و حرام کے احکام تمام درج ہیں جس کی ضرورت عام طور سے تمام خلقت کو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک خراش تک کی پاداش اس میں مندرج ہے اور ایک تازیانہ ونصف تازیانہ تک کی تعذیر تحریر ہے۔

ابو بصیرؓ کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویان مستند اور اصحاب معتمد سے ہیں نقل کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے کئی چیزوں کی علامتیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو محمد تم کوفہ واپس جاؤ گے تو تمہارے ایک فرزند ہوگا جس کا نام عیسے ہوگا۔ عیسے کے بعد موسے ہوگا۔ ان دونوں کے بعد دو لڑکیاں ہونگی۔ تمہارے ان دونوں بیٹوں کا نام ہمارے صحیفہ میں درج ہے۔ جہاں ہمارے شیعوں کے نام مع اُن کے والدین کے ہوں کے درج ہیں۔

انہیں کتب مخصوصہ اور علوم محفوظہ کی طرح ایک اور کتاب مطہر ہے جسے صحیفۂ فاطمہ علیہا السلام کہتے ہیں۔ اُسکی ماہیت یوں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جناب سیدۃ نساء العالمین بضعۃ حضرت ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اپنے پدر عالیمقدار حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کل پچھتر روز دنیا میں زندہ رہیں۔ بسبب مفارقت جناب ختمی مرتبت سلام اللہ علیہ وآلہ والتحیۃ ہمیشہ ملول و محزون رہا کرتی تھیں۔ لہذا حضرت جبرئیل امین منجانب رب العالمین آتے تھے اور اُنکی تعزیت و تسلی فرماتے تھے۔ اور احوال جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقام قیام آنحضرت کا بیان فرماتے تھے۔ اور حالت آئندہ آپ کی اور آپ کی ذریات طاہرہ کی و دیگر واقعات و حادثات دنیاوی تا یوم قیامت جناب سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تشفی اور تسلی کے لئے نقل فرماتے تھے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام ان جملہ کوائف اور وقائع کو قلمبند فرماتے تھے تا اینکہ رفتہ رفتہ وہ کتاب قرآن مجید سے بھی زیادہ ضخیم ہوگئی۔

جناب صادق آل محمد علیہ السلام اس صحیفۂ مقدس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں احکام حرام و حلال مطلق نہیں ہیں۔ صرف واقعات آئندہ تحریر ہیں۔ اور روز قیامت تک جس قدر بادشاہ روئے زمین پر ہونیوالے ہیں سب کے نام اس میں درج ہیں۔ آپ کے اس قول کی تصدیق اس واقعہ سے پورے طور پر ہوتی ہے کہ جب محمد نفس زکیہ نے منصور پر فوج کشی کی تو حضرت نے اُنہیں منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا تمہارا نام ہماری کتاب (مصحف فاطمہ علیہا السلام) میں نہیں ہے۔

نیز ابو بصیر سے مروی ہے کہ حضرت داؤد وارث علوم انبیا تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو اُن سے میراث ملی اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ اور ہم (یعنی جناب امام جعفر صادق علیہا السلام) وارثان جناب ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہمارے پاس ہیں صحف ابراہیم علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ الواح موسےٰ علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ ابو بصیر نے کہا کہ ان ھذا الھو العلم بے شک جسے علم کہتے ہیں وہ یہی ہے۔

ابو بصیر کا یہ قول سنکر آپ نے فرمایا یہی علم نہیں ہے۔ اس کے سوا بھی ہم کو رات دن بلکہ ہر ساعت تازہ علوم اور جدید واقفیات برابر حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہو تو ہمارے علوم تمام ہو جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اذا اراد الامام ان تعلم شیئا اعلمہ اللہ ذلک۔ جب امام کسی امر کی حقیقت معلوم کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے تو حق سبحانہ وتعالےٰ اُسکو بتلا دیتا ہے

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی سے فرمایا کہ الواح موسٰے علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام اور اُن کا عصا ہمارے پاس ہے اور ہم وارث ہیں جملہ انبیا علیہم السلام کے۔

امام اسلحہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہے کسی نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شمشیر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ ابن حسن کے پاس ہے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ عبداللہ نے کبھی اُس شمشیر کو دیکھا بھی نہو گا۔ مگر ہاں شاید امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس دور سے دکھائی دی ہو۔ اگر وہ راست گو ہیں تو بتائیں کہ اُسکا قبضہ کیسا ہے اور اُسکی دھار کے پاس کیسا نشان ہے۔ پھر فرمایا وہ تلوار میرے پاس ہے۔

اس کے علاوہ ایک علم (نشان) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جسے مغلبہ کہتے ہیں۔ اور الواح موسٰے وعصائے موسٰے وخاتم سلیمان اور طشت موسٰے علے نبینا وعلیہم السلام جس میں وہ قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں ہمارے پاس ہیں۔ نیز وہ اسم بھی ہمارے پاس ہے جس کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار ومسلمین کے درمیان رکھدیتے تھے تو مشرکین کا ایک تیر بھی مسلمانوں پر کارگر نہیں ہوتا تھا تحقیق کہ ہم لوگوں کی (ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین) اُس تابوت کی مثال ہے جسے ملائکہ طالوت کے لئے لائے تھے۔ کیونکہ سلاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے نزدیک بھی وہی حکم ہے جو تابوت بنی اسرائیل کا۔ اور وہ یہ تھی کہ جس گھر میں تابوت ہوتا تھا اُسی گھر میں نبوت ہوتی تھی۔ ایسا ہی ہمارے یہاں جہاں سلاح رسول مقبول ہے وہیں امامت ہے۔

فرقۂ دہریہ یا منکران وجود باری تعالےٰ سے مناظرے

اب ہم اپنے آئندہ مضامین میں آپ کے علوم وجامعیت کے متعلق وہ واقعات لکھتے ہیں جن سے آپ کے فضل وکمال کا پورا پتہ لگتا ہے۔ اس شک نہیں کہ آپ کے علوم و معارف کی شہرت سنکر دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔ اُن لوگوں سے جو مکالمے اور مباحثے پیش آئے ہیں خصوصاً منکرین وجود سے۔ وہ اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ اگر ہم اُن کو اپنے سلسلۂ بیان میں بالترتیب مندرج کریں تو غالباً ہمکو علم کلام کا ایک کامل دفتر علٰحدہ مرتب کرنا ہو گا۔

اس لئے ہم ان واقعات کی تفصیل سے قطع نظر کر کے صرف چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

جعد ابن درہم نے جو اس وقت فرقہ دہریوں کا راس الرئیس تھا کچھ مٹی اور پانی ایک شیشہ

میں رکھ چھوڑے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُس کے اندر کرم پیدا ہوگئے تو وہ دعوے کرنے لگا کہ میں نے انکو پیدا کیا ہے کیونکہ انکی علت اور خلقت کا باعث میں ہوا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سُنا تو اُسے بُلایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تو ان کا خالق ہے تو بتلا دے کہ تیرے یہ بنائے ہوئے کیڑے تعداد میں کتنے ہیں۔ اور پھر اُن میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے۔ پھر اُن میں سے ہر ایک کا کتنا وزن ہے۔ اور جو ان میں سے ایک سمت کو جا رہے ہیں اُسے امر کر دے کہ وہ دوسری جانب کو پلٹ جاوے۔ آپ کے یہ کلام ہدایت التیام سنکر اُسکے حواس جاتے رہے۔ کچھ جواب نہ چل سکا۔ آخر نادم ہو کر چلا گیا۔

ابو شاکر دیصانی جو منکر خدا اور دہریہ تھا۔ ایک مرتبہ ہشام سے کہنے لگا کہ قرآن مجید میں ایک آیہ ہے جو ہمارے عقیدے کے موافق اور تمہارے عقائد کے مخالف ہے۔ کہا وہ کونسی آیت ہے۔ وہ بولا وھو الذی فی السماء الٰہ و فی الارض الٰہ یعنی خدا وہ ہے کہ آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں خدا ہے۔ ہشام نے اس آیہ کے معنی میں غور نہ کیا۔ خاموش ہوگئے۔ مدینہ میں آئے تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوا ایسا سوال کرنیوالا بڑا خبیث ہے۔ اب تم سے ملے تو کہنا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتلائیگا۔ پھر پوچھنا کہ بصرے میں تمہارا کیا نام ہے تو وہ وہی بتلائیگا۔ تم اُس وقت اُس سے کہدینا کہ ایسا ہی ہمارا بھی خدا ہے کہ آسمان پر بھی خدا ہے اور زمین پر بھی خدا ہے۔ اور خشکی و تری و دشت و جبل میں بھی وہی ایک خدا ہے۔ ہشام نے شاکر سے بجنسہٖ ایسے ہی سوال کئے تو وہ کہنے لگا ھذا ما نقلتہ الابل من الحجاز۔ یہ جواب حجاز سے اونٹوں پر لد کر آئے ہیں۔ تمہارے نہیں ہیں۔

ابو شاکر تائب ہوا

ایک مرتبہ یہی دیصانی صاحب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کرنے لگے کہ مجھے عقائد حقہ بتلائیے اور چاہ ضلالت سے نکالکر راہ ہدایت پر لگائیے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ ذرا صبر کر اور بیٹھ جا۔ اتنے میں ایک لڑکا ایک مرغی کا انڈا ہاتھ میں لئے اُدھر سے نکلا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُسے بُلایا اور وہ بیضہ مرغ اُس سے لے لیا اور ہتھیلی پر رکھکر فرمایا کہ اے دیصانی دیکھ۔ یہ ایک قلعہ مستحکم اور استوار ہے۔ کوئی دروازہ اس میں نہیں ہے۔ اس کے اوپر ایک جلد سخت اور پتھر کے ایسی ہے۔ اور

اُس کے نیچے ایک نرم اور باریک جھلی ہے۔ ان دونوں کے اندر ایک سفید و زرد شے مثل طلاء و نقرہ مائعہ کے الگ الگ ہے۔ نہ زردی اس کی سفیدی سے مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی سے۔ یہ دونوں شے اس حالت پر ہیں۔ نہ کوئی اصلاح کرنیوالا اور سنوارنیوالا اس میں داخل ہوتا ہے۔ نہ بگاڑنیوالا اس سے باہر نکلتا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس سے نر پیدا ہوگا کہ مادہ۔ مگر وہ دفعتاً شق ہوتا ہے۔ اور ایک طائر خوشنما مثل طاؤس اس سے باہر آتا ہے۔ آیا تیری عقل باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ بغیر صانع علیم و قدیر اور لطیف و خبیر کے آپ ہی آپ وجود میں آجاتا ہے۔

دیصانی نے یہ سنکر اپنا سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھاکر کہنے لگا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اور جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے برحق رسول اور فرستادہ ہیں۔ اور تم حجت خدا اور نائب رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔ اب اس وقت سے میں اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہوا۔

ایک مرتبہ ایک مصر کا رہنے والا دہریہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ اُن دنوں مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس ہمایوں میں پہنچا تو آپ نے اس سے اسکا نام پوچھا۔ اسنے کہا عبد الملک۔ اور کنیت پوچھی تو کہا ابوعبد اللہ۔ یہ سنکر آپنے ارشاد فرمایا کہ یہ ملک توجس کا عبد اور بندہ ہے آیا ملوک آسمان سے ہے یا ملوک زمین سے اور وہ خدا جسکا تیرا بیٹا بندہ ہو خدائے آسمان ہے یا خدائے زمین۔ زندیق نے کچھ جواب نہ دیا خاموش رہ گیا۔ پھر آپ نے پوچھا تو کبھی زمین کے نیچے گیا ہے۔ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے اس کے نیچے کیا ہے؟ کہا نہیں۔ مگر گمان ہے کہ کچھ نہ ہوگا۔ فرمایا گمان کا کام نہیں۔ یہاں یقین درکار ہے پھر پوچھا کہ کبھی آسمان پر چڑھا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے کہ وہاں کیا ہے؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا مشرق و مغرب کی بھی سیر کی ہے اور اُن کے حدود کے آگے کا کچھ حال بھی تجھے معلوم ہے؟ کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے کہ جب تجھے زیر و بالائے زمین و آسمان اور پشت مشرق و مغرب کا حال نہیں معلوم ہے۔ باوجود اس جہالت کے وجود حضرت باری تعالیٰ سے انکار ہے۔ اے مرد جاہل نادان کو مرد دانا پر کوئی حجت نہیں ہے۔ پھر فرمایا تو دیکھتا ہے کہ چاند۔ سورج۔ رات۔ دن۔ ایک طریقہ پر رواں ہیں۔ ضرور مضطر اور مجبور ہونگے جو اس طریق سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ اگر مقدور ہوتا تو ایک مرتبہ جاکر واپس نہ آتے۔ اگر وہ مجبور نہیں تو کس لئے رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات نہیں ہو جاتی۔ تو اس آسمان بلند اور زمین پست پر غور نہیں کرتا کہ کیوں آسمان زمین پر آ نہیں رہتا۔ اور کس واسطے زمین اُسکے نیچے

دب نہیں جاتی۔ کس نے انہیں تھام رکھا ہے جس نے انہیں تھام رکھا ہے وہی قادر مطلق ہے۔
وہی ہمارا اور اُن کا خدا ہے۔ یہ سنکر اُس کی ہمرے نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

علمائے نصاریٰ کا ایک ڈیپوٹیشن (وفد) مناظرے کے قصد سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرات موسٰے۔ عیسٰے اور جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رتبہ میں سب برابر ہیں کیونکہ ان تینوں بزرگواروں کو ایک ایک کتاب عطا ہوئی ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ شریعتیں رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علم وفضیلت میں اُن حضرات سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ حق سبحانہ وتعالٰے نے جو علم انہیں دیا ہے وہ کسی کو نہیں۔

نصاریٰ نے عرض کی کہ کسی آیۂ قرآنی سے اسکا ثبوت دیجئے۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ دیکھو حضرت موسٰے کے لیئے فرمایا گیا ہے وکتبنا لہ فی الالواح من کلّ شیٔ میں نے تمام چیزوں سے تھوڑا تھوڑا اُس کے لیئے تختیوں میں لکھدیا ہے۔ اور جناب عیسٰے کی طرف اشارہ ہے ولابیّن لکم بعض الّذی تختلفون فیہ۔ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اُن میں سے بعض کو میں بیان کرونگا اور ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ارشاد ہوتا ہے ونزّلنا علیك الکتاب تبیانا لکلّ شیٔ۔ میں نے تیرے لئے ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی شرح اور بیان موجود ہے۔

معتزلہ کی تنبیہ

عمرابن عبید معتزلی جو فرقۂ معتزلہ کا پیشوا اور امام وقت تھا اور جس کے چند مسائل کا جواب ہم جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی کتاب میں لکھ بھی چکے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیۂ وافی ہدایہ کو تلاوت کیا الّذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش۔ عرض کی کہ گناہان کبیرہ کو ازروئے نصوص قرآنی بیان فرمایئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے جیسا کہ حق تعالٰے فرماتا ہے ومن یشرك باللہ فقد حرم علیہ الجنّۃ۔ جس نے شرک ذات خدا میں کیا اُس پر بہشت حرام ہو گئی۔ خدا کی ذات اور رحمت سے مایوس ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔ ولا ییٔیس من روح اللہ الّا القوم الکافرون۔ نہیں مایوس ہوتے رحمت خدا سے مگر وہی لوگ جو کافر ہوتے ہیں۔ عقوق والدین بھی گناہ کبیرہ ہے۔ خدا فرماتا ہے وجبّاراً شقیّا۔ خون ناحق بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے فجزآئہ جہنّم خالدا فیھا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنا اسکا بدلا ہے

زن شوہر دار کو زنا کی تہمت لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد فرماتا ہے لعنوا فی الدنیا
والاخرۃ ولھم عذاب الیم۔ اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں
رہینگے۔ مال یتیم کھالینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فرماتا ہے انّما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون
سعیرا۔ بجز اس کے نہیں کہ وہ اپنے شکموں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ
میں جھونک دئے جائیں گے۔ معرکہ جہاد سے بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے ومن یولھم
یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللّٰہ وماواہ جھنم
وبئس المصیر۔ جو ان کی جانب سے مُنہ پھیرے اُس روز سوائے اسکے کہ پھرے وہ لڑائی کی
طرف۔ یا واسطے جا گیر ہونے کے کسی گروہ کے درمیان۔ پس پھرا وہ غضب خدا کی طرف
اور اُسکی جگہ پناہ کی جہنم ہے۔ اور اُسکا بُرا ٹھکانا ہے۔ سود کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔
ارشاد ہوا ہے اَلّذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الّذی یتخبّطہ الشیطان
من المس۔ جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں شیطان نے مس کر کے مخبوط
بنا رکھا ہے۔ سحر کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فرمایا گیا ہے ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ
فی الاخرۃ من خلاق۔ زنا کرنا بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ فرماتا ہے من یفعل ذٰلک
یلق اثاما ویخلد فیھا مھانا۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ سخت گناہ سے دوچار ہوتے ہیں۔
جھوٹی قسم کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالےٰ ارشاد فرماتا ہے یشترون بعھد
اللّٰہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولٰئک لا خلاق لھم فی الاخلاق جو خدا کے وعدے اور اپنے
معاہد کو تھوڑے داموں پر بیچ ڈالتے ہیں۔ اُن کی خلقت کو اخلاق سے واسطہ نہیں ہے۔ خرید و
فروخت میں گھٹ بڑھ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ومن یغلل
یات بما غل بہ یوم القیامۃ۔ جیسی گھٹ بڑھ کریگا اُسی کے ساتھ قیامت میں گرفتار اور
مشغول الذمہ ہوگا۔ زکوٰۃ واجب کا نہ دینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے فتکوی
بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم۔ یعنی چاندی اور سونے سے اُن کی پیشانیاں اُنکے
پہلو اور اُنکی پیٹھ داغ دی جائیگی۔ کتمان شہادت بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہے خالق
عزّوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ومن یکتمھا فانّہ اٰثم قلبہ۔ جو اسے چھپاوے
اُس کا دل گنہگار ہو جاتا ہے۔ شراب کا پینا بھی ویسا ہی منع ہے جیسا کہ بتوں کا پوجا کرنا۔
اور عمداً نماز کا ترک کرنا بھی۔ ایسے آدمی کے حق میں جناب رسالت مآب صلے اللّٰہ علیہ وآلہ
وسلم کا ارشاد ہے فقد برء ذمۃ اللّٰہ ورسولہ منہ۔ خدا و رسول کی ذمہ داری سے ایسا شخص
نکل گیا۔ نقض عہد اور قطع رحم بھی اسی میں شامل ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے

لہم اللعنۃ ولہم سوء الدار۔ اُنپر لعنت ہے اور اُن کے لئے بُرا گھر ہے۔
جب عمر ابن عبید نے آپ کے یہ ارشاد سنے تو بیساختہ رونے لگا۔ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا هلک من قال برائۃ وتازعکم فی الفضل والعلم جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا اور تم سے علم وفضل میں مقابلہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

ابو العوجاء سے مناظرے

کچھ تو اعوجاج اسکی خلقت میں تھا ہی جیسا اسکا نام ہی دلالت کرتا ہے اور کچھ حسن بصری کے پاس رہکر اسکی تلوّن مزاجی اور رنگا رنگی کی خصوصیت اسکے سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ اور اُسکے قیاسی شیطان نے اُسکو ایسا بھڑکایا اور اسلام کی طرف سے اُسکو ایسا متنفر بنایا کہ یہ پھر دین اسلام کی طرف رجوع نہوا۔
یہ شخص دہریہ ہونے کے علاوہ منہ پھٹ۔ بدزبان بھی انتہا درجہ کا تھا۔ اس وجہ سے عرب میں کوئی شخص اس دریدہ دہن کے ساتھ بات کرنے کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اسی انکار اور تمرّد کے جوش میں مکہ معظمہ میں آیا اور وہاں اپنے لوگوں کی ایسی ایک جماعت کو ساتھ لیکر جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابو عبداللہ علیہ السلام اگرچہ مجلس تعلیم وادب ولحاظ کے مقامات ہوتے ہیں مگر جس شخص کو کھانسی آئے وہ بغیر کھانسے نہیں رہ سکتا پس آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے کچھ کلام کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ اجازت ہے۔ جو چاہو پوچھو۔ ابو العوجاء نے مراسم حج اور حجاج کے متعلق استہزا کرتے ہوئے اپنے سلسلہ بیان کو یوں شروع کیا کہ یہ لوگ کب تک اس زمین کو پاؤں سے روندا کریں گے اور کہاں تک ان پتھروں کو اپنا ملجا وماوا بنائے رہینگے۔ اور کتنے عرصہ تک پتھروں اور ڈہیلوں کی پرستش کیا کریں گے اور شتران گریختہ کی طرح اس کے چاروں طرف گھومتے رہیں گے۔ اور یہ لوگ تھوڑا غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ تمام جاہلوں اور نادانوں کے افعال ہیں۔ چونکہ آپ تمام مسلمانوں کے سید وسردار اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کے لخت جگر اور یادگار ہیں اس لئے عرض ہے کہ ان امور کے متعلق کچھ ٹھکانے کی باتیں ارشاد فرمائی جائیں اور ان حرکات وسکنات کے اصلی اور حقیقی اغراض بیان ہوں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی چشم بصیرت جاتی رہتی ہے اور جو آدمی کہ چاہ ضلالت میں گر پڑتا ہے تو اُس کے نزدیک پھر حق صریح بھی امر باطل و قبیح معلوم ہوتا ہے۔ اور شیطان اُسکا رفیق و ہمدم بنکر اُسکو گرداب غوایت اور ہلاکت سے

کسی طرح نہیں نکلنے دیتا۔ اور اُس پر ایسا پھلیل دیتا ہے کہ اُس کے پھر نیکی کی کوئی امید نہیں کی جاتی۔

اب اپنے اعتراضات کا جواب بھی سن لے حقیقت امر حرم محترم خانہ خدا ایسے کہ وہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کی بندگی کا امتحان لیتا ہے۔ اس لئے اُسکی تعظیم و حرمت کی تاکید اور اُسکی زیارت کی ترغیب فرمائی ہے اور اُسکو انبیا علیہم السلام کا مقام عبادت اور دینداروں کا قبلہ قرار دیا ہے۔ یہ اُسکی رحمت و رضوان کا وسیلہ اور اُس کی بخشش و غفران کا ذریعہ ہے جس نے اُسکو اپنی عظمت و جلال سے تمام دنیا کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا کیا ہے۔ ہماری عبودیت کی شان اور ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنے خدائے عزوجل کے حکم کی پیروی کریں اور جس غرض سے اُس نے اسے پیدا کیا اور بنا فرمایا ہم ویسا ہی سمجھیں۔

یہ سنکر ابو العوجا کہنے لگا کہ آپ نے خدا کا ذکر کر کے ایک غائب شے سے اپنے کلام کی استدلال قائم کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے۔ وہ تو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور تیری شہ رگ سے قریب تر ہے۔ ونحن اقرب الیه من حبل الورید وہ ہماری باتوں کو سنتا۔ ہمارے اشخاص کو دیکھتا۔ اور ہمارے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے

ابو العوجا نے کہا کہ خدا کا ہر جگہ رہنا آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر وہ زمین پر ہے تو آسمان پر کیسے گیا اور اگر آسمان پر ہے تو زمین پر کیسے آیا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ایک مکان میں ہو تو البتہ اُس سے دوسرا خالی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ صفات مخلوق سے ہے۔ خدائے عظیم الشان اور جلیل البرہان اس سے بھی بزرگ تر ہے کہ کوئی مکان اُسے احاطہ کرے یا ایک جگہ ہو تو اُس سے دوسرا مقام خالی ہو۔ وہ لطیف و خبیر ہر مقام میں موجود ہے۔ اور ہر شے کے حال سے پورا واقف ہے۔ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو یہیں تک لکھکر تمام کر دیا ہے اور ارشاد شیخ مفید نور اللہ مرقدہ میں اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ بہت بڑی دلیل وجود حضرت باری تعالےٰ واقدس کی یہی ہے کہ اُس نے احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا برگزیدہ نبی کو اپنے بندوں پر مبعوث فرمایا۔ خدا کے وجود کے علاوہ اب اگر تو آنحضرت کے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں بھی کچھ شبہہ رکھتا ہو تو بیان کر اُسکو بھی میں دلائل و براہین سے تجھ پر واضح کر دوں۔ حضرت یہ کلام فرماتے جاتے تھے اور ابو العوجا نقش بدیوار بنا خاموش بیٹھا تھا۔ آخر وہاں سے اُٹھا اور ابن طالوت۔ ابن اعمے اور ابن مقفع

وغیرہ سے جن لوگوں نے اُنکو آپ سے مقابلہ و مباحثہ کرنے کے لئے اُبھار اتھا کہنے لگا کہ میں تو تمہاری فرمائش کو کھیل سمجھتا تھا مگر تم نے تو آتش سوزاں میں جھونک دیا۔ اُن لوگوں نے کہا خموش رہ۔ تیرے حیران اور لاجواب رہجانے نے ہم لوگوں کو رسوا اور ذلیل کر دیا اُسنے کہا تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ مگر تم نہیں جانتے کہ یہ کون ہیں اور کس کے فرزند ہیں۔ یہ اُس کے فرزند ہیں جس نے ان سب کی (حاضرین حجاج کی طرف اشارہ کرکے) سر منڈوائے ہیں۔ یعنی آپ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔

دوسرا مناظرہ

ابن ابی العوجار پھر ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ اے ابو العوجار تو مصنوع و مخلوق خدا ہے یا غیر مصنوع۔ کہا میں کسی کا مصنوع و مخلوق نہیں ہوں۔ آپ نے اُس خودرو سے پوچھا کہ اگر تو غیر مصنوع ہے تو کیسے۔ ابو العوجار اسکا کوئی جواب نہ دے سکا۔

تیسرے سوال کا جواب

ایک مرتبہ اُس دریدہ دہن نے کہا کہ حشر۔ نشر۔ حساب۔ کتاب۔ بہشت اور دوزخ کچھ بھی نہیں۔ آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے جیسا تو کہتا ہے تو تو نے نجات پائی اور ہمارے لیئے بھی کوئی وجہ اندیشہ نہیں۔ اور اگر تیرا قول غلط نکلا اور ہمارا عقیدہ انکی نسبت درست رہا تو پھر تیرے لئے نجات کی صورت نہیں۔

چوتھا مکالمہ

حفص ابن غیاث جو اعظم ترین تابعین اہلسنت سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن ابو العوجار نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ آپ اس آیہ کے کیا معنی لگاتے ہیں کلما نضجت جلودھم بدّلناھم جلوداً غیرھا یعنی جب انکی (اہل جہنم کی) کھالیں جل جائینگی تو ہم اُن کو اور کھالیں بدلدینگے۔ جن جلدوں نے معصیت کی تھی جب وہ جل گئیں تو اب دوسری جلدوں کا کیا قصور۔ فرمایا یہ پہلی ہی کھالیں ہونگی۔ صرف صورت کی اُلٹا پلٹی ہے۔ جس طرح خشت خام کو کوئی توڑے تو وہ مٹی ہو جائیگی۔ پھر اُسکو تر کرکے سانچے میں ڈھالنے سے خشت ہو جائیگی ایسا ہی جلدیں اہل دوزخ کی جلنے کے بعد خدائے قدیر کے حکم سے درست و تیار ہو جاوینگی

پھر اُسنے سوال کیا کہ آدمیوں کو مختلف طریقوں سے موت آتی ہے۔ کوئی مرض شکم سے مرتا ہے کوئی سل سے۔ کوئی دق سے۔ اگر ایک مرض موت کے لئے مقرر ہوتا تو کیا بُرا تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو خلائق مرض کے ہونے تک حوادث موت سے بےخوف ہو جاتے۔ اور جناب باری تعالےٰ عزاسمہ موت سے کسی بندہ کا کسی وقت بےخوف ہو جانا پسند نہیں کرتا ؎ غافل از احتیاط نفس یک نفس مباش ؛ شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔

تلاش معاش اور اعتدال اختیار کرنے کے لئے مفید باتیں

سفیان ثوری۔ سواد اعظم کے اکابر دین اور ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ اور آج تک خیر التابعین کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ اول سرآمد علمائے اعلام حضرت عبداللہ ابن عباس۔ پھر عمر۔ پھر شعبی۔ پھر سفیان ثوری (وفیات الاعیان لابن خلکان)

بہرحال سفیان ثوری بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے خوان علم ومعرفت کے ذلہ رباؤں اور آپ کے شاگردوں میں تھے۔ مگر طمع دنیاوی بہت بری شئے ہے۔ یہ بھی رفتار زمانہ دیکھکر ابو حنیفہ کی طرح اپنا جُدا رنگ جمانا چاہتے تھے۔ اس لئے امام علیہ السلام کا فروغ ان سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد الحرام میں تشریف رکھتے تھے اور لباس سفید و باریک آپ کے بدن پر تھا۔ سفیان نے اس لباس سے آپ کو دیکھکر اپنے اصحاب سے کہا کہ میں جاتا ہوں اور اس شخص کو کہ امام روافض ہے بند ولاجواب کرتا ہوں۔ یہ کہکر آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ایسے جامہائے بیش قیمت کبھی آپکے جدامجد سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وجمعین بھی پہنا کرتے تھے۔

آپ نے اس اعتراض کا جواب معقول اس طرح دیا کہ اے سفیان وہ زمانہ مسلمانوں کی ثروت اور فلاحت کا نہیں تھا۔ اس لئے جناب ختمی مرتبت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ عامۃ المسلمین کی رعایت فرماتے تھے اور گرانبہا لباس نہیں پہنتے تھے۔ اب وہ بات نہیں تو ایسے لباس کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں رہا۔ اسپر بھی یہ لباس میں نے اپنے واہب العطایا کے اظہار شکریہ کی غرض سے پہنا ہے۔ یہ کہکر اپنے دامن قبا کو اٹھایا اور دکھلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ پیرہن خشن (بالوں کا بنا ہوا موٹا کپڑا) ہے۔ پھر دست مبارک بڑھاکر سفیان

کا دامن کہ موٹے کپڑے کا تھا۔ اُٹھایا اور فرمایا تو نے برخلاف میرے۔ از روئے ریا خلقت خدا کو صرف دکھلانے کی غرض سے۔ یہ موٹا لباس اوپر پہن لیا ہے۔ اور اوسکے نیچے یہ لباس باریک و نرم اپنے جسم خاکی کی آسائش کے لئے پہن رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفیان بجائے اِس کے کہ حضرت کو بند و لاجواب کریں۔ خود بھرے مجمع میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ سچ ہے۔ ؎ با آلِ نبیؐ ہر کہ در افتاد بر افتاد

تابعین سفیان کے ساتھ پھر مکالمہ

اِس واقعہ کے بعد (سفیان کی چپقلش سے) مکہ میں زُہاد و ریائی کے کچھ لوگ جو ترک دنیا کے پردے میں دنیا کے طالب تھے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ سفیان تو آپ کا جواب دے نہ سکا۔ ہم اس کی طرف سے اور اپنی جانب سے آپ سے معارضہ کرنے آئے ہیں۔ کیا زہد اور ترک دنیا آپ کے نزدیک مذموم ہے۔ حالانکہ حق تعالےٰ نے بعض اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس امرِ خاص کے لئے مدح و ثنا کرتا ہے۔ وہ آیہ وافی ہدایہ یہ ہے۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ کہ وہ غیروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ گو وہ برہنگی اور گرسنگی کی حالتوں میں ہوتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا کھلاتے ہیں۔ خدا کی محبت میں مسکینو کو یتیموں کو اور اسیروں کو۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیتیں ہم اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارا ہی بیان حال اس سے مقصود ہے۔ تم لوگ ناسخ اور منسوخ قرآن کو نہیں پہچانتے۔ اسی لئے گمراہ ہوتے ہو۔ سنلو اور سمجھ لو کہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئے اُن کو ایسا کرنا حلال و مباح تھا۔ اور وہ اس کے لئے مثاب و ماجور ہوئے۔ پھر حق سبحانہ تعالےٰ نے مومنین کے حال پر رحم و شفقت فرما کر۔ تاکہ اُن کو اور اُن کے اہل و عیال کو ضرر نہ پہنچے۔ یہ حکم منسوخ فرما دیا۔ کیونکہ ان کے کمسن بچے۔ اور ضعیف و ناتوان بوڑھے۔ اور عاجز عورتیں ہیں۔ ایک روٹی جس کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہو۔ اگر یہ اُسے بھی خیرات کر دیا کریں۔ تو یہ امر ان کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اسی واسطے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دانہ خرما۔ یا پانچ درہم۔ یا پانچ روٹیاں ہوں۔ اور وہ انھیں خرچ کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُن میں سے ایک اپنے والدین کو دے۔ دوسرے اپنا اور اپنے عیال کے اوپر انفاق کرے تیسرے اپنے محتاج اقربا اور رشتہ داروں کو دے۔ چوتھی کو اپنے پریشان ہمسایوں کو بخشدے۔ پانچویں کو راہ خدا میں خیرات کر دے۔ یہ پانچواں مقام اُن پچھلے چاروں سے پست تر اور کم ثواب ہوگا۔ چنانچہ ایک دانصاری کے پاس چار یا پانچ لونڈیاں اور غلام تھے اُن کے سوا اُس کی ملکیت میں کچھ اور نہ تھا۔ اُس نے مرتے وقت ان سب کو آزاد کر دیا۔ اور اپنے صغیر السن بچوں کیلئے

کچھ بچھونا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ گیا کہ بھیک مانگیں۔ اگر میں پہلے سے یہ جانتا تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں کبھی دفن ہونے کی اجازت نہ دیتا۔

نیز حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما ایسے لوگوں کی مدح فرماتا ہے جو انفاق میں اسراف کو راہ نہیں دیتے۔ اور اعتدال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اسی سے سمجھ لو کہ جس امر کی تم مدح کرتے ہو اور اس کے ترک کو عیب اور قابل مذمت بتاتے ہو حق عزوجل نے اسی کا نام اسراف رکھا ہے اور قرآن مجید میں چند مقام پر فرماتا ہے۔ ان اللہ لایحب المسرفین خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں چند ایسے اشخاص ہیں کہ جن کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں ایک تو وہ جو اپنے والدین کو نفرین کرے اور بددعا دے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ دوسرے جو اپنا مال کسی کو قرض کے طور پر یا بطور دیگر کہ ارادہ اس کے واپس لینے کا رکھتا ہو۔ دیوے اور وثیقہ نہ لکھوائے اور کسی کو گواہ نہ کرے اور پھر وہ گیرندہ مال اس کو نہ دیوے اور یہ اس کے لئے بددعا کرے۔ تیسرے جو اپنی عورت کو لعن ونفرین کیا کرے۔ حالانکہ حق تعالےٰ سبحانہ نے اسے طلاق دینے اور علیحدہ کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ چوتھے جو گھر میں بیٹھ رہے اور تلاش معاش نہ کرے اور حق تعالےٰ سے رزق حلال طلب کرے تو جناب باری تعالیٰ عز اسمہ اس کے بارے میں فرماتا ہے کہ آیا میں نے تجھے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء وجوارح نہیں بخشے اور طلب معاش کی راہیں تیرے لئے نہیں کشادہ کر دیں۔ پانچویں جس کو خدائے تعالیٰ نے بہت سا مال عنایت کیا ہے۔ اور وہ بے حساب بخشش میں لٹا کر مفلس قلاش بن جائے اور خدا سے دعا کرے کہ مجھے روزی عطا فرمائے تو خدائے تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مال کثیر نہیں دیا تھا۔ باوجودیکہ منع کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی تو نے اسراف وفضول خرچی کی۔ ایسے ہی ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے طلا آیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ صبح ہو تو اس میں سے قلیل و کثیر کچھ میرے پاس باقی نہ رہے۔ اس لئے تمام کو خیرات کر دیا۔ دوسرے روز ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ کچھ پاس نہ تھا کہ اس کو عنایت فرمائیں۔ سائل نے اصرار پر اصرار کیا۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت رقیق القلب اور رحیم تھے۔ ازحد ملول ہوئے۔ حق تعالےٰ نے یہ آیہ بھیجا۔ ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولاتبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں کو گردن میں باندھ لے کہ کسی کو کوڑی نہ دے اور نہ بالکل ان کو کھول دے کہ ملول و مغموم بیٹھ رہے۔

سب کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ آیات وحدیث کہ ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتے ہیں۔ آیا ان افعال

کی ناسخ ہیں جن سے تم تمسک کرتے ہو۔ یا نہیں۔ اس کو بھی جانے دو۔ حضرت ابوبکر جنھیں تم صدیق کہتے ہو۔ باوجودیکہ حق تعالے نے ثلث مال کا اختیار مرنے والے مریض کو دیا ہے مگر انہوں نے اپنے مال سے ایک چہارم کی وصیت کی۔ اور کہا یہ بھی زیادہ ہے۔ اگر ثلث کو بہتر جانتے تو اسی کی وصیت کرتے بلکہ اگر تمام کا خیرات کر دینا حق سبحانہ تعالے کے نزدیک اچھا ہوتا۔ تو ثلث کی حد نہ لگائی جاتی۔ اور زائد از ثلث سے سلب اختیار نکیا جاتا۔

علی ہذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ باوجود اس فقر و قناعت کے جب انکا حصہ عطایا سے برآمد ہوتا۔ تو پہلے اس ہی سے قوت سالانہ کو نکال لیتے۔ بقیہ کو تصدق فرما دیتے۔ بعض کم خرد کوتہ اندیش معترض ہوئے کہ اے ابوعبداللہ علیہ الصلواۃ والسلام۔ آپ باوجود اس زہد و تقویٰ کے کیا کرتے ہیں کیا آپ کو سال بھر اپنے زندہ رہنے کا یقین ہے۔ جو ایک سال کی خوراک پہلے سے جدا کر رکھتے ہیں۔ اور باقی کو دے ڈالتے ہیں۔ فرمایا تم میرے دوست ہو کر کس لئے میری حیات کی امید نہیں کرتے۔ اور کیوں میرے مرجانے کے احتمال کو میرے جینے کے خیال پر ترجیح دیتے ہو۔ اے نادانو۔ تم نہیں جانتے کہ جب آدمی کے پاس سال بھر کا گذارہ موجود رہتا ہے تو وہ دنیا و آخرت کے کام بجمعی سے انجام دیتا ہے۔ اور خالی ہاتھ آدمی ہمیشہ پریشان حال ہوتا ہے۔ کوئی دینی یا دنیوی کام اس سے اچھی طرح نہیں ہو سکتے۔

پھر جناب امام جعفر صادق علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ جناب ابی ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھو کہ باوجود اس فقیری اور گوشہ نشینی کے محض تہیدست رہنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ چند شتر اور گوسفند پال رکھے تھے جن کو اپنے عیال اور مہمانوں پر انفاق کیا کرتے تھے۔ اور اعراب قرب و جوار سے جس کو فقیر و محتاج پاتے تھے۔ اُس کے ساتھ مواسات فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شتر یا گوسفند کو ذبح کیا ہے اور اُس کا گوشت تمام لوگوں پر تقسیم فرما دیا اور اپنے لئے بھی اُتنا ہی حصہ رہنے دیا۔

دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جن کا زہد و تقویٰ مسلم ہے۔ کسی کو گنجایش شک و شبہ کی نہیں ہے۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اِن کے اوصاف جمیلہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ اس پر بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کچھ اِن کے پاس نہ رہتا ہو۔ یا جو کچھ آپ کے پاس ہو اُسے دیکر بعض نادار ہو جائیں جیسا کہ تم تمام لوگوں کو بنانا چاہتے ہو۔

یہ امر بھی تم کو معلوم رہے کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علیہ السلام سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے آبا سے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کا بدن مقراضوں سے ریزہ ریزہ کیا جاوے۔ تب بھی اُس کے لئے مصلحت ہے اور اگر اُسے دنیا کی بادشاہی دیدی جائے تو بھی مصلحت ہے کیونکہ حق سبحانہ تعالی بندہ مومن کے لئے

جو اصلح جانتا ہے۔ وہی عمل میں لاتا ہے۔ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے بیان کیا وہ تمہارے لئے کافی ہے۔ یا کچھ اور کہوں۔ سنو حق تعالے نے شانہ نے اول مومنوں پر فرض کیا کہ اپنے دس گنا کفار سے جہاد کریں۔ پھر ان پر رحم فرمایا اور اس تعداد میں تخفیف کر دی یعنی دو گنا کے ساتھ جہاد کیا جاوے۔ پس آخری تخفیف نے پہلے کلام کو منسوخ کر دیا۔ تیسرا اگر کوئی عورت قاضی کے پاس استغاثہ پیش کرے کہ میرا شوہر مجھے نفقہ نہیں دیتا اور قاضی حکم کرے شوہر کو نفقہ دینے کا۔ ہر چند وہ عذر کرے کہ میں زاہد ہوں۔ کوئی شے مال دنیا سے میرے پاس نہیں ہے۔ وہ اس کا عذر نہ سنے اور وہ اُس کو مجبور کرے تو وہ قاضی تمہاری رائے میں ظالم و ستمگار ہو گا یا عادل و دیندار۔ اگر تم کہو کہ ظالم ہے تو مسلمان تمکو ظالم کہیں گے۔ اور جو عادل کہو گے تو یہ امر تمہاری رائے کے خلاف ہو گا

دیگر یہ کہ اگر تمام عالم زاہد تارک الدنیا ہو جاوے اور کوئی دوسرے مال کی پروا نہ کرے تو یہ صدقات و خیرات کہ حق تعالے نے فرض منتخب کئے ہیں اور اس قدر ثواب ہائے عظیم ان پر مقرر فرمائے۔ یعنی زکواۃ۔ کفارات۔ نذر۔ خیرات۔ سونا۔ چاندی۔ خرما۔ مویز۔ گندم۔ شتر۔ گاو اور گوسفند وغیرہ کس کو دیں اور کہاں سے ان کے مستحق پیدا کریں۔ پس در حقیقت تم نے کتاب خدا و سنت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کما حقہ نہیں سمجھا اور اپنی کوتہ نظری کے باعث اُن کے کنہ حقیقت کو نہیں پہنچے۔ نہ اس کے ناسخ و منسوخ کو سمجھے اور نہ اُس کے امر و نہی کو معلوم کیا۔ کیا تمکو معلوم نہیں ہے کہ جناب سلیمان علے نبینا و آلہ و علیہ السلام پیغمبر خدا تھے انھوں نے خدا تعالے سے ایسی بادشاہی چاہی جو کسی کو نہ ملی ہو۔ اور خداوند عالم نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور ویسی ہی بادشاہی انہیں عنایت فرمائی۔ کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا۔

ایسے ہی ان کے پدر بزرگوار داؤد علیہ السلام بھی بادشاہ تھے۔ جناب یوسف علی نبینا و آلہ و علیہ السلام نے بھی مصر میں یہ دعا فرمائی تھی۔ رب اجعلنی علے خزائن الارض پروردگار خزانہائے روئے زمین پر مجھے متصرف کر دے۔ چنانچہ وہ عزیز مصر ہو گئے۔

ایسے ہی سکندر ذوالقرنین علیہ السلام بھی خدا کے پیارے بندے تھے اور اسباب سلطنت ان کے لئے آمادہ حکومت مشرق مغرب ان کو عطا ہوئی۔ تاہم کسی نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی پس۔ اے لوگو۔ خدا سے ڈرو اور آداب الٰہی سے متادب ہو۔ اور اُس کے اوامر و نواہی پر کاربند ہو۔ اور جس امر کو نجانو اور وہ تم پر مشتبہ ہو اُس کو اُس کے اہل کے لئے چھوڑ دو تاکہ خدائے تعالے کے نزدیک معذور رہو اور ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ کو نہیں پہچانتے ہو۔ اور اسی کے اوامر و مناہی کو نہیں جانتے۔ تمکو لازم ہے کہ خدا کے حلال و حرام میں تمیز پیدا کرو کہ جاہل اہل علم سے ضرور کم رتبہ ہیں و فوق کل ذی علم علیم۔

ایک دہریہ کے سوال کا جواب

ایک دہریہ نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آکر بہت سے مختلف
سوال کئے۔ آپ نے ان سب کے جواب دئے۔ ازانجملہ اس نے آپ سے پوچھا کہ
شیطان تو عدو خدا ہے۔ سزاوار نہیں ہے کہ ایسا حکیم مطلق اور دانا سے برحق اپنے دشمن
کو اپنی مخلوق پر برانگیختہ کرے۔ حالانکہ بقول تمہارے خدائے تعالےٰ نے شیطان کو پیدا کیا۔
اور اپنے بندوں پر پھر اسی کو مسلط کیا کہ انہیں اغوا کرے۔ اور اطاعت کے راستہ سے
ہٹائے اور عصیاں کی راہ پر لگائے۔ اور انہیں وسوسوں میں ڈالے۔ کہ وہ خدا کے منکر ہو کر
دین و یقین اپنا بالکل کھو ڈالیں۔

آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ یہ سچ ہے کہ شیطان خدا کا دشمن ہے۔ مگر ایسا
نہیں کہ اس کی دوستی سے اس جل شانہ کو کوئی نفع یا اس کی دشمنی سے اسے کسی نوع کا نقصان
پہنچے۔ خوف و اندیشہ اس دشمن سے ہوتا ہے۔ جس سے نفع یا ضرر کی امید قائم ہو۔ حقتعالےٰ
نے اس کو مثل دیگر بندوں کے عبادت کے لئے پیدا کیا۔ ہر چند اس کا علم آلٰہی میں مآل کار موجود
تھا۔ پس وہ بشمول دیگر ملائکہ مشغول عبادت پروردگار رہا۔ حتےٰ کہ سجدۂ حضرت آدم علےٰ نبینا
وآلہ وعلیہ السلام کے معاملہ میں اس کا امتحان ہوا۔ تو حسد و نفسانیت اس پر غالب آئی۔ اور منشاء
امرِ الٰہی سے انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صفوف ملئکہ سے نکال کر پستی زمین کی طرف نکال دیا گیا وہ
اولاد حضرت آدم کا دشمن تو ہے مگر صرف اسقدر کہ ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرے اور
بہکائے۔ اس کے سوا کسی طرح کا تسلط اور قدرت حاصل نہیں ہے۔

دہریہ نے عرض کی کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کے سوا اور کے لئے بھی سجدہ جائز ہے۔ یا نہیں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اس نے کہا پھر حضرت آدم علیہ السلام
کو سجدہ کرنا کیسا۔ یہ سنکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو سجدہ حکم خدا سے ہو وہ
خدا ہی کا سجدہ ہے۔ پھر اس نے عرض کی کہ آیا جائز ہے کہ کوئی خدا کی صنعت میں عیب نکالے
یا جس طرح اسنے پیدا کیا ہے۔ سب میں حکمت و مصلحت ہے۔ جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اسنے پیدا کیا وہ عین مصلحت و حکمت ہے کسی کو اس میں عیب لگانا جائز نہیں
اس نے کہا اسلام والے ختنہ کر کے پھر صنعت خدا کو کیوں بگاڑتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ تیری غلط فہمی ہے
ختنہ کرنے سے خدا کی صنعت یا اسکی خدائی میں کوئی عیب نکالا نہیں جاتا۔ ختنہ کرنا خود اس سبحانہ تعا
کی سنت ہے جیسا کہ بچہ پیدا ہونے کے وقت بچہ کی ناف کو قطع کرنا۔ اور اگر اس کو بحال خود

باقی رہنے دیں تو موجب فساد ہے۔ اسی طرح ناخن اور بالوں کا لینا سنت ہے۔ اور اپنے حال پر ان کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اس صورت پر اس کو پیدا کرتا کہ کبھی ضرورت قطع برید ہی کی نہ پڑتی۔ اور یہ اپنی مقدار معین سے تجاوز نکرتے۔

علےٰ ہذا۔ بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان کا خصی کرنا ہی مصلحت اور ضروری ہے۔ حالانکہ خداتعالےٰ نے انہیں اپنی حکمت سے نر پیدا کیا تھا۔ کیا وہ حقتعالےٰ ان کو پہلے خصی نہیں پیدا کر سکتا تھا۔

پھر اُس نے عرض کی غسل جنابت کس غرض سے فرض ہوا۔ جب آدمی نے ایک فعل حلال کیا جس کے لئے وہ ہمیشہ کے لئے ماذون ہے۔ تو پھر اس میں نجاست کیسی۔ فرمایا جنابت کی ناپاکی بھی حیض کی گندگی کی ایسی ہی ہے کیونکہ منی حقیقت میں خون ہے جو کامل طور پر پختہ نہیں ہوا۔ اسکے علاوہ جماع میں سخت حرکت ہوتی ہے جس سے سانس چڑھ جاتی ہے۔ اور بعد فراغت جسم انسان سے ایک قسم کی بو آنے لگتی ہے۔ اور یہ قاعدہ انسان سے لیکر حیوان تک قایم ہے۔ اس تعفن اور آلائشوں کے پاک کرنے کے لئے غسل کی سخت ضرورت واقع ہوتی ہے۔

پھر اس نے مجوسیوں کے اعتقاد سے بحث کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک دین مجوس اسلام سے ملتا جلتا ہے۔ یا اہل عرب کا قدیم مذہب۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا عرب قدیم دین حنیف اسلام سے قریب تر تھے۔ مجوسی جملہ انبیا و آلہ وعلیہم السلام کے صریح منکر ہیں اُن کی حجتوں اور دلیلوں کو نہیں مانتے کیخسروان کے بادشاہ نے زمانہ پیشین میں تین سو انبیاء کو قتل کیا۔ علاوہ اس کے۔ مجوس غسل جنابت نہیں کرتے تھے۔ اور عرب اس کو کرتے تھے۔ اور غسل جنابت خالص سنت انبیاء ہے۔ مجوس ختنہ نہیں کرتے تھے۔ عرب کرتے تھے اور سب سے پہلے جس نے ختنہ کی سنت قایم کی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام تھے۔ مجوس اپنے مردوں کو غسل و کفن نہیں کرتے۔ جنگلوں میں پہاڑوں میں پھینک دیتے تھے۔ عرب ہمیشہ سے غسل و کفن کرتے تھے اور پھر زمین میں مدفون کرتے تھے۔ مردوں کا گاڑنا حضرت آدم علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے وقت سے رائج ہے۔ مجوس ماں بہنوں سے مقاربت کرتے تھے۔ اور بیٹیوں تک کو چھوڑتے نہ تھے۔ عرب اس کو قطعی حرام جانتے تھے مجوس منکر بیت اللہ تھے اور اسے (معاذ اللہ) شیطان کا گھر کہتے تھے۔ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور خانہ خدا بتلاتے تھے۔ اور انجیل و توراۃ کا اقرار کرتے تھے اور کبھی کبھی اہل کتاب سے کوئی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے تھے۔ ان وجہوں سے عرب قدیم دین حنیف اسلام سے اقرب تھے بہ نسبت مجوس کے۔

دہریہ نے کہا کہ مجوس بہنوں سے نکاح کر لیتے ہیں تو سنت آدم علیہ السلام کی حجت لاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اور ماں بیٹیوں کے ازدواج پر کونسی حجت قائم کرتے ہیں۔ پھر اُس نے کہا کہ شراب تو بڑے لطف کی شے تھی۔ شرع نے کیوں حرام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ سخت ام الخبائث ہے اور تمام برائیوں کی جڑ شراب خوار کی عقل بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کو نہیں پہچانتا اور کسی قسم کا فسق و فجور اُس سے چھوٹتے نہیں پاتا۔ اور کسی طرح کا پاس و لحاظ اُسے باقی نہیں رہتا اس کی ناک شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ جس طرح چاہے اُس کو نچائے۔ اور اگر چاہے تو اس سے بتوں کا سجدہ کرائے۔

پھر اس نے پوچھا خون ذبیحہ کیوں حرام ہوا۔ فرمایا خون کا کھانا موجب قساوت قلبی و سنگدلی ہے۔ دل سے رحم کو دور کرتا ہے۔ بدن کو گندہ اور بدبودار اور رنگ کو بگاڑ دیتا ہے۔ جذام کی بیماری ہو جاتی ہے۔ پھر اُس نے پوچھا۔ ذبیحہ میتہ میں کیا فرق ہے کیوں اُسے حلال اور اسے حرام فرمایا۔ جناب صادق آل محمدؐ علیہ السلام نے فرمایا بڑا فرق ہے۔ وہ خدا کا نام لیکر حلال کیا جاتا ہے جو تمام ادیان و شرائع میں مقبول و مطبوع ہے۔ اور میتہ کا خون چونکہ نکلتا نہیں ہے۔ اسی میں جذب ہوتا ہے۔ تو اسکا گوشت ثقیل اور غیر مطبوع ہوتا ہے۔ اُس نے کہا مچھلی کو تو ذبح نہیں کرتے۔ وہ بھی تو میتہ ہے۔ فرمایا اُس میں خون نہایت ہی کم ہے۔ اُس کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اُسے زندہ پانی سے نکالیں اور رہنے دیں تا آنکہ وہ خود مر جائے اسی طرح سے ملخ میں خون اتنا نہیں ہوتا۔ اسی لیئے اُسے ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

اُس نے پوچھا کہ بروز قیامت اعمال انسان میزان میں تولے جائیں گے۔ یہ کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمل کوئی مجسم شے نہیں ہے کہ اُسے وزن کریں وہ صرف صفات و اغراض انسانی ہیں جو قابل وزن نہیں۔ وزن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے۔ جہاں چیزوں کا وزن مشتبہ ہو۔ خدائے علیم و خبیر کو۔ جو ہر شے کے وزن و مقدار سے آگاہ ہے تو لنے یا وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کی پھر میزان کیا چیز ٹھہری۔ فرمایا۔ وہ حق سبحانہ تعالےٰ کی عدالت ہے۔ کہا پھر ثقلت موازینہ سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ جس شخص کے اعمال راجح ہوں۔

پھر اُسنے پوچھا۔ اہل دوزخ کے لئے عذاب دوزخ ہی کافی تھا۔ سانپ بچھوؤں کی کیا ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا یہ اُن کے لئے ہیں۔ جو خدا کو ان کا پیدا کرنے والا نہیں سمجھتے۔ بلکہ اور لوگوں کو بھی اس میں اُس کا شریک و سہیم جانتے ہیں۔ ان کو سانپ بچھو کاٹیں گے کہ اپنے اس عقیدے کا مزا چکھیں کہ کوئی شے اُس نے اکیلا نہیں پیدا کی پھر اُس نے کہا۔ اہل بہشت غذا کھائیں گے اور فضلہ اُن

سے جدا نہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ اُن کی غذا ایسی ہی لطیف و رقیق ہوگی جس میں سفل کا نام بھی نہ ہوگا ہلکا سا پسینہ اگر خالی شکم ہو جائیں گے۔ اور بھوک لگ جائیگی پھر پوچھا کہ حوریں ستر ستر حلے ایک ایک پر ایک پہنینگی۔ اور تاہم مغز استخوان اُن کا دکھائی دیگا۔ فرمایا یہ اُن کے بدن اور لباس کی کی لطافت اور نفاست سے ہے جیسا کہ صفائت اور شفاف پانی میں کوئی شئے گرادی جائے اور رہ تہ کے نیچے سے نظر آئے۔ مومن کی بہشتیوں کے عیش و عشرت میں کیا مزہ آئے گا جب ان کے عزیز قریب و دوست آشنا خود وہاں نہ ہوں گے۔ انہیں یاد آئیں گے۔ اور وہ جانیں گے کہ وہ دوزخ میں ڈالدے گئے۔ فرمایا حق سبحانہ تعالےٰ اُن کی یاد کو اُن کے دلوں سے محو فرما دے گا۔

ایک جاہل عالم نما کی دلچسپ حکایت

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے جد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اھدنا الصراط المستقیم کے معنی پوچھے گئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مراد اس آیہ سے یہ ہے کہ ہم خدائے سبحانہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ پروردگار راہ راست و درست ہم کو ہدایت فرما کہ تیری پیچی اور واقعی متابعت کریں اور پنجہ ہوا و ہوس میں نہ گرفتار ہوں۔ ایک ایسے شخص کی طرح۔ جس کا واقعہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے افعال کا خود برائے العین مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے ایک شخص کو سنا کہ عوام اُس کی بڑی توقیر کرتے ہیں۔ پس ہم نے چاہا کہ ہم اُس کو اس طرح دیکھیں کہ وہ ہم کو نہ دیکھنے پاوے تاکہ ہم اُس کے علم و دانش کا اندازہ کر سکیں۔ اور تحقیق کامل ہو جاوے۔ اتفاقاً وہ شخص ایک دن ہمیں مل گیا۔ عوام کالانعام کی ایک جمع غفیر اُس کے ساتھ تھی۔ ہم اُن سے ذرا علیحدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنا چہرہ اپنی ردا سے ڈھانپ لیا اور آنکھیں کھلی رکھیں۔ پھر دیکھا کہ وہ مریدوں سے خلاف کہتا ہے اور نزاع و تکرار اُن کے فیما بین ہو رہی ہے وہ آخر کار ان لوگوں سے جدا ہو کر ایک طرف کو چلدیا اور وہ مجمع متفرق ہو گیا۔

غرضکہ میں اسی کے پیچھے پیچھے چلا تاکہ دیکھوں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ تھوڑی دیر جاکر ایک نانبائی کی دوکان پہ ٹھہرا اور اسے غافل پاکر دو روٹیاں وہاں سے اوڑالیں اور انہیں بغل میں دباکر آگے بڑھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس نانبائی سے اور اس سے کوئی معاملہ ہے۔ کہ جس کی جواب دہی نہیں۔

آگے جاکر ایک کنجڑے کی دوکان پہ ٹھہر گیا۔ اسے ذراسی پیٹھ پھیری کہ اس نے دو انار جھپک لئے

اور آگے بڑھ گیا۔ اب تو مجھے گمان غالب کیا یقین ہو گیا کہ یہ شخص ونددیار پیشہ ہے۔ نہیں تو اس طرح عام دوکانداروں کی آنکھیں چرا کر چیزیں اُٹھانے اور اُچک لیجانے کے کیا معنی۔ بقتہ میں نے اس پر بھی اس کا پیچھا نچھوڑا اور ساتھ ساتھ چلا۔ تا اینکہ یہ ایک شخص بیمار کے پاس ٹھہرا۔ اور وہ دونوں انار و روٹیاں اُس کو دیدیں اور آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچکر پھر ٹھہر گیا۔ اُسوقت میں نے نزدیک جاکر کہا۔ مرد خدا۔ میں نے تیری بڑی تعریف سنی تھی اس لئے تیرے دیکھنے کا از حد مشتاق تھا۔ بارے آج دیکھا تو امر عجیب تجھسے مشاہدہ کیا۔ جس نے مجھے سخت حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

اُس نے کہا کہ قبل اس کے کہ میں تمہیں تمہاری باتوں کا جواب دوں تم مجھے بتلا دو کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں امت مرحومہ محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک فرد ہوں۔ اُس نے کہا۔ تم کس قبیلے کے آدمی ہو۔ میں نے کہا قبیلہ اہل بیت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے۔ پھر اُس نے پوچھا کس شہر کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا اُسی شہر مدینہ کا رہنے والا ہوں۔ اُس نے کہا۔ غالباً جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔

تب اُس نے کہا کہ تمہاری یہ شرافت حسبی و نسبی اللہ اکبر کس کام کی ہے۔ جب تم اپنے آباؤ اجداد طاہرین علیہم السلام کے علوم سے بھی واقف نہیں۔ میں نے کہا وہ کون سے علوم ہیں۔ کہا وہ قرآن مجید۔ جو تمہارے جدامجد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے۔ میں نے کہا کیونکر۔ اس نے کہا آج تک تم کو آیہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا کے مفہوم تو معلوم ہی نہیں۔ جس کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ جو ایک نیکی کرے گا۔ اُسے دہ گونہ ثواب ملیگا۔ اور جس سے ایک گناہ صادر ہوگا۔ تو وہ ایک ہی بدلہ پاوے گا۔ دیکھو میں نے دو روٹیاں اٹھائیں تو دو گناہ کئے اور دو انار اٹھائے۔ تو دو اور ہوئے مجموع چار گناہ مجھسے سرزد ہوئے اور جب ان چاروں کو خدا کی راہ میں خیرات کر دیا۔ تو آیہ بالا کی رو سے چالیس حسنات حاصل ہوئے۔ تو ایسی حالت میں میرے چار گناہ مجرا ہو کر چھتیس ۳۶ نیکیاں میرے لئے باقی ہیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے جب اُس کے یہ کلام سنے تو اُس کے فقہ و بصیرت پر کمال تعجب ہوا۔ اور میں نے اُس کے جواب میں کہا ثکلتک امک ذرا سمجھ تو میں تیرا ماتم کرے) حقیقت میں تو ہی قرآن مجید سے جاہل مطلق ہے۔ کیا تو نے اُسی قرآن میں خدا سبحانہ تعالےٰ کا یہ قول نہیں دیکھا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین یعنی خدا سے تعالےٰ انہیں لوگوں کی نیکیاں قبول کرتا ہے جو پرہیزگار اور صاحب احتیاط ہوتے ہیں۔ جب تو نے دو روٹیاں

چرائیں دوگناہ کیے۔ پھر دانار چرائے۔ دوگناہ اور صادر ہوئے اور جب ان کو خیرات کیا تو چوری کے مال کو خیرات کرنے کی چار اور معصیتیں تجھ سے سرزد ہوئیں تو مجموعی طور پر آٹھ معصیتیں ایسی حالت میں تجھ سے عمل میں آئیں اور اس وقت تک ایک نیکی نہیں کی۔ اتنا سنتا تھا کہ وہ سناٹے میں آگیا۔ اور میں لاحول پڑھتا ہوا گھر واپس آیا۔

ایک طب کے عالم سے مکالمہ

ایک مرتبہ منصور کے پاس تشریف رکھتے تھے اُس وقت ایک طبیب منصور کو کسی کتاب سے بعض مضامین سنا رہا تھا۔ فارغ ہوا تو آپ سے پوچھا کہ اِس علم کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو جانتا ہے۔ ہم اُس سے بہتر جانتے ہیں اُس نے کہا۔ کیسے؟ فرمایا کہ سردی کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اُن کی اصلاح گرم دواؤں سے کرتے ہیں۔ اور گرم بیماریوں کی سرد سے۔ اسی طرح خشکی سے پیدا ہوئے امراض کا تر دواؤں سے علاج کرتے ہیں اور تر کا خشک سے۔ اور پھر ان جملہ امور میں ہمارا پورا اعتماد اور کامل اعتقاد خدا پر رہتا ہے۔ نیز ہمارا عمل اپنے جد بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ مضر اشیاء سے پرہیز کرنا اصل دوا ہے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے وہی غذا اختیار کرے جس کی اُسے عادت پڑی ہو۔ یہ سنکر اس طبیب نے کہا کہ ہماری طب بھی تو یہی ہے۔

بنفشہ کا مزاج

عبدالرحمن ابن کثیر ناقل ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مہزم آیا۔ آپ نے کنیز کو آواز دی۔ وہ ایک شیشہ روغن بنفشہ سے بھرا ہوا لائی حضرتؑ نے مہزم کی طرف ایک کف دست پر تھوڑا سا ڈال دیا۔ مہزم نے عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہوں یہ روغن بنفشہ ہے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ اُس نے عرض کی یہ سردی اور بنفشہ۔ ہمارے کوفہ کے طبیب تو اسے سرد بتلاتے ہیں۔ فرمایا۔ سرد ہے مگر تابستان میں۔ اور آجکل زمستان میں مائل بگرمی ہو جاتا ہے۔

ایک طبیب عامہ سے مکالمہ

ایک طبیب عامہ سے۔ کبھی کبھی حضور میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ایسی عالیجاہ مجلس اپنی عمر میں نہیں دیکھی تھی۔ ایک مرتبہ عطسہ (چھینک) کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ ہر چند بظاہر

یہ ناک سے نکلتی ہے۔ مگر حقیقتاً یہ تمام بدن سے نکلتی ہے۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا ہے کہ چھینکنے میں تمام بدن میں حرکت ہو جاتی ہے۔ بہ تحقیق چھینکنے والا سات روز تک موت سے امان میں ہے۔

آنکھوں کے درد کا علاج

بکیر ابن اعین اصحاب مخصوصین سے تھے۔ بیان فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں دُکھتی تھیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی کہ کون ایسی دوا کروں کہ میری آنکھیں نہ دکھا کریں۔ ارشاد فرمایا کھانا کھا کر ہاتھ دھو اور وہی ہاتھ اپنی آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔ بکیر کہتے ہیں کہ میں نے اُسی وقت سے یہ معمول کر لیا۔ اِس کے بعد کبھی میری آنکھیں نہ دُکھیں۔

طعام برنج کے اوصاف

طعام برنج کی مدح فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ امعاء کو فراخ کرتا ہے اور بواسیر کو نافع ہے۔ حقیقت میں ہم کو عراقیوں کی دو چیزوں پر رشک آتا ہے۔ ایک طعام برنج پر۔ دوسرے غوں خرما پر۔ اور یہ دونوں چیزیں امعاء کی فراخ کرنے والی اور مادہ بواسیر کی دفع کرنے والی ہیں۔ انگور بھی بنہایت مطبوع تھا۔ فرمایا جب جناب نوح علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کشتی سے اُترے تو مردوں کے استخواں دیکھکر غم والم ہوا۔ حق سبحانہ تعالےٰ نے اُن پر وحی کی کہ انگور سیاہ تناول کرو اور مویز خالص کی تعریف میں فرمایا کہ بدن کے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور ماندگی اور سستی چشم کو دور کرتا ہے اور آدمی کو خوشحال رکھتا ہے۔

کسی شخص نے آپ سے شکایت کی کہ میں نے دودھ پیا تھا اُس سے تکلیف ہوئی۔ ارشاد فرمایا دودھ تو تکلیف نہیں دیتا کوئی اور شے اُس کے ساتھ کھائی ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں کہ انسان کے بدن کو خراب کرتی ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ گوشت قدید (خشک گوشت) بدبودار کھانا۔ پیٹ بھرے حمام میں جانا۔ اور بوڑھی عورت کے ساتھ ہم بستر ہونا۔

لطائف جوابات

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ایک صحبت میں تشریف رکھتے تھے۔ جہاں بہت سے اشخاص اہلبیت علیہم السلام سے حاضر تھے۔ ایک مرد نے کہا اے اولاد علیؑ و فاطمہؑ علیہما السلام تم کو کونسی فخر و فضیلت ہے۔ جو اوروں کو نہیں ہے۔ کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا۔ وہ فخر یہی ہے کہ جو مسلمان ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم میں شامل ہو جائے

بخلاف ہمارے کہ ہم کو کسی کے محامد و اوصاف میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اپنے والدین کے شرائط خدمت بجالاتا تا آنکہ وہ پیر و ناتوان ہوگئے۔ اُسوقت بھی میں اُن کی ایسی خدمت کرتا تھا جیساکہ ماں باپ اپنے صغیر السن بچوں کی پرداخت کرتے ہیں۔ آیا اب بھی مجھ سے اُن کے حقوق ادا ہوئے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اُنھوں نے جو پالا اور پرورش کی اور خدمت کرتے رہے تو اُس کے ساتھ تیری طول عمر کی بھی دعا کرتے رہے اور ہر گھڑی اور ہر آن تجھ پر فدا اور قربان ہوتے رہے۔ بخلاف تیرے کہ تیری یہ حالت اور خواہش نہیں۔ بلکہ عجب نہیں کہ تو اُن کی طول عمر سے عاجز آ کر اُن کی خدمت سے کراہت اور اُن کی ہلاکت کا انتظار کرتا ہو۔
ایک مرتبہ منصور نے حضرت ؑ سے کہا کہ اوروں کی طرح آپ میرے پاس نہیں آتے۔ اِس کی وجہ بیان فرمائیے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تیرے پاس اُمور عقبےٰ سے کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ میں اُس سے خائف ہوں اور نہ کوئی نعمت نعمائے دنیا سے تیرے پاس ایسی ہے کہ میں اُس کی مبارکباد دینے کو تیرے پاس آیا کروں۔ اُس نے عرض کی۔ آپ تشریف لاتے کچھ نصیحت و موعظت ہی فرماتے۔ ارشاد ہوا کہ جو دنیا کا طالب ہوگا وہ کبھی تجھکو نصیحت نہ کریگا اور جو دین کا طالب ہوگا وہ ہرگز تیرے پاس نہ آئیگا۔ اور تجھ سے صحبت نہ رکھے گا۔ منصور یہ سنکر لاجواب ہوگیا۔ اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم اہل دین و دنیا کے مدارج آپ نے بیان فرمادیے اور بخدا سوگند کہ آپ دینداروں سے ہیں نہ اہل دنیا سے۔
کچھ لوگ اہل مکّہ اور مدینہ سے منصور کے دروازے پر حاضر تھے۔ اور اندر جانے کی اجازت چاہتے تھے۔ ربیع حاجب نے مکّہ والوں کو اجازت دی۔ بعدازاں مدینہ والوں کو۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تو نے اہل مکّہ کو کیوں ترجیح دی۔ عرض کی المکۃ ھی العش۔ مکّہ اہل آشیان ہے فرمایا۔ آشیانہ ہے۔ مگر اُڑ گئے اس کے اچھے طائر اس آشیانہ سے اُڑ گئے اور بُرے باقی رہ گئے۔
کسی نے عرض کی حق تعالےٰ اہل بہشت و دوزخ کو ابد الآباد بہشت و دوزخ میں رکھے گا۔ حالانکہ دنیا میں اُن کی عمریں کوتاہ تھیں۔ پس جو اطاعت و غیر اطاعت خدا اُن سے ظہور میں آئیں وہ بھی تھوڑے ہی عرصہ تک رہیں پھر اسقدر جزا و سزا دینا تو قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا۔ اہل بہشت اطاعت خدا پر عازم تھے۔ اگر اُن کو ابد الآباد دنیا میں رہنے دیا جاتا تو بجز طاعت و بندگی خدا دوسرا کام نہ کرتے علیٰ ہذا۔ دوزخی تمرّد و نافرمانی کا شیوا ہرگز چھوڑنے والے نہیں تھے۔ اُن کی یہ زندگانی چند روزہ ہمیشہ نمونہ از خروارے سمجھی گئی اور جزا و سزا ئے استمرار اس پر مترتب کی گئی۔

کسی دریدہ دہن نے بطور اعتراض آپ کی خدمت میں شکایت پیش کی کہ آپ کے شیعہ شراب پیتے ہیں اور نمازیں وقت پر
سے نہیں بجالاتے جیسے کہ تمام المسلمین بجا لاتے ہیں کیا آپ کی اپنی نسبت بخشے ہوں گے۔ حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تمام لعین کے اصول کو بگاڑ نہیں سکتا۔ اس لئے اُن کے فروعات
سے زیادہ پرخاش نہیں کرتا۔ ہمارے شیعوں کے اصول اعتقادات الہٰی سے درست ہیں اس لئے
اُن کے فروع کے خراب کرنے میں از حد ساعی رہتا ہے۔

جس زمانہ میں منصور کے حسب الطلب حیرہ میں فروکش تھے۔ ایکدن منصور نے آپ کی خدمت میں
عرض کی کہ اے ابوعبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تمہارے شیعوں کے سینے میں بات نہیں پچتی
جو دل میں ہوتا ہے اُسے بے اختیار کہہ ڈالتے ہیں۔ جس کے سبب ہر ایک کو اُن کا مذہب معلوم ہو جاتا ہے
فرمایا اس کا باعث اُن کی جلالت ایمانی کا کمال ہے کہ اُن کے کام جان سے شیریں ہوتے
ہیں پس وہ شیرینی بے اختیار اُن کے لبوں تک آجاتی ہے۔

شیعوں سے ایک شخص آکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت
کرنے لگا۔ فرمایا تعجب ہے کہ تو اپنے آپ کو ایسا فقیر بتلاتا ہے۔ حالانکہ ایک بہت بڑا خزانہ تیرے
پاس ہے اُس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کوئی دولت نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تمام دنیا کا سونا چاندی
تجھے دیدیں اور اُس کے عوض میں تجھے ہماری محبت سے پھیرنا چاہیں تو کیا تو اپنے دین سے پھر جائیگا
اُس کامل الایمان نے عرض کی کہ اگر مجھے دنیا و مافیہا تمام دیڈالیں تب بھی میں آپ کی محبت کو نہ چھوڑونگا
فرمایا جب ایسی نعمت الہٰی تیرے پاس موجود ہے تو تو اپنے آپ کو فقیر کیوں کہتا ہے۔ پھر آپ نے
اپنی جیب خاص سے مال وافر اُسے عنایت فرمایا۔

ایک باہر کا رہنے والا دہقان جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار
نہ آیا۔ تو آپ اُس کا حال پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے حقارت کی نظر سے کہا وہی دیہاتی نہ۔ آپ
نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اصل عقل ہوتا ہے اور اُس کی دینداری کا اندازہ پر اُس کی پرہیزگاری
ہے۔ بعد ازاں تمام بنی آدم علیہ السلام اطراف عالم میں مساوی ہیں۔

ایک اصحاب خاص نے خدمت میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے عرض کی کہ کوئی فضیلت
ایسی ارشاد ہو جس میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ایسی خصوصیت پائی جاوے کہ پھر اُس میں
کوئی دوسرا آپکا شریک و سہیم نہ ٹھہرے۔ فرمایا۔
آپ کو اقربا پر تو اس لئے فضیلت حاصل تھی کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور
غیر لوگوں پر قربت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وجہ سے شرافت و فضیلت
حاصل تھی۔

کسی نے عرض کی کہ جب سے منصور نے خلافت پائی ہے۔ مال کے جمع کرنے پر اتنا حریص ہوگیا ہے کہ اچھا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا ہے۔ اور کھانا بھی محض معمولی کھاتا ہے۔ فرمایا الحمد للہ الذی حرمہ من دنیاہ ما لہ ترک دینہ خدا کا شکر ہے کہ اسی نے اس کو اس دنیا سے بھی ویسا ہی کر دیا جس کے لئے اس نے دین کو چھوڑ دیا تھا۔

زید شحام نے عرض کی کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا نیۃ المؤمن خیر من عملہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ کیوں کر۔ فرمایا عمل میں بعض وقت ریا داخل ہو جانے سے آدمی دکھانے کے لئے کوئی کام کرتا ہے۔ مگر نیت میں یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ خالص حضرت رب العلمین کے لئے ہوتی ہے۔

توام بچوں کے بڑے چھوٹے ہونے میں کلام تھا۔ پہلے پیدا ہونے والے کو بڑا کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ بڑا وہ ہے جو پیچھے پیدا ہوا کیوں کہ اس کا حمل پہلے رہا۔

منصور کے پاس بیٹھے تھے ایک مکھی اس کے بدن پر بیٹھی۔ اس نے اسے اڑا دیا۔ پھر آئی۔ پھر اڑا دی غرضکہ متواتر ایسا ہی کرتا رہا۔ زچ ہوگیا تو جھنجھلا کر کہنے لگا کہ اے ابو عبد اللہ علیہ السلام مکھی کو تو حق تعالے نے ناحق پیدا کیا۔ بھلا اس کی خلقت سے کیا فائدہ ہے فرمایا لیذل بہ الجبارین اس کی خلقت سے یہی مقصود ہے کہ اس سے جباربن زمانہ ذلیل و خوار ہوں۔

یہ واقعہ مستند بین الفریقین ہے۔ شیعوں نے منصور ربیع سے اور سنیوں نے احمد ابن عمر ابن مقدام رازی سے نقل کیا ہے۔

قاضی ابن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایکبار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تم اس مجرم کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ جس نے ہرن کا رباعیہ (دانتوں کا چوکا) توڑ ڈالا ہو۔ کہا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجکو تو معلوم نہیں کہ اس کا کیا کفارہ ہے۔ یہ سنکر حضرت تبسم ہوئے اور فرمانے لگے۔ کہ تم تو اپنے آپ کو بڑا عالم جانتے ہو۔ مگر ابھی تک تمکو یہ تو معلوم ہی نہیں کہ ہرن کے چار دانت اکٹھا ہوتے ہی نہیں۔ اس کے ہمیشہ دو دانت ہوتے ہیں۔

فیصلے اور محاکمے

زمانہ کے نصیب اس وقت ایسے کہاں تھے کہ وہ اپنے معارضات و منازعات میں آپ کے فیصلوں اور محاکموں پر عمل کریں۔ جو بالکل عدالت آلہی اور شریعت حضرت رسالت پناہی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے پورے مطابق تھے۔ اسی سلسلہ میں بھی ہم پہلے کئی مقاموں پر لکھ آئے ہیں۔ کہ ان دو اشخاص مقدسہ کو ملکی کاروبار اور احکام سیاست سے کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں تھا۔ مگر ہاں۔ جب کسی پیچیدہ مسئلہ سے سامنا ہوجاتا تھا۔ اور سلطنت کے تمام قاضی۔ مفتی علما۔ فضلا اور حکما کی عقلیں ان کے جواب سے عاجز رہ جاتی تھیں۔ تو مجبوراً انہیں الراسخون فی العلم کی خدمات میں رجوع کیا جاتا تھا۔

یہ واقعات کچھ اسی سلطنت میں پائے نہیں جاتے۔ بلکہ اس سے قبل بھی تمام سلطنتوں کا یہی دستور قائم رہا ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اولیٰ کے وقت سے لیکر اس وقت تک ہم نے اپنے سلسلہ تصانیف میں حضرات ائمہ کی قابلیت کے پایہ دکھلاتے چلے آرہے ہیں۔

بہرحال۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے استفادہ و استفاضہ کی ضرورت اس سلطنت کو بھی واقع ہوئی۔ ان میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ایک عورت نے وقت انتقال وصیت کی تھی کہ میرے مال سے ثلث خیرات کیا جاوے۔ دو ثلث باقی میں سے ایک سے حج کرا دیا جاوے اور ایک سے ایک غلام لیکر آزاد کر دیا جائے۔ مگر اس کا مال اتنا نہ تھا جو ان تمام مصارف کے لئے کافی ہو سکتا۔ ابو حنیفہ کوفی اور سفیان ثوری سے اس کا حکم پوچھا گیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا کہ ایک ایسا شخص تلاش کیا جاوے جو حج کو گیا ہو اور راستے میں اسے رہزنوں نے لوٹ لیا ہو۔ پس اس کو تھوڑا سا مال اس میں سے دیکر حج کرا دیں پھر ایسا غلام تلاش کریں۔ جو اپنی آزادی کی کوشش کرتا ہو۔ بلکہ اپنی قیمت سے کچھ ادا بھی کر چکا ہو اور کچھ باقی ہو۔ وہ جزو ترکہ عورت سے دیکر اسے آزاد کرا دیں۔ اور باقی کو اس کی جانب سے خیرات کر دیں۔

معاویہ ابن عمار۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب سے تھے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں اس تمام قضیہ کا ذکر کیا۔ آپ سے اس کا حکم دریافت کیا تو ارشاد فرمایا گیا۔ کہ حج واجب ہے۔ اول وہ کرایا جاوے۔ جو کچھ بچے اسے خیرات میں صرف کریں۔ ابو حنیفہ نے جب سنا تو کہا۔ یہی درست ہے۔ اسی کو نافذ کیا۔ اور اپنا استفتاء واپس لیا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ نے بردہ آزاد کرنے کو حج کرنے سے مقدم بتلایا تھا۔ حضرت نے سنا تو فرمایا کہ ایک حج دس بردے آزاد کرنے سے زیادہ ہے۔ اس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلام کے آزاد کرنے میں۔ طواف کعبہ۔ سعی مابین صفا و مروہ۔ وقوف عرفہ و تلبیہ اس درمی جمرات کہاں۔ خانہ کعبہ صرف حج کرنے کے لئے وضع ہوا ہے۔ اگر ایسا ہی [illegible] کرنا

کرتا ہے۔ تو حج بند ہو جاوے۔

منصور دوانقی طواف کعبہ میں مشغول تھا۔ ربیع حاجب آیا اور کہا اے امیر المومنین تمہارا فلاں غلام مر گیا۔ اس کے بعد فلاں شخص نے اس کا سر کاٹ لیا۔ منصور کو یہ سنکر غصہ پیش آیا۔ ابن شبرمہ اور قاضی ابو لیلیٰ وغیرہ چند فقہا پائے ندانہ بیٹھے تھے۔ منصور نے اُن سے پوچھا کہ اُس مرد کی کیا سزا ہے جس نے مردے کا سر کاٹا۔ اُنھوں نے کہا۔ مرنے کے بعد سر کاٹنے کی۔ ہمارے نزدیک تو کوئی سزا نہیں ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت صفا و مروہ کے درمیان سعی فرما رہے تھے منصور نے اشارہ کیا کہ حضرت سے اِس مسئلہ کا حکم دریافت کیا جاوے۔ ربیع نے حاضر ہوکر پوچھا فرمایا گیا کہ سر کاٹنے والا ایک سو دینار اُس کی دیت ادا کرے۔ ربیع نے عرض کی کہ اِس کی علت ارشاد ہو۔ فرمایا کہ نطفہ کی دیت بیس دینار مقرر ہیں۔ علے ہذا مضغہ علقہ استخوان اور گوشت کی دیت دینار مقرر ہیں اور یہ سب قبل اس کے کہ نفخ روح ہو۔ چونکہ میت بھی روح کے نکلجانے کے بعد ایسا ہی بیجان ہے جیسی کہ قبل نفخ روح تھی۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ حکم محکم ربیع نے آکر منصور سے کہا تو جملہ حضار سنکر بہت مسرور ہوئے۔ پھر منصور نے ربیع کو بھیجکر دریافت کرایا کہ یہ مال دیت کس کو دیا جاوے۔ وارثان مردہ کو یا کسی اور کو۔ اس کے جواب میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ورثہ میں سے کچھ نہ دیا جاوے گا۔ کیونکہ متوفی بعد موت کے اِس مال کا مستحق ہوا ہے۔ اِس مال سے اُس کے لئے ایک حج کرایا جاوے اور دیگر امور خیرات میں صرف کیا جاوے۔

حجام ایک طفل کا ختنہ کرتا تھا۔ اتفاقاً اُس کا عضو کلیتاً قطع ہو گیا۔ یہ قصہ آپ کی خدمت میں فیصلہ کی غرض سے پیش کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لڑکا اِس کے صدمے سے مر جائے تو حجام پر اُس کی دیت واجب ہو جائیگی اور نصف حق تعالے لیگا۔ کیونکہ موت میں وہ اُس کا شریک تھا اگر زندہ رہا تو تمام خون بہا حجام کو دینا ہوگا۔ کیونکہ قطع نسل کا باعث ہوا ہے۔

ایک مرد نے ایک عورت سے عقد کیا۔ رات کو قبل اسکے کہ اُس کا شوہر اُسکے پاس جاوے۔ منکوحہ نے اپنے پہلے آشنا کو بلاکر اپنے حجلہ میں اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا شوہر جب وہ اُٹھا اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخرش شوہر نے اپنے رقیب کو قتل کر لیا۔ عورت نے پیچھے سے آکر شوہر کو ایسی ضربت لگائی کہ اُس کا کام بھی تمام ہو گیا۔ یہ مقدمہ جناب امام علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لئے لایا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ عورت کو اپنے آشنا کا خون بہا دینا ہوگا کیونکہ اُس کے قتل کا باعث وہی ہوئی ہے۔ اور شوہر کے قصاص میں خود قتل کی جائیگی

کہ بلا واسطہ اپنے شوہر کی قاتل ہوئی۔
ایک شخص رات کے وقت ایک عورت کے گھر میں گھسا کہ اُس کا مال و متاع چرا لے۔ اسباب کا گٹھر باندھ لیا تھا کہ اُس کا دل اُس عورت کی طرف مائل ہوا اور اُس کی نیت بد ہوئی۔ اور وہ اُسی حالت میں اُس عورت پر جا پڑا۔ اس حرکت سے اُس کا بچہ جو اُس کے پیٹ پر لیٹا تھا جاگ اُٹھا۔ چور نے ایک خنجر مار کر بچہ کا کام تمام کر دیا۔ پھر اپنے کام میں مشغول ہوا جب فارغ ہوا تو اسباب کا گٹھر اُٹھا چلتا ہوا۔ عورت نے وہی خنجر اُس کا لیکر پیچھے سے اُسے مارا اور اُسے قتل کیا صبح کو چور کے عزیزوں نے جمع ہو کر اُس عورت پر خون کا دعوےٰ کیا منفتی شہر نے یہ قضیہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حکم کے لئے بھیجدیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اہالیان سارق بچہ کے خون کے ذمہ دار ہیں۔ اور چور کے ترکہ سے چار ہزار درہم زنا بالجبر کی غرامت میں عورت کو دلوائے۔ اور عورت کو قتل سارق کے جرم سے بری کیا چونکہ وہ چوری کرنے آیا تھا۔ تو
ایک شخص منصور دوانقی کے پاس دعویدار ہوا کہ یہ دو شخص میرے بھائی کو رات کے وقت گھر سے لے گئے پھر واپس نہیں کیا۔ نہیں معلوم انہوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہاں اُس کو کھو دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے صرف چند باتیں اُس سے کیں پھر وہ اپنے گھر کو واپس گیا منصور نے اُس کو حضرت کے پاس بھیجدیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو کسی کو گھر سے لیجاوے وہ اُسوقت تک اُس کا ضامن ہے جب تک کہ اُس کی نسبت یا دائے شہادتین یہ ثبوت نہ پہنچا لے کہ اُس نے اُسے گھر واپس دیا۔
دو شخصوں میں سے ایک کی نسبت آپ نے حکم دیا کہ یہ اُس کے قصاص میں قتل کیا جاوے وہ چلایا۔ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نے تو اس کو نہیں مارا۔ میں آپ سے راست راست بکم و کاست بیان کرتا ہوں۔ میں تو صرف اُس کو پکڑے ہوئے تھا۔ اس دوسرے نے مارا ہے۔ دوسرا بولا کہ میں نے صرف ایک ضرب لگائی تھی کہ وہ مر گیا۔ یہ سنکر آپ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے قصاص میں قتل کیا جاوے اور دوسرا اس کی تائید کے جرم میں حبس دوام کی سزا پائے۔
عباد مکی نے ایک مرتبہ ایک مریض کا حکم دریافت کیا جس نے زنا کی تھی۔ اگر اسپر حد شرعی جاری کی جاتی تو اُس کے مرجانے کا احتمال تھا۔ آپ نے دریافت کنندہ سے پوچھا کہ یہ مسئلہ تو اپنی طرف سے پوچھتا ہے یا کسی دوسرے نے میرے ذریعہ اور معرفت سے دریافت کرایا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ سفیان ثوری نے میری معرفت دریافت کیا ہے۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبان کو لائے کہ عارضہ استسقا میں مبتلا تھا حتے کہ لاغری کی وجہ سے اُس کی رانوں کی رگیں نمودار تھیں اُس نے زنا

مریضہ عورت کے ساتھ زنا کی تھی۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شاخ خرما کہ سو پتی اُس میں تھی منگائی اور ایک ایک بار اُن دونوں کے مار کر اُن کو رہا کر دیا۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ اِس کی خبر دیتا ہے وخذ بیدك ضغثا فاضرب به اپنے ہاتھ میں دستہ گیاہ (عام اِس سے کہ خشک ہو یا تر۔ یا شاخ) لو اور اُس کو مارو۔

ابو ولاد حناط ناقل ہیں کہ مجھے ایک قرضدار کی تلاش میں قصر ابن ہبیرہ تک جانا تھا۔ کوفہ سے وہاں تک ایک خچر آمد و رفت کے لئے کرایہ کیا۔ کوفہ کے پل پر پہنچا تھا کہ وہ قرضدار نیل کو چلا گیا۔ جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ بغداد کو چلا گیا۔ پھر بغداد جا کر اُس سے ملا۔ اور اپنا معاملہ طے کر کے کوفہ واپس آیا۔ اِس دوا دوش میں پندرہ روز لگ گئے۔ مالک اشتر کو پندرہ درم دئے مگر وہ راضی نہ ہوا۔ آخرش ہم دونوں ابو حنیفہ کے پاس گئے۔ اور حال بیان کیا۔ ابو حنیفہ نے اشتر کے مالک سے پوچھا کہ تیرا خچر تجھے مل گیا۔ اُس نے کہا ہاں مل تو گیا مگر پندرہ روز کے بعد مجھے اتنے دنوں کا کرایہ ملنا چاہیئے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ قصر ہبیرہ تک صرف کرایہ کیا گیا تھا۔ جب وہاں سے آگے بڑھ گیا تو قیمت خچر کا وہ ضامن دار ہوا۔ اور کرایہ اُس سے ساقط ہوا اب جو خچر صحیح و سالم لا کر تجھے واپس دے دیا تو اُس پر تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ الغرض ابو حنیفہ کا یہ عجیب و غریب حکم سنکر میں نے کہا کہ یہ شخص جو تجھے پہلے رقم دیتا تھا وہ بھی آپ ہی کے نذر ہے یہ کہا اور وہاں سے روانہ ہوا۔ راستہ میں کہتا جاتا تھا کہ ایسے ہی حکام وقت ہیں۔ تب ہی آسمان سے بارش نہیں ہوتی اور زمین سے روئیدگی کی قوت زائل ہو گئی۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے اِس کے حال زار پر رحم آیا اور وہ پندرہ درم اِس کے حوالے کر دئے۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ ماجرا بیان کیا اور حکم صحیح کا خواستگار رہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کوفہ سے پل تک وہاں سے بغداد اور بغداد سے پھر کوفہ تک خچر کا کرایہ تجھے واجب الادا تھا۔ عرض کی کہ دانہ گھاس جو میں نے دیا فرمایا وہ حساب میں نہیں۔ کیونکہ تو اس کا غاصب تھا۔ پھر کہا وہ تو مجھے بحل کر چکا ہے فرمایا ابو حنیفہ کے حکم جور سے۔ اب اِس فیصلہ کے بیان کرنے کے بعد وہ مجھے معاف کر دے تو البتہ معافی کی سند ہو سکتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے واپس آ کر اُس مرد سے قصہ بیان کیا اور کہا اب جو تو کہے تجھے دیا جاوے۔ اُس نے کہا کہ تو نے اس جناب علیہ السلام کی محبت اور فضیلت تو میرے دل میں مستقل اور مستحکم کر دیا۔ میں اب تجھ سے کچھ نہیں چاہتا۔ بلکہ اگر کہو تو وہ پندرہ درہم بھی واپس کر دوں

فقط

تمت بالخیر والعافیہ

الحمد للہ والمنہ کہ بتاریخ دوازدہم ماہ محرم الحرام روز سہ شنبہ ۱۳۲۸ ہجری نبوی صلعم از
نقل ایں کتاب علے صاحبہا اللہ صلوات بغیر حساب فراعت ساختم
واز خود عقبے بگذاشتم و آخر دعولنا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوات والسلام علی سیدنا محمد و
آلہ المعصومین المنتجبین الی
یوم الدین
آمین

المولف

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

غفرلہ ولوالدیہ

عالیجناب مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کو آٹھ ضلع آرہ کی وہ نادر تالیف جسکا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ہی نکل گیا۔ اور جس کے لئے ملک کے ہر گوشہ سے برابر اشتیاق آمیز تحریریں آتی رہتی ہیں۔ شائقین کے بیحد اصرار پر ہم نے اس ضخیم کتاب کو جس کا حجم چھ سو صفحات سے زائد ہے دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ پس جو حضرات اسکی خریداری کے خواہشمند ہوں براہِ کرم اپنا نام درج رجسٹر کرالیں۔ تاکہ تیار ہونے پر فوراً ارسالِ خدمت کردی جائے۔

ذبح عظیم اپنی قسم کی پہلی تالیف ہے جو عام فہم سلیس اردو میں نہایت سنجیدگی اور متانت سے لکھی گئی ہے جس میں واقعۂ کربلا اور اُسکے اسباب۔ اُسکی تدریجی حالت سے بالتفصیل بحث کی گئی ہے۔ شائقین اپنے مزید اطمینان کے لئے فہرست مضامین بھی ہم سے طلب فرماکر ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ جس سے نہایت آسانی سے سمجھ میں آجائیگا کہ **ذبح عظیم** کیا ہے۔ وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور اپنا اسم گرامی درج رجسٹر شائقین کرائیے۔ وما علینا الا البلاغ

المشتہر

منیجر جوہر اینڈ کمپنی چتلی قبر۔ دہلی

فہرست کتب موجودہ مقبول پریس چتلی قبر دہلی۔

لواعج الاحزان - اس میں چہاردہ معصومین کی ولادت و وفات کی مجالس موجود ہیں اور ہر معصوم کی سوانحعمری کا تھوڑا بہت ذکر معصومین کے آباؤ اجداد و اولاد کے معجزے اور انکا تفصیلی ذکر بحیثیت مجموعی یہ کتاب قابل دید ہے قیمت سابقہ عا قیمت حال عہ

تذکرۃ الطاہرین - اس کتاب میں مصائب کا ذکر نہایت خوش اسلوبی سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ اور ہر حصے میں نہایت مسلکی اور دلگداز روایتیں جمع کیگئی ہیں۔ مکمل کتاب کی قیمت سابقہ عہ۔ قیمت حال عا

ینابیع المصائب - اس کتاب میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور انکے رفقا کی شہادت کے سچے اور تفصیلی حالات درج ہیں۔ قیمت ۱۲ر

اخلاق :- تہذیب اسلام قسم اول عہ۔ تہذیب اسلام قسم دوم عا

مناظر لاثانی منشی سید سجاد حسین صاحب کی تصنیف لطیف کا ذخیرہ

الآیات - حضرات اہلسنت کی مایہ ناز پانچ آیات قرآنی پر محققانہ اور مدققانہ نظر ثانی اور اس امر کا قطعی فیصلہ کہ حضرات اہلسنت کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید سے اپنے خلفاء ثلثہ کی تائید یا تعریف میں پیش نہیں کرسکتے قیمت ۱۰ر

آفتاب خلافت مسئلہ خلافت پر کافی شرح وبسط سے بحث کیگئی ہے معتبر کتب اہلسنت سے حضرت علی کی خلافت کو برحق ثابت کیا ہے قیمت ۲ر

مشعل ہدایت - ایک سنی فاضل امروہوی ۸ زبردست سوالات کا تسکین دہ جواب۔ دلچسپ مناظرہ۔ قیمت ۲ر

عطر ایمان - دو سنیوں کا شاہجہانپور میں شیعہ ہونا اور انکی فرمائش پر ہر چہار خلفاء کی لائف۔ قیمت ۳ر

الہادی - یہ کتاب مناظرہ شیعہ و سنی میں بطور ناول ایک قصہ کے پیرایہ میں لکھی گئی ہے جس میں عقائد شیعہ و سنی کا نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے موازنہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۵ر

جام جہاں نما - یہ بھی مناظرہ میں اپنے طرز کی ایک نرالی کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

سرمۂ خاموشی - یہ رسالہ اسم با مسمےٰ ہے۔ قیمت ۸ر

شرح کنز مکتوم - عقد ام کلثوم کے متعلق مناظرہ میں قابل قدر کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

صراط مستقیم - ایک سنی نے اپنے شیعہ ہونے کی وجوہ لکھی ہیں۔ قیمت ۔ر

بحث بداء - اس میں مسئلہ بداء پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ار

آئینہ حق نما - شیعہ و سنی کے مناظرہ میں قابل دید ہے قیمت ار

پاکیزہ خیال - مناظرہ میں قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ار

نوٹ ا۔ جملہ کتب کی قیمت بلا محصول ڈاک تحریر کیگئی ہے محصولڈاک قیمت کتب سے علاوہ ہوگا نوٹ ۲۔ اگر مفصل فہرست کتب درکار ہو تو طلب فرمایئے۔

المشتہر - جوہر اینڈ کمپنی چتلی قبر - دہلی۔